پیش لفظ

غالباً ۱۹۲۶ء کا واقعہ ہے۔ ایک دن صبح کے سہانے سے ایک سائل حسب ذیل اشعار پڑھ کر بھیک مانگتا سنائی دیتا تھا۔

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات
کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اسی کے ترا اونچا رہے پھر ہات
اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائے گی بابا
داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی
چڑھتی ہے پہاڑوں پہ سدا ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اسے کی
تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوئے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی بابا
یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی
جو اور سے کرتی ہے وہ تجھ سے کرے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہے سو گھٹے گی
جبتک تو جیئے گا تجھے یہ چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے یہ غضب لائے گی بابا

خدا جانے سائل کی پاٹ دار آواز کا یہ اثر تھا یا قادرانہ منظر کشی کا وقت لہروں سے ہم آہنگ ہو جانے کا کرشمہ تھا۔ جتنے لوگ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ سب یک دم گوش بر آواز ہو گئے۔ پارے کی طرح ہر ایک کا دل سینے میں مچل رہا تھا۔ کہ سائل سے

پوری نظم کسی طرح سنی جائے۔ اور وہ تھا کہ جس دروازے پر بھی پہنچتا۔ یہی دو تین بند پڑھتا اور بھیک لے کر آگے نکلتا چلا جا رہا تھا۔ بہر حال دلوں کی بار بار دستک نے اسے قریب لا کے کھڑا کر دیا اور پر کیف اصرار کے بعد یہ بند اس نے سنائے۔

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا
ہے یہ تو یقین آخرش ایک دن تو مرے گا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا
وہ ناچ مزا دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں چلائے گی بابا
اس کے تو وہاں ڈھولک مردنگ بجے گی
اور روح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
وہ کھاوے گا اور ترے تئیں آگ لگے گی
تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا یہ تجھے گور میں تڑپائے گی بابا
کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن
گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان
جیسا ہی اسے اس نے کیا خوب پریشان
ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلائے گی بابا

یوں تو میں نظیر کے کلام کو اس سے پہلے بھی کئی بار پڑھ چکا تھا۔ خوب جانتا تھا کہ اس کا دنیائے شعر و ادب میں کیا رتبہ ہے۔ مگر اس نظم کو سننے کے بعد ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے نظیر اور اس کے کلام سے پہلی بار آشنا ہو رہا ہوں۔

دوسرا منظر

۱۹۳۲ء میں مرحوم دوست یونس حسن صاحب عثمانی پرشین ٹیچر شعیب محمدیہ ہائی سکول کی دعوت پر آگرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ تو آگرہ فورٹ پر اترتے ہی بالکل اسی طرح جیسے کسی نے ایک دم سوا سو برس ادھر کی تاریخ کے دھندلے مورچے پر لے جا کر کھڑا کر دیا ہو۔ نظیر کی پوری کتاب زندگی سامنے آ کر کھل گئی ہو۔ وہ ان کی سادھو منش صورت، پنڈتانہ وضع بنائے گھڑیا پر چڑھ کر روزانہ تاج گنج سے روٹی خان کے اجڑے کھنڈروں کو پار کر کے قلعے کے نیچے شاہی محل اور جمنا کی سیر کو آنا اور تر پلیا میں گھڑیا کو چھوڑ کر شہر کے گلی کوچوں میں دوطرفہ چھوٹے بڑے بوڑھے، جوان ہر دعورت ہر کسی سے گھل مل کر باتیں کرنا لوگوں سے فرمائشیں کرنا اور ہنسی مذاق کی باتیں ہونا، اور ان کا وہ تمام فرمائشیں پوری کر کے دل چسپی لیتے جانا۔ غرض آن کی آن میں یہ سب مناظر ایک ایک کر کے سامنے آئے اور گزر گئے۔ اسی تصور گراں اور مسلسل جنبش خیال کا نتیجہ یہ تھا کہ آگرے میں اس مرتبہ جتنے دنوں قیام رہا۔ زیادہ تر شعر و سخن سے ہی واسطہ پڑتا رہا۔ سیماب اکبر آبادی سے جو اب پاکستان جا کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ اسی سفر میں پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ ان میں سے بھی ایک دن کئی گھنٹے تک نظیر اور محض نظیر ہی کے متعلق تبادلہ خیال ہوا۔ کیا وہ نظیر کے متعلق کچھ زیادہ اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے۔ پھر بھی میرے دل میں ان کی ہمہ گیری کا نقش کبھی ہلکا نہیں پڑا۔

یونس صاحب مرحوم نے میری اس وقتی دل چسپی ہی کے پیش نظر ایک دن شعیبیہ اسکول کے چند اساتذہ اور نظموں اور غزلوں کے اچھے پڑھنے والے کئی لڑکوں کو اپنے ہاں جمع بھی کیا تھا۔ نام تو یاد نہیں رہا۔ سانولے سانولے رنگ کا ایک نوجوان لڑکا تھا۔ جس کا تعارف انہوں نے غالباً یہی کہہ کر کرایا تھا کہ اسے نظیر کا کلام بہت یاد ہے۔ اور اس کے والد کے پاس ان کا غیر مطبوعہ کلام کافی محفوظ ہے۔ چنانچہ میری فرمائش پر کئی

گھنٹے تک وہ نظیر کا غیر مطبوعہ مرصع کلام سناتا رہا۔ منجملہ اس کے ''پری کے سراپا والی'' مخمس بھی مجھے اسی نے سنائی تھی۔ اب چھپ گئی ہے۔ اور اس کلیات میں شریک اشاعت بھی ہے۔ الفاظ کی تراش خراش، مضمون کی جدت وندرت اور مترنم وضع کے اترتے چڑھتے الفاظ کی بہتات پر پڑھنے والے کا اچھی آواز اور اچھے انداز میں ادا کر لے جانا سب پر ایک ہی رنگ تو جما گیا۔ آپ ابھی ملاحظہ کیجئے کتنی مرصع اور پختہ زبان استعمال کی گئی ہے۔

خونریز کرشمہ ناز ستم غمزوں کی جھکاوٹ ایسی ہے
مژگاں کی سناں نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ایسی ہے
عیار نظر مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہے
قتال نگہ اور وشت غضب، آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہے
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت سرمے کی گھلاوٹ ویسی ہے
جو کافر اس کا عالم ہے وہ عالم حور کہاں پاوے
گر پردہ منہ سے دور کرے خورشید کو چکر آجاوے
جب ایسا حسن بھبھوکا ہو دل تاب بھلا پھر کیا لاوے
وہ مکھڑا چاند کا ٹکڑا سا جو دیکھ پری کو غش آوے
گالوں کی دمک، چوٹی کی جھمک رنگوں کی گھلاوٹ ویسی ہے
تھی زور ادا سے سر اوپر نخاف دوپٹے کی انی
بل دار لٹیں جبیں جکڑی مینڈھی نیچی کنگھی
دل پیچ نہ کھاوے اب کیوں کر اور دیکھ نہ الجھے کیسے جی
وہ رات اندھیری بالوں کی وہ مانگ چمکتی بجلی سی
زلفوں کی کھلت پٹی کی جمت، چوٹی کی گندھاوٹ ویسی ہے
بے درد ستمگر بے پرواہ چنچل، بے کل، چنچلی سی

دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
ڈوروں کی بان نکیلی سی،کاجل کی آن کٹیلی سی
وہ آنکھیں مست نشیلی سی،کچھ کالی سی ،کچھ پیلی سی
چتون کی دغانظروں کی کپٹ،سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہے
اس کافر بینی اور نتھ کے انداز قیامت شان بھری
اور گھرے چاہ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھری
وہ نرمے صاف ستارے سے اور موتی سے دامان بھری
وہ کان جواہر کان بھرے کن پھولوں والی جان بھری
بندوں کی ہلت جھمکوں کی جھلک،بالی کی ہلاوٹ ویسی ہے
چہرے پہ حسن کی گرمی کے ہر آن جھمکتے موتی سے
خوش رنگ پسینے کے قطرے سوبار جھلکتے موتی سے
ہنسنے کی ادا میں پھول جھڑیں،باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹ غضب وہ دانت چمکتے موتی سے
پانوں کی رنگاوٹ قہر ستم،دھڑیوں کی جماوٹ ویسی ہے
تقریر بیان سے باہر ہے وہ کافر حسن آہا ہاہا
کچھ آپ نئے کچھ حسن نیا کچھ جوش جوانی کا اس کا
پلکیں جھپکیں ان بانہوں کی میں واہ کہوں کیا کیا
وہ بانکے بازو ہوش ربا عاشق سے کھیلیں بانک پنا
پہنچی کی پہنچ پہنچے پہ غضب،بانوکی بندھاوٹ ویسی ہے
وہ گورے گورے ہاتھ غضب وہ نرم کلائی ناز بھری
کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں کچھ جھنکی چوڑی چاندیک سی
یہ عالم دیکھ کے عاشق کا سینہ میں نہ تڑپے کیونکر جی

وہ پیاری پیاری انگشتیں وہ پوریں نازک سی
مہندی کی رنگت ،فندق کی نبت،چھلونگی چھلاوٹ ویسی ہے

کچھ ناز واوا کی مغروری کچھ جور وجفا کچھ بانک پنا
کچھ آمد حسن کے موسم کی،کچھ کافر جسم رہا گدرا
یہ شور جوانی اٹھتی کا آتا ہے امنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ ابھرا جوش بھوا وہ حسن کا عالم جھوم رہا
شانوں کی اکڑ،گردن کی مڑت،مونڈھوں کی کچھاوٹ ویسی ہے

اس گورے نازک سینے پہ وہ گہنے کے گلزار کھلے
چمپے کی کلی، ہیرے کی جڑی،توڑے جگنو،ہیکل، بدھی
دل لوٹے ،تڑپے ہاتھ ملے اور جائے نظر ہر دم پھسلی
وہ پیٹ ملائی سا کافر وہ ناف چمکتی تارا سی
شوخی کی گھلاوٹ اور ستم شرموں کی چھپاوٹ ویسی ہے

ہر آن نرالی ہر اک سے اس شوخ پری کی محبوبی
کچھ ناز واوا کی مرغوبی کچھ شرم وحیا کی محجوبی
اب گہنے کی تعریف کروں یا کافر جوڑے کی خوبی
پوشاک سنہری عطر بھری،سر پاؤں جواہر میں ڈوبی
جگنو کی دمک،سینہ کی صفا ،کرتی کی پھنساوٹ ویسی ہے

وہ کافر دھج جی دیکھے جسے سوبار قیامت کا لرزے
پازیب کڑی پائل گھنگھرو کڑیاں،جھڑیاں گجری توڑے
ہر جنبش میں سوجھنکاریں،ہر ایک قدم پہ سوجھمکے
وہ چنچل چال جوانی کی اونچی ایڑی نیچے پنجے
کفشوں کی کھٹک دامن کی جھٹک ٹھوکر لگاوٹ ویسی ہے

قاتل ہر آن نیا عالم، کافر ہر آن نئی جھمکیں
بانکی نظریں، ترچھی پلکیں، بھولی صورت، میٹھی باتیں
دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب جی لینے کی سو سو گھاتیں
ہر آن پھبن ہر وقت تجیں ہر دم میں بدلے لاکھ دھجیں
آنکھوں کی لگاوٹ قہر ستم، بالوں کی رکھاوٹ ویسی ہے
تصویر کا عالم نک سک میں،چھب تختی صاف پری کی سی
کچھ چیں جبیں کی اینٹھ رہی اور ہونٹوں میں کچھ کالی سی
بیدردی سختی بےمہری اور مہر و محبت تھوڑی سی
جھوٹی عیاری ناک چڑھی، بھولی سیانی پکی سی
ٹھٹھوں کی اڑاوٹ اور غضب،قہہ قہہ کی ہنساوٹ ویسی ہے
نظروں میں صاف اڑائے دل اس طور کی کافر عیاری
اور ہٹ جاوے سوکوں پرے بات کہو کچھ مطلب کی
کہنی مارے چٹکی لے لے،چھیڑے جھڑکے ،دیوے گالی
ہر آن چہ خوش ہر دم اچھا ہر بات ہنسی کی چہل بھری
رمزوں کا ضلع، غمزوں کی جگت،پھبتی کی پھباوٹ ویسی ہے
یہ ہوش قیامت کافر کا جو بات کہو وہ سب سمجھے
روٹھے مچلے سو سوانگ کرے باتوں میں لڑے نظروں میں ملے
یہ شوخی اور یہ بے تابی اک آن کبھی نچلی نہ رہے
چینچل،اچپل، مٹکے چٹکے سر کھولے ڈھانپے ہنس ہنس دے
بانہوں کی جھٹک،گھونگھٹ کی ادا ،جوبن کی دکھاوٹ ویسی ہے
اک شور قیامت ساتھ چلے نکلے کافر جس دم بن ٹھن
بل وار کمر رفتار غضب دل کا قاتل جی کا دشمن

مذکور کروں میں اب یارو اس شوخ کا کیا کیا چنچل پن
کچھ ہاتھ ہلیں کچھ پاؤں ہلیں، اچھلیں بازو پھڑکے سب تن
گالی وہ بلا، ہتالی وہ ستم، اونگلی کی نچاوٹ ویسی ہے
جو ایسا حسن کا دریا ہو کس طور نہ لہروں میں بہیئے
گر مہر و محبت ہو بہتر اور جور و جفا ہو تو سہیئے
دل لوٹ گیا ہے غش ہو کر بس اور تو آگے کیا کہیئے
ملجائے نظیر ایسی جو پری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیئے
بوسوں کی چپک، بغلوں کی لپٹ، سینوں کی ملاوٹ ویسی ہے

تیسرا منظر

روز نامہ آفتاب کے عہد ادارت میں ایک بار میرا لاہور (جو اب بدقسمتی سے انڈین یونین سے کٹ کر) پاکستان کی قسمت میں سنہرا ستارہ بن کر چمک رہا ہے۔ جانے کا اتفاق ہوا۔ اخبارنویسی کے برادرانہ تقاضے پر جہاں اور بہت سے جدید و قدیم اہل قلم حضرات کی زیارت کا موقع ملا۔ مولانا عبدالمجید قریشی مرحوم ایڈیٹر اخبار ایمان کا نام خاص طور پر قابل تذکرہ ہے۔ وہ ایک کامیاب ادیب اور صحیفہ نگار ہی نہ تھے۔ شعر وسخن اور مذہبی پالیٹیکس کے اندر خاصی مہارت بھی رکھتے تھے۔ ایک دن اردو ادب کے ارتقاء پر بحث چھڑ گئی تو فرمانے لگے۔ کہ اردو ادب نے غالب پر جس قدر نئے نئے الفاظ اور نئی نئی ترکیبیں کر کے احسان کیا ہے۔ اس کی مثال کسی دوسرے شاعر کے ہاں مشکل سے ملے گی۔ میں زیادہ بے تکلف نہیں تھا۔ اس لئے اور کچھ نہیں، ڈرتے ڈرتے کہہ ہی اٹھا کہ غالب کے کلام کو شاید آپ نے قریب سے نہیں ملاحظہ کیا۔ اس کی تو ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ خود اردو کی اقلیم میں بیدل کی جگہ پر فائز ہو جائے اور زبان اردو اپنے ہونٹوں پر فارس کا بنا ہوا قفل چڑھا لے۔ البتہ اس خدمت کا شاہ حاتم، شاہ نصیر، مومن، جرات، انشا، وغیرہ کے ساتھ اگر کسی نے کچھ انجام دیا ہے تو وہ نظیر ہے۔ اس پر قریشی صاحب بہت ہی چیں بجبیں ہو گئے تھے۔ اور سختی کے ساتھ مجھ سے میرے دعوے کی دلیل مانگنے لگے تھے۔ بات یہاں تک بڑھی کہ مجبوراً مجھے روئے سخن بدل دینے کے لئے گزارش کرنا پڑی۔ مگر ان کی یہ گفتگو بہت دنوں تک میرے دل ودماغ میں کھٹکتی رہی۔ اتفاق سے لکھنو آ کر ایک دن کہیں سے کچھ کلام نظیر میرے ہاتھ لگ گیا۔ اور اس میں حسب ذیل ایک سراپا اور ایک غزل مجھے اپنے دعوے کے ثبوت میں قریشی صاحب کو بھیجنے کے لئے دست یاب ہوگئی۔ آپ بھی سنیئے اور انصاف سے غور کر کے بتائیے کہ یہ بات بھلا غالب کے یہاں کہاں مل سکتی ہے۔

غزل ارشاد ہوتی ہے:

دکھا کر ایک جھمک دل کو نہایت کر گیا بے کل
پری رو تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل

وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اس کو شرمندہ
قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری مشعل

کفوں میں انگلیوں میں لعل لب میں چشم مِیگوں میں
حنا آفت ہتم فندق، مسی جادو فسوں کاجل

بدن میں جامہ زرکش سراپا جس پہ زیب آور
کڑے بندے، چھڑے، چھلے انگوٹھی، نورتن، ہیکل

نزاکت اور لطافت وہ کف پا تک کہ حیراں ہوں
سمن، گل، لالہ، نسرین، نسترن، دو، پرنیاں مخمل

سراسر پر فریب ایسا کہ ظاہر جس کی نظروں سے
شرارت، شوخی، عیاری، طرح، پھرتی، دغا، چھلبل

نظیر اک عمر عشرت ہو ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل

دوسری نظم ہے جس میں سمدھن کا سراپا پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے
پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے

کھنچی کنگھی، گندھی چوٹی، جمی پٹی، لگا کاجل
کماں ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہے

جبین مہتاب، آنکھیں شوخ، شیریں لب، گہر دنداں
بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہے

نیا کمخواب کا لہنگا، جھمکتے تاش کی انگیا
کچیں تصویر سی جن پر لگا گوٹا کناری ہے
ملائم پیٹ مخمل سا،کلی سی ناف کی صورت
اٹھا سینہ، صفا پیڑو،عجب جوبن کی ناری ہے
سرین نازک، کمر پتلی،خط گلزار روما دل
کہو کیا آگے اب اس کے مقام پردہ داری ہے
لٹکتی چال ،مدھ ماتی، چلے بچھو کو جھنکاتی
ادا میں دل لئے جاتی،عجب سمدھن ہماری ہے
بھرے جوبن پہ اتراتی ،،جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے

جس خط میں یہ دونوں نمونے میں نے قریشی صاحب کی خدمت میں روانہ کیے تھے۔آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اگر موقع ملاتو پھر کبھی اور بھی اس بحث پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔۔معلوم نہیں یہ لفظ کس آن زبان سے ادا ہوئے تھے۔کہ آج ایک دو، یا دس بیس صفحے نہیں پورے نو سو ساٹھ صفحے کی تازہ مرتب کلیات نظیر میرے سامنے بکھرے ہوئے ہیں۔اور اس جیسے سینکڑوں نمونے پیش کرنے کی مجھے توفیق حاصل ہے۔

یہ تازہ کلیات میرے مخلص دوست مولانا عبدالباری آسی مرحوم نے ۱۹۳۵ء میں اردو فارسی عربی لٹریچر کی اشاعت کے لامثال مرکز اشاعت مطبع نول کشور لکھنو کے ایما پر ترتیب دینا شروع کی تھی۔اور غالبا ساڑھے چار سو، پانچ سو صفحہ کا میٹریل کتابت کی منزلوں سے گزر کر پریس میں بھی چلا گیا تھا۔کہ اچانک قدرت کے طاقت ور ہاتھوں نے ان کے دست وقلم کو دوامی سکوت وخموشی کا حکم دے دیا۔اور دوسرے لوگ ان کی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ظاہر ہے کہ ایک کا قائم کیا ہوا منصوبہ دوسرا کیوں کر اس پیانے پر

پایہ تکمیل کو پہنچا سکتا تھا۔ مگر بہر حال اس ادھوری دولت کو مٹنے سے بچانا تھا۔ اس لئے کسی نہ کسی طرح اس مطلع پر مقطع لگ ہی گیا۔ مگر قدرت کی یہ ستم ظریفی تو ملاحظہ کیجئے کہ مقدمہ وتبصرہ لکھا نہیں جا سکا تھا۔ کہ پھر ایک اور سانحہ پیش آ گیا۔ اور اس کی تان مطبع وکتب خانے کے دوٹکڑوں کی شکل میں بٹ جانے کی صورت میں آ کے ٹوٹی۔

آخرش اپنے پرداد امنشی نول کشور صاحب بہار گوا کے وارث کنور تیج کمار صاحب مالک تیج کمار پریس وتیج کمار بک ڈپو نے مجھے یہ خدمت سپرد کی اور حکم دیا کہ بارہ تیرہ دن کے اندر اس کی تکمیل ہو جانی چاہیئے۔ ازبس کہ وقت بہت کم تھا۔ اور کام بہت اہم تھا۔ پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ جس طرح بنا سیہ کاری'' کا فرض حکم کے مطابق ادا کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

عبدالرحمٰن الفاروقی غفرلہ

۵ جولائی ۱۹۵۱ء

مقدمہ

کسی ذات خاص یا شخص مخصوص کی خدمتوں پر اگر بحث کرنا ہوتی ہے۔ تو سب سے پہلے خود اس شخص کے سیر و سوانح، زمانے، ماحول اور اس فن کے بعض گوشوں کی بے نقابی کا مسئلہ سامنے آ جاتا ہے۔ اس اصول کے پیش نظر مجھے بھی سب سے پہلے فن شعر کی تاریخ اور اس کے عیوب و محاسن پر روشنی ڈالتے ہوئے نظیر کے حالت زندگی، اس کے عہد کردار اور کلام کو تنقید و تبصرے کی کسوٹی پر کسنا چاہیئے۔ مگر صفحات مختصر اور کام بہت طوالانی ہے۔ اس لئے مجبوراً صرف فن شعر کے تاریخ آغاز پر چند الفاظ سپرد قلم کرتا ہوں۔ اور نظیر اور کلام نظیر کو آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

علامہ علاء الدین سکنواریؒ نے بحوالہ ابن جریر طبری حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کے خون سے ہاتھ رنگین کیے ہیں اور حضرت آدم کو اس حادثہ فاجعہ کی خبر ہوئی ہے۔ تو انتہائی صدمہ و اذیت میں آپ کی آنکھ سے آنسو اور زبان سے یہ مقفّٰی و مسجع الفاظ (اشعار) جاری ہو گئے تھے۔

تغیرت البلاد ومن علیہا
فوجہ الارض مغبر قبیح
وقتل قابل ہابیل ظلما
فوا سفا علی الوجہ الملیح
اری طول الحیاۃ علی غما
وما انا فی حیاتی مستریح

علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ یہ اشعار جوں ہی حضرت آدم کی زبان سے جاری ہوئے، شیطان نے پردہ کے پیچھے سے ہی اسی بحر و قافیہ میں ان اشعار کا جواب اشعار بطور تعزیت کے دیا تھا۔

نفس شعر کے حسن و قبح پر بحث کرنا اس وقت میرا کام نہیں ہے۔ مجھے تو اس وقت صرف یہ حقیقت آپ کے سامنے لاکر رکھنا ہے۔ کہ شعر کا آغاز کب، کیسے اور کیوں کر ہوا۔ اور افادی نقطۂ نگاہ سے کارگاہ حیات میں اس کا کیا مقام ہے۔

فلسفے کی نظر میں حصول علم کا جو مقصد عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ بس یہی ہے کہ انسان کی زندگی کو آسان اور خوش گوار بنانے کے لئے تدابیر دریافت کی جائیں ۔ چنانچہ صاحبان علم وعقل کے لئے اس کام کے واسطے خاص طور پر بہت سے علوم وفنون ایجاد کرنا پڑے ہیں ۔ فنون لطیفہ یعنی معماری، سنگتراشی، نقاشی، موسیقی اور شاعری وغیرہ بھی اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں ۔ ان فنون سے انسان کی اخلاقی تربیت پر جس قدر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس کی بتانے کی ضرورت نہیں ۔ لیکن یہ تصریح کیے بغیر رہا نہیں جاتا کہ شاعری کا درجہ بہر حال ان سب سے بلند و اعلیٰ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نظام و معاشرہ میں جہاں جہاں اس فن سے زیادہ کام لیا گیا ہے ۔ دنیاوی فلاح و بہبود اور ترقی کی صورتیں زیادہ وسیع نظر آتی ہیں ۔

اسی اصول سے شاعری کی بہت سی قدریں بھی مرتب کی جاسکتی ہیں ۔ مگر میں بات کو زیادہ لمبا نہیں کرنا چاہتا، پھر بھی کلیہ کے طور پر اس شعر کی اصل و روح کو کبھی اپنی نظروں سے اوجھل بھی نہ ہونے دیجیئے ۔ کہ وہ ہمہ گیریت کے علاوہ کبھی کسی قسم کی قید و بند یا فرقے وارانہ تنگ دارانہ رسوم و عقائد کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا، اس کا کام تو دنیا میں محض پریم و محبت کا سبق عام کرنا ہے۔ اور خدا کے بخشے ہوئے جوہر انسانیت کو پھولوں کی سیج اور خوشبو سے بسی ہوئی آرام گاہ کا راستہ بتادینا ہے ۔ اور بس اگر مخمور صاحب کے یوں عرض کیا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا ۔ کہ وہی شعر صحیح معنوں میں شعر کہے جانے کا مستحق ہے ۔ جس میں ہمہ گیریت کے سارے خواص مشترک ہوں ۔ ہمہ گیری سے مراد یہ ہے کہ شعر کی بنیاد ایسے خیال پر قائم ہونی چاہیئے ۔ جو زمانہ ملک وقوم، رنگ و نسل کے اختلافات سے گزر کر تمام نوع انسانی پر یکساں موثر

ہو۔ اور جس میں ساری دنیا کو اپنے مفاد، اپنے تفنن، اپنے تصرع اور اپنی فطرت کا آئینہ نظر آئے۔ لیکن اس قسم کے شعرا کی ہر زمانے اور ہر زبان میں کمی ہے۔ جن کے تخیل کی وسعت زمان و مکان اور رنگ و بو سے بے نیاز ہو کر عالم اور ماورائے عالم کو محیط ہو جائے۔

شعری ادب کے باب میں اردو زبان دنیا کی دوسری مہذب و متمدن زبانوں سے کسی طرح پیچھے اور نیچے نہیں۔ اگر تلاش کیا جائے تو اس میں بھی ایسے شاعر جو حقیقت میں اصلی شاعر کہے جانے کے مستحق ہیں۔ کچھ نہ کچھ ضرور مل جائیں گے۔ میرے خیال میں اگر واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو آپ نظیر کو اردو شاعروں کی اس صف میں آپ رہبری و رہنمائی کے بلند مقام پر پائیں گے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نظیر اس پایہ کا شاعر ہے تو پھر پرانے تذکرہ نگاروں اور چوٹی کے نقادوان فن نے نظیر کی سیر و سوانح لکھنے اور اس کے کلام پر تنقید و تبصرہ کرنے سے اتنا گریز کیوں کیا ہے؟۔ اور اگر حقیقت پوچھیے تو صرف یہی نہیں ہوا ہے، بلکہ شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد نے اور مولانا حالی نے تو اس پر کھلی کھلی چوٹیں بھی کسی ہیں۔

مولانا آزاد اپنے تذکرہ آب حیات میں لکھتے ہیں:۔

> ہمارے تذکرہ نویسوں کا دستور ہے کہ جب شاعر کا حال لکھتے ہیں تو اس کے اشعار بھی انتخاب کر کے لکھتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ فیض سخن رائگاں نہیں جاتا۔ بلکہ کے بعض شعرا ایسے بھی ہیں کہ میر سے پہلو مارتے ہیں، پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اس کے چند منتخب شعر لکھ دیئے جائیں تو ناواقف سوائے اس کے نظیر کو میر کا ہم پلہ شاعر سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے۔
>
> "آج کل یورپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اس بات سے کیا

جاتا ہے کہ اس نے اور شعراء نے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کیے ہیں۔ کہ اگر ہم بھی اسی کو معیار کمال قرار دیں تو بھی میر انیس کو اردو شعراء میں سب سے برتر ماننا پڑے گا۔ اگر چہ نظیر اکبرآبادی نے شاید میر انیس سے بھی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مگر اس کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔ بخلاف میر انیس کے اس کے ہر لفظ اور ہر محاورے کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔"

اسی قسم کے خیال شیفتہ وغیرہ نے بھی ظاہر کیے ہیں۔ مثلاً گلشن بےخار میں نظیر کے حلم، خلق، انکسار وغیرہ کا اعتراف کرنے کے لئے باوجود شاعری کا ذکر کرتے ہوئے کہہ گئے کہ اس کے بہت سے اشعار جو سوقیوں کی زبان پر جاری ہیں۔ اور ان اشعار پر نظر رکھتے ہوئے ان کو شعراء کی صف میں شمار نہ کرنا چاہیئے۔

میرے نزدیک تینوں مذکورہ بالا تذکرہ نویسوں کے خود الفاظ ہی ان کی مداہنت کا پردہ چاک کرکے اصل حقیقت کو واشگاف کر بھی رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ایسے نقادوں کی ایسی تعریفیں یا ان کے علاوہ بعض تذکرہ نگاروں کا ان کے متعلق سکوت وخموشی اختیار کر جانا دونوں باتیں بے وقعت ہو کے رہ جاتی ہیں۔ ہاں ان حرکتوں کا یہ نتیجہ ضرور پیدا ہو گیا کہ نظیر کے جوہر ذاتی سے دنیا کو متعارف ہونے میں کچھ دیر ہو گئی۔ اور جتنا اس کی قدر و منزلت ہونا چاہیئے تھی۔ وہ نہیں کی جا سکی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مستقبل اپنے ماضی کی اس غلطی کا اب شدت کے ساتھ احساس کرتا جا رہا ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ کلام نظیر کے آئندہ ایڈیشنوں میں کچھ اور مٹریل بھی کہیں سے دست یاب ہو کر شریک اشاعت کیا جا سکے۔

اب میں تمہید کے ان اجزا کو نا تمام چھوڑ کر تذکرہ نویسی کے عام قاعدے کے مطابق سیر وسوانح سے اپنے مقصد کا آغاز کرتا ہوں۔

سیر و سوانح

سید ولی محمد متخلص بہ نظیر اکبرآبادی۔ ان کے والد کا نام سید محمد فاروق تھا۔ نوری دروازہ آگرہ میں رہا کرتے تھے۔ شرفائے اکبرآباد سے تھے۔ ان کے والد عظیم آباد کے کسی نواب کے مصاحب ہو گئے تھے۔ ان کو نواب سلطان خان قلعہ دار آگرہ ابن اختر خان کی دختر بیاہی تھی۔ نواب سلطان دہلی کے رہنے والے تھے۔ عرصہ سے آگرہ آرہے تھے۔ سید محمد فاروق کے کوئی اولاد عرصہ تک نہ ہوئی۔ ان کی بیوی فقراء کی آستانہ بوسی میں لگی رہتی۔ اتفاقاً ان کے مکان پر ایک شاہ صاحب آ گئے۔ انھوں نے اپنا عرض مدعا بیان کیا، اور دعا کی طالب ہوئیں۔ بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ پھولوں کا دونہ روزانہ ایک ہفتہ تک جمنا میں چھڑوادو، خدا نے چاہا تو جیتا جاگتا بیٹا پاؤ گی۔ اور اس بچے کی خوشبو سے دور دور تک مہک پھیلے گی۔

مولوی عبدالغفور صاحب شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج نے اپنی نایاب تالیف ''زندگانی بے نظیر'' میں لکھا ہے کہ نظیر سے قبل محمد فاروق صاحب کی بارہ اولادیں فوت ہو چکی تھیں۔ یہ تیرھویں تھے۔ اور بہت دعاؤں اور تمناؤں کے بعد زندہ بچے تھے۔ اس لئے ماں باپ اور عزیز و اقارب سب ان پر جان چھڑکا کرتے تھے۔ شہباز صاحب کا بیان ہے کہ ماں باپ نے ناک کان چھدوا کر بالکل لڑکی سا بنا رکھا تھا۔

زندگانی بے نظیر کی اصل عبارت یہ ہے:

> ''فقیر نے بشارت دی کہ جا خوش ہو۔ ایک لڑکا تیرا زندہ ہوگا۔ اور تیرے نام کو زندہ کرے گا۔ قابلیت اس کی غنچے کی طرح شگفتہ ہوگی۔ اور خوشبو اس کی پھول کی طرح ہر جگہ پھیلے گی۔۔۔ نویں مہینے میاں نظیر ریتان عدم سے مکتب ظہور میں آئے۔ چونکہ کئی اولادوں کو مار کر ہوئے تھے۔ اس لئے ناک کے ساتھ دونوں کان بھی چھید دیے گئے۔ ناک

میں بلاک اور کانوں میں درلٹکا دیئے گئے۔

پیدائش

میاں نظیر ۱۱۴۸ ہجری ۱۷۳۵ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ ماں باپ کے سایہ میں پرورش پائی۔ یہی سال ہے کہ میر تقی میر گیارہ برس کی عمر میں اپنے سوتیلے ماموں قاضی سراج الدین خان آرزو اکبر آبادی کے پاس دہلی چلے گئے۔ اس وقت آگرہ کا صوبہ دار نصرت یار خان تھا۔ علمی مجالس قائم تھیں۔ میر ہادی فضائل خان، ملا محمد سعید اعجاز، ملا زاہد خلف قاضی محمد اسلم ہروی کے تلامذہ کی گرم بازاری تھی۔ یہ ضرور ہے کہ کچھ دن پہلے شاہ مبارک آبرو، شرف الدین مضمون، اسد اللہ انسان آگرہ سے جا چکے تھے۔ احسان اللہ شیخ وقت کا دور تھا۔ عید گاہ کے پاس قیام تھا۔ بایزید قلندر سرائے گیلانی میں رہتے تھے۔ محمد باعث صوفی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ عالم گنج میں مقیم تھے۔ ان کے پاس میر تقی میر کے والد سید علی متقی رہا کرتے تھے۔ یہیں ابو الفتح اکبر آبادی طبیب کا مطب بھی تھا۔

میاں نظیر نے ہوش سنبھالا تو مولوی محمد کاظم ابن مولوی دوست محمد نبیرہ میر رفیع الدین محدث متوفی ۱۱۹۵ھ ملا ولی محمد شارح مثنوی مولانا روم متوفی ۱۲۰۱ھ اسلاف کے آثار علمیہ پر فضل و کمال کی مجلس قائم کیے بیٹھے تھے۔ طالبان علم ان کی درس گاہوں سے فیض یاب ہوتے۔ ان ہی کی سیر میاں نظیر نے بھی کی۔

بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ میاں نظیر آگرے میں نہیں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور وہ زمانہ تھا جب کہ مغل امپائر کا ستارہ اقبال زوال کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ اور محمد شاہ ثانی کو سید حسین علی اور سید عبد اللہ نے جو تاریخ میں بادشاہ گر کے نام سے مشہور ہیں۔ شہنشاہ ہند کی حیثیت سے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ اور اسی زمانے میں دہلی پر نادر شاہ کا حملہ ہوا تھا۔ اور بعدہ جب ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے چڑھائی کی تو میاں نظیر

بائیس تیس سال کی عمر میں اپنی ماں اور نانی کے ساتھ دہلی چھوڑ کر اپنے سابق وطن آگرے میں مٹھائی والا پل کے پاس آ کے آباد ہو گئے۔ جیسا کہ خود ان کی ایک تخمیس سے کچھ مترشح بھی ہوتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکان
کیوں کر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیان
دیکھی ہیں آگرے میں ہم نے بہت خوبیاں
ہر وقت اس میں شاد رہے جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

میاں نظیر کی سیرت کے تفصیلی واقعات کتب تاریخ میں بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتے۔ مگر قدرت نے نظیر کے دماغ میں دور کی سوجھ بوجھ کی جو اہلیت وقوت عطا کر رکھی تھی۔ اس سے اس نے اپنے ابنائے وطن اور رفقائے زبان کے آئندہ طرز سلوک کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔ اسی بنا پر اس باب میں بھی اس نے اپنے ابنائے وطن اور رفقائے زبان کے آئندہ طرز سلوک کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔ اسی بنا پر اس باب میں اس نے کسی محتاجی یا احسان کا بار نہیں اٹھایا۔ اچھی خاصی مقدار میں اپنے سیر وسوانح اپنے مشاغل خانگی، شکل وصورت، علم وقابلیت، پیشہ وکاروبار وغیرہ وغیرہ سب کچھ وہ اپنے اشعار ہی میں دنیا کو بتا گیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر شہباز نے نظیر کے کلام ہی سے اخذ کر کے ان کی تعلیم کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ کہ یوں ان کی بسم اللہ ہوئی۔ یوں انہوں نے ماہ ڈیڑھ ماہ میں بغدادی قاعدہ ختم کیا۔ استاد کو قاعدہ کی ختم کرائی کا انعام ملا۔ پھر پارہ عم شروع ہوتے وقت فاتحہ ہوا۔ مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد شیخ سعدی کی کریما شروع کرائی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی ہونہار بچے کی موزونیت اور روانی طبع کے جوہر بھی کھلتے گئے۔ فارسی کی دوسری ابتدائی کتابوں کا ما مقیماں، خالق باری، آمد نامہ،

محمود نامہ، عطائی نامہ، کانمبر اس کے بعد آیا۔ پھر گلستان، بوستان، سکندر نامہ، انشائے خلیفہ طاہر وحید، انشائے منیر یوسف زلیخا، ابو الفضل سہ نثر ظہوری، قصائد عرفی وخاقانی وغیرہ ختم کرائی گئیں۔ عربی تعلیم کچھ یونہی سی تھی۔ مگر جتنی بھی تھی۔ وہ لکھنے، بولنے اور پڑھنے کے لئے کافی اور بہت کافی تھی۔ اور یہ تو ان کی جودت طبع، اور دماغی ذہانت وذکاوت کی بات تھی۔ کہ جاننے سے زیادہ کام وہ ہر چیز سے کام لے لیا کرتے تھے۔ اور یہ تو بالکل مسلم ہے فارسی پر انہیں بہت اعلیٰ درجے کا عبور حاصل تھا۔ زندگی بھر اس کی درس وتدریس میں مشغول رہ کر اپنی روزی مہیا کیا کیے۔

ان کی ابتدائی زندگی اور مشاغل زندگی معلوم کرنے کے لئے ان کی وہ مسدس بہت کافی ہے۔ جس میں وہ اپنے محبوب کو مخاطب کرکے بتارہے ہیں کہ وہ اب تک کن کن کھیلوں کو کھیل چکے ہیں مثلاً لکھتے ہیں:۔

آگے بھی ہم نے بھیس بدلے ہیں کتنی بار
زنار باندھا، قشقہ کھینچا ہے، ہو پجاری
جوگی بھی بن چکے ہیں، مندیل بھی سنواری
آزاد بن کے اس دم ہیں دید کے بھکاری
اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
تک ہنس کے اوپر یوہ آنکھیں لڑا لے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اڑایا
شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑ کھڑایا
بانک وپٹا وبلم، گتکا ولٹھ پھرایا
جھمکا تمہارا اس دم ہم کو جو یاد آیا
اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
تک ہنس کے اوپر یوہ آنکھیں لڑا لے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بچہ بئے کا پالا
اس جال میں بھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
پنجرا گلہری طوطا،شکرا شکار والا
اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر لے لالا
اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپر یرو آنکھیں لڑا لے ہم سے
شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اتارا
کتنے پری رخوں کو جا پیر نے میں مارا
تصویریں بیچنا بھی کتنے دنوں بچارہ
اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر یارا
اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپر یرو آنکھیں لڑا لے ہم سے
کشتی میں ہم نے کتنی مدت بدن کو توڑا
سوگلبدن کے تن کو من مانتا مروڑا
جو ڈھب تھا اس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا
اب خوبرو کا پیارے دنیا میں دیکھ توڑا
اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپر یرو آنکھیں لڑالے ہم سے
جوڑے کبوتروں کے پھر کتنے دن اڑائے
کنکوے، چنگ، گڈی، تکل، پتنگ بنائے
کھٹ والے بن ہزاروں چھاتی تلک لگائے
ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپر یوہ آنکھیں لڑا لے ہم سے

پھر لال بھی اڑائے اور گل وہیں بھی پالیں
جنگل میں دل لگا کے اور پدڑیاں پھنسالیں
ڈبوں میں ڈالی مکھی بل مکڑیاں بنالیں
کیا کیا نہ ہم نے پیارے بہروپیاں مچالیں
اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپر یوہ آنکھیں لڑا لے ہم سے

خرادی ہو کے ہم نے لٹو چلیپے بنائے
اس میں بھی کتنے لڑکے خراد پر چڑھائے
پھر ہو کے سرمے والے سرمے بہت لگائے
ریچھوں تلک لڑائے بندر تلک نچائے
اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے اوپر یوہ آنکھیں لڑا لے ہم سے

اسی طرح کا ایک اور مسدس دیدہ بازی کے عنوان سے بھی ہمیں کلیات میں نظر آ رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے شعراء کی طرح نظیر نے مہ رخوں کی ملاقات کے لئے صرف مصوری ہی نہیں بلکہ اور بھی ہزاروں کرتب اور جتن اختیار کیے ہیں۔ یہاں تک کہ ریچھ اور بندر بھی نچایا۔ آم اور جامن کے ٹوکرے بھی سر پر اٹھائے۔ دال موٹھ اور پاپڑ کی دکان بھی لگائی۔ اگر ان تمام باتوں کو نری شاعری اور مبالغہ تصور نہ کیا جائے تو صاف یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ اک دم کو آ گئے ہیں کہ نظیر زندگی کے ہر رنگ میں خود اپنے کو رنگین کر کے دنیا کے سامنے ظاہر ہوا کرتا تھا۔ عام شعراء کی طرح محض سنی سنائی باتوں پر اس کے قلم اور قدم کو کبھی جنبش نہیں ہوا کرتی تھی۔ اور یہ وہ

خصوصیت ہے کہ جو بقول نقادان فن کے ہندوستان کے کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔

نظیر جس مزاج کا آدمی تھا۔ اور کلام سے مترشح بھی ہے۔ اس نے عمر کا بڑا حصہ لہو لعب میں صرف کیا۔ عوام کی سوسائٹی میں شریک تھا۔ لوگ چپچی کھیلتے تو یہ بھی برابر کا شریک، جوا ہورہا ہے تو اس میں بھی داؤ رکھنے کو حاضر ہے۔ شطرنج میں بند نہیں، گنجفے میں عار نہیں۔ چوسر کا پانسہ ایسا پھینکتا تھا کہ بگڑی بازی بن جائے۔ گیڑیاں بھی کھیلیں۔ کبوتر بھی اڑائے۔ لال بھی اڑائے، تیرے بھی، کنکوے سے بھی شوق رکھا۔ غرض کسی کھیل میں کم نہ تھے۔ چنانچہ شطرنج پر اس کا یہ بند ملاحظہ ہو۔

عجب یہ شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن رات خوب اس جا
جو بات چاہے کرے کسی کو نہ آوئے بر داس کو بات اس جا
ہزاروں منصوبے دل میں باندھے بتادے چالونگی گھات اس جا
نہیں ہے اک چار چوک قائم سبھوں کی بازی ہے مات اس جا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کبوتر بازی کا بہت شوق تھا، کہتے ہیں

اپنے تو لڑکپن سے ہیں دم ساز کبوتر
کیا بلبل قمری وچھے وپدی وپدے
چنڈول اگن لال، بے، ابلتے طوطے
کیا طوطی وینا ومنی ،تیتر وشکرے
طائر ہیں غرض بازی واشغال کے جتنے
کی غور تو ہیں سب میں سرفراز کبوتر

ایک اور شعر میں اسی کبوتر بازی سے اپنی دلچسپی کا یوں اظہار کیا ہے۔

تاروں کے وہ انداز نہیں دل اب کس سے لگاویں

جو کرتے ہیں چھتری کے اوپر ناز کبوتر

ہندوانی تہواروں سے بہت دل چسپی لیتے تھے۔دیوالی ہو یا ہولی، راکھی ہو یا اور کچھ دل و جان سے لطف اٹھاتے تھے۔یہ وہ وقت تھا کہ ہندو اور مسلمانوں میں کوئی بے گانگی نہ تھی۔وہ مقامی تہذیب و تمدن میں رنگ گئے تھے۔خواہش میں مبتلا ہونا بھی ایک طرح کی وضع داری سمجھی جاتی تھی۔میاں نظیر بھلا اس دل بستگی سے کیسے بچے رہتے،وہ خود بینوا کا سوانگ بھرتے،خوش رو ہمراہ ہوتے،شہر کی گلیوں میں گشت لگاتا۔

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی۔

اس کی خاطر کئی مرتبہ برج تک گئے اور ہولی کی بہاریں اور رنگ رلیاں منا آئے۔

یہی حال ان کے ہاں ہولی اور دسہرے کا تھا۔ایک جگہ کہتے ہیں۔

ہے دسہرے میں بھی یوں تو فرحت و زینت نظیر

پہ دیوالی بھی عجب پاکیزہ تر تہوار ہے

ہندو تہواروں میں بسنت انہیں بہت اچھی طرح بھاتا تھا۔

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی

ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جاں بسنت آئی

بہر حال بچپنا اور جوانی کا ابتدائی حصہ بہت ہی خوشی اور مسرت کے جھمیلوں میں گزرا۔ناز و نعم اور فارغ البالی نے ان کو آزاد اور بالکل آزاد بنا رکھا تھا۔ہر صحبت اور ہر سوسائٹی میں شرکت کرتے تھے۔ہر میلے ٹھیلے اور تہوار میں عملی طور سے حصہ لیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بچپن کے کھیلوں تماشوں اور تہواروں اور مشاغل لہو و لعب کی جو تفصیل ملتی۔وہ اردو کے کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتی۔مثلاً دیوالی کے تذکرے میں کہتے ہیں۔

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی

پکارتے ہیں کہ لالہ دیوالی ہے آئی

بتاسے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی
کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

اسی طرح شب برات کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

آکر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی
اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہو گئی گلے کا ہار، پٹاخے کی ہر لڑی
پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم نڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

اس زمانہ میں فٹ بال، کرکٹ، ہاکی، ٹینس، سینما، سرکس وغیرہ کا تو کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا۔ ان کی جگہ کبڈی، پتنگ بازی، شطرنج، گنجفہ، کبوتر بازی، وغیرہ کا چلن تھا۔ میاں نظیر ان سب باتوں میں اپنی جوانی میں طاق تھے۔ پتنگ کے پیچ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

اگر پیچ پڑگئے تو کہتے ہیں دیکھیو
رہ رہ کے اس طرح سے نہ اب دیجیے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں اومیاں رکھو
پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اس کو کاٹ دو
ہے گا اسی میں فتح کا پایا پتنگ کا

دہلی سے جب آگرہ منتقل ہوئے تو وہاں بھی سیر وتفریح نے ساتھ نہ چھوڑا، وہاں بھی ہر سال برسات میں پیرا کی کا تماشا ہوتا تھا۔ نظیر کے سے خواص سخن کی روانی طبع اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

کچھ ناچ کی بہاریں، پانی کے کچھ نتارے

دریا میں مچ رہے ہیں اندر کے سوا کھاڑے
لب ریز گل رخوں سے دونوں طرف کڑاڑے
بجرے وناؤ چپو ڈونگی بنے نواڑے
ان جمگھٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں

جمنا کا پاٹ گویا حسن چمن ہے بارے
پیراک اس میں پیریں گویا کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے
یوں بہہ رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار تیرتے ہیں

جوانی دیوانی تھی، موتی کو دل دے بیٹھے۔ شب و روز خوش وقتی میں گزرنے لگے۔ اٹھائیسویں سال گرہ تھی کہ سورج مل جاٹ خلف بدن سنگھ جو صفدر جنگ وزیر احمد شاہ کا منھ لگا تھا۔ آگرہ آدھمکا۔ فاضل خاں قلعہ دار کو دھوکا دے کر قلعہ پر قبضہ جمالیا۔ سر بہ فلک عمارات ڈھائیں، خانقاہیں تباہ کیں، علمی ادارے برباد کیے۔ امراء کے گھر لوٹے، ملبہ، عمارات و سامان قلعہ ڈیگ لے گیا "سوہارام جاٹ" ظالم کو آگرہ کا حاکم بنا تا گیا۔ اس نے سورج مل سے بڑھ کر آگرہ کی رہی سہی نفیس اور عالی شان عمارتیں بھی کھدواڈالیں۔ اور شہر کے ساہوکاروں پر اس قدر ظلم توڑے کہ ہزار ہا نفوس نے گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہ کی راہ لی۔ محلّہ کے محلے ویران ہو گئے۔ یہ مصیبتیں میاں نظیر کی آنکھوں دیکھتے گزریں۔ خوش حالی کا زمانہ گزر گیا۔ عمر چار کم چالیس کی تھی کہ ۱۱۸۲ھ میں تیس برس بعد میر تقی میر وطن لوٹے۔ آگرہ کے شعراء میر صاحب سے ملنے گئے۔ میاں نظیر بھی ایک دوست کے کہنے سے حاضر خدمت ہوئے۔ ایک غزل سنائی جس کا مطلع یہ تھا:۔

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا

جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ قہر وآفت غضب خدا کا

ختم غزل پر میر صاحب نے اظہار خوشنودی کیا۔

میاں نظیر بھی حوادث مقامی سے اثر پذیر ہوئے، کایا ہی پلٹ گئی۔ شائستہ مزاج منکسرانہ طبیعت کے آدمی ہو گئے۔ زمانہ کے ہاتھوں ایسے ستائے کہ معاش کی فکر دامن گیر ہوئی۔

ملازمت

پرانی سمائی پاس تھی۔ مکتب داری کا شغل لے بیٹھے۔ کچھ روز کو متھرا گئے، پھر لوٹ آئے۔ یہاں قلعہ دار مرہٹہ بہاؤ تھا۔ اس نے بلایا اور آپ سے پڑھنا شروع کیا۔ یہاں سے چھٹے تو نواب محمد علی خان امرائے آگرہ سے تھے، مکان مائی تھان میں تھا۔ ان کے یہاں لڑکوں کو پڑھانے جانے لگے۔ یہیں سے لالہ بلاس رائے کھتری سے راہ ورسم ہوگئی۔ جب نواب کے یہاں سے جدا ہوئے تو رائے صاحب نے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ اور اپنے بچوں کو سپردگی میں دیا۔ اور ان کی جملہ ضروریات کی کفالت اپنے ذمہ لی۔ لالہ کے چھ لڑکے من سکھ رائے، گوربخش، ہربخش، مول چند، بنسی دھر اور شنکر داس زیر تعلیم تھے۔

نظیر نے عمر کا بڑا حصہ معلمی میں گزارا۔ شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان میں حکیم میر قطب الدین باطن، مولف تذکرہ گلستان بےخزاں، (المعروف بہ نغمہ عندلیب) شیخ مداری ضمیر خود نظیر کے صاحب زادے گلزار علی اسیر، مہاراجہ بلونت سنگھ، راجہ لالہ بدھ سین صافی۔ حکیم میر محمدی، ظاہر شیخ حسین بخش بخشی، شیخ نبی بخش عاشق، منشی حسین علی خان لبچہ، بیدار بخش ابر۔ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ صاحب گلستان بےخزاں نے مرزا غالب کو بھی نظیر کے شاگردان رشید کی فہرست میں داخل کر دیا ہے ۔لیکن یہ چیز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ پروفیسر شہباز نے تلمذ غالب کے متعلق متضاد

بیانات جمع کر کے آخری رائے یہ دی کہ غالب جس زمانہ میں اکبرآباد میں مقیم تھے۔ وہ ان کی ابتدائی تعلیم کا زمانہ تھا۔ اور اس زمانہ میں آگرہ کے دو ممتاز ملاؤں میں صرف دو ہی شخص خلیفہ معظم اور میاں نظیر تھے۔ غالب کو انہی دونوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

''دو چار غزلیں بھی مکتب ہی میں نظیر کو دکھائیں۔ لڑکے (غالب) کی گاؤزوریاں دیکھ کر ہنسی تو ان کو آئی مگر دل شکنی ان کا شعار نہ تھا۔ داد دے کر جی بھی بڑھایا اور اصلاح سے چپکے چپکے نشیب و فراز بھی بتایا۔

ایک لطیفہ

محلّہ تاج گنج سے ٹٹو پر سوار ہو کر مائی تھان آتے ہوئے ایک روز ٹٹو نے شوخی کی۔ چابک ہاتھ میں تھا۔ اس کے رسید کیا۔ ایک راہ گیر بھی قریب ہی تھا۔ اس کے لگتے ہوئے ٹٹو کے لگا۔ اس نے کہا میرا کیا قصور تھا؟۔ کہ صبح ہی صبح چابک سے خبر لی۔ میاں نظیر اتر پڑے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ اور زبردستی اس کے ہاتھ میں چابک دے کر کہا کہ میاں ایک میرے بھی جڑ دو۔ بدلا ہو جائے۔ وہ تو یہ کہہ کر پچھتایا مگر انہوں نے پیچھا نہ چھوڑا، مجبور ہو کر چابک ان کے چھوا کر چلتا بنا۔ اس تاریخ سے پھر چابک ہاتھ میں نہیں لی۔ ٹٹو اپنی رائے سے چلتا اور منزل مقصود تک پہنچ جاتا۔

آخر عمر میں راجہ بلوان سنگھ والی کاشی کی سرکار سے تعلق ہو گیا تھا۔

میاں نظیر میں قناعت پسندی و استغنا کی شان آ گئی تھی۔ کسی امیر کے آگے دست سوال دراز کرنا برا سمجھتے تھے۔ جاٹ گردی کا دور مصیبت کا دور تھا۔ مفارقت وطن گوارا نہ کی، متھرا گئے اور چند روز بعد لوٹ آئے۔ اور نہ حاکم وقت کا مدح خوان بن کر کچھ ہاتھ گرم کرتے۔ مرہٹوں کا زمانہ بھی دیکھا، قلعہ دار کے استاد بھی رہے۔ مگر الگ تھلگ ہی رہے۔

نواب واجد علی شاہ نے شہرت سن کر ایک قاصد مع روپیہ کے طلبی کے لئے بھیجا۔ وہ

میاں نظیر کے پاس آیا اور راہ خرچ دیا۔ رات بھر ان کے گھر میں روپے رکھے رہے۔ تردد کی وجہ سے نیند نہ آئی، کہنے لگے۔ ادنیٰ تعلق سے تو یہ تردداتﺍ ہیں، جب پورا تعلق ہو جائے گا تو نہ جانے کیا حال ہوگا؟۔ کم بخت کو پھینکو۔ یہ کہہ کر روپیہ واپس کر دیا اور لکھنو نہ گئے۔

میاں نظیر کے نواس داماد وارونہ نوازش علی کی زبانی یہ بھی کہن ہے کہ مہاراجہ چندو لال وزیر اعظم حیدر آباد نے بھی بلا بھیجا تھا۔ مگر نہیں گئے۔

میر قدرت نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے:

بہ معلّمی اوقات گزاری می کردد
بہ کشادہ پیشانی ایام زندگی بسر می برد

حلیہ، قابلیت، اور پیشہ

اس کے لئے بھی ہمیں کسی اور سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں پیش آتی، خود اپنا حلیہ، علمی قابلیت، اور پیشہ وغیرہ سب ایک نظم میں بیان کر گئے ہیں۔

کہتے ہیں تک جس کو نظیر سنیے تک اس کا بیاں
تھا وہ معلم غریب، بزدل وترسندہ جاں
فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت وحرمت کے ساتھ پارچہ وآب ونان
فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی اسے
فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ ایں وآں
سست روش، پستہ قد، سانولا ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں
ماتھے پہ ایک خال تھا چھوٹا سا مسے کے طور

تھا وہ پڑا آنکھ اور آبرو کے درمیان
وضع سبک اس کی تھی تپ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کانوں پہ پٹے بھی تھے پنبہ ساں
فرد غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے
اپنے اسی شوق میں رہتا تھا خوش ہر زماں
پیری میں تھی جس طرح اس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب میں
پختگی و خامی کے اس کے تھا خط درمیاں

مذہب

میاں نظیر اپنے باپ کے اعتبار سے سنی نظر آتے ہیں۔ مگر میاں نظیر کو لوگ امامیہ کہتے ہیں۔ لیکن بعض بزرگ کہتے ہیں کہ تفضیلی تھے۔ نماز روزہ کے معمولی پابند تھے۔ حتیٰ کہ عید کا دوگانہ بھی بجائے عید گاہ کے گھر ہی میں ادا کر لیتے تھے۔ البتہ تعزیہ داری بڑی خوش اعتقادی سے کرتے تھے۔ پچاس روز متواتر مجالس عزا منعقد ہوتیں۔ سال بھر کی کمائی اس میں صرف کر دیتے تھے۔

وضع قطع

انقلاب زمانہ کا مزہ چکھے ہوئے تھے۔ ادھر صوفیا کی صحبت ان کے مکان کے قریب مولوی احمد شاہ قادری الجعفری رہا کرتے تھے۔ مسجد میں شاہ غلام رسول رہتے تھے۔ مشائخ وقت سے تھے۔ ان کی خدمت میں وقت کا بڑا حصہ گزارتے تھے۔ ذکر فکر اور تسبیح و مصلے سے زیادہ کام نہ تھا۔ مگر مضامین تصوف دل پر نقش ہونے لگے۔ سادہ وضعی، میانہ روی، صداقت، حلم و مروت اور تصوف کے اسرار کے حق میں آئینہ کا حکم رکھتی ہیں۔ اور یہی چیز مایہ ناز ہے۔ اردو شعراء میں صرف ان ہی کو یہ فخر ہے اور بجا فخر ہے کہ وہ مسائل تصوف کو مثال سے سمجھا کر وہ بات پیدا کر دیتے تھے جو حضرت عطار نے منطق الطیر میں کی ہے۔

شاعری

میاں نظیر نے مشورہ سخن کیا یا نہیں، کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا یا نہیں، اس کے متعلق تذکرہ نویس خاموش ہیں۔ میاں نظیر فطری شاعر ہیں۔ تاریخ اور

غالب کی طرح ان کو بھی زورِ فکر اور جودتِ طبع نے شاہراہِ سخن میں اپنا رہنما بنایا۔ میاں نظیر کا انداز سب سے جدا ہے۔ اس وقت میں یہ طرز رائج اور مرغوب نہ تھی۔ اور کوئی اس رنگ میں کہنے والا بھی نہ تھا۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں وہ اپنے انداز خاص کے موجد تھے۔ وہاں خود ہی انہوں نے اپنے لگائے ہوئے پودے کو پروان چڑھایا۔ اور کسی فرد کے احسان سے گرانبار ہونا گوارا نہیں کیا۔

میاں نظیر عموماً راہ چلتے نظمیں کہا کرتے۔ ملکوں کی گلی سے شہر آتے۔ ٹوانی کچھ ایسی سدھ گئی تھی کہ کسی نے میاں کو سلام کیا اور وہ ٹھہر گئی۔ راہ چلتے لوگ ان سے نظموں کی فرمائش کرتے۔ کنجڑا ملا اس نے کہا میاں ککڑی پر بھی کچھ کہہ دو۔ فقیر ملا کہ کوئی قصہ کہہ دیجیے۔ کہ اس کے ذریعے بھیک مانگ کر کھاؤں۔ ایسی ہی راہ چلتے صدہا نظمیں کہہ ڈالیں۔ ان ہی نظموں کی وجہ سے شہرت دور دور تک ہوئی۔

ایک مرتبہ تاج گنج سے آتے ہوئے چند بیڑنیوں نے روک لیا۔ تقاضا تھا کہ کچھ کہہ دو۔ انہوں نے بہت ٹالا۔ مگر وہ کا ہے کو چھوڑتیں۔ مجبور ہو کر ان دونوں سے پوچھا کہ تمہارے نام کیا ہیں؟۔ ایک نے کہا گنگا دوسری نے کہا مجھ کو جمنا کہتے ہیں۔ انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگے:۔

یارب مری دعا کو جلدی قبول کیجے
جمنا میں لگا بلی گنگا کے پار کر دے

مائی تھان جاتے ہوئے کناری بازار پڑتا ہے۔ کوٹھے پر سے ایک مہوش نے مسکرا کر کہا کہ میاں ہم کو اپنا کلام سنا دو۔ یاد کرلیں گے۔ گائیں گے اور رمائیں گے۔ اس فرمائش پر بہت جز بز ہوئے۔ اس کا اصرار بڑھ رہا تھا۔ وہ ماننے والی نہ تھی۔ کہنے لگی۔

لکھیں ہم عیش کی تختی پہ کس طرح ایجاں
قلم زمین کے اوپر دوات کوٹھے پر

وہ جھینپ کر چپ ہوگئی۔ یہ آگے چلتے ہوئے:۔

میاں نظیر دوپہر کا کھانا رائے صاحب ہی کے یہاں کھاتے تھے۔ ایک روز بیسنی روٹی بھی کھانے میں شامل تھی۔ اچار کے لئے جی چاہا، گھر میں بچا نہ تھا۔ بھولا رام پنساری کا لڑکا بھی ان کے پاس پڑھنے آ بیٹھتا تھا۔ اس سے کہا لالہ جا اپنے چاچا سے کہیو میاں نے آم کا اچار منگایا ہے۔ وہ لپکا ہوا چلتی آیا۔ دکان پر گاہکوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ لڑکے نے میاں نظیر کا نام لیا کہ اچار منگا رہے ہیں۔ بھولا رام نے مٹکی میں سے چنگل بھر دونے میں رکھ لڑکے کو حوالے کیا۔ اور سودا دینے میں لگ گیا۔ یہ لئے استاد کے پاس پہنچا منتظر بیٹھے تھے۔ دونہ کھول کر جو دیکھا تو چوہا مصالحہ میں لت پت تھا۔ انہوں نے اس کو رکھوا دیا۔ شام کو رائے صاحب آئے ان سے کہا بھولا کو بھی بلواؤ۔ ایک لطیفہ ہے۔ وہ آیا تو ایک نو تصنیف مخمس پڑھا:۔

پھر گرم ہوا آن کے بازار چوہوں کا
ہم نے بھی کیا خوانچہ تیار چوہوں کا
سر پاؤں کچل کوٹ کے دو چار چوہوں کا
جلدی سے کچومر سا کیا مار چوہوں کا
کیا زور مزیدار ہے اچار چوہوں کا

اول تو چوہے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں
اور سیر سوا سیر کے مینڈک بھی پڑے ہیں
چکھ دیکھ مرے یار اب یہ کیسے کڑے ہیں
چالیس برس گزر گئے تب ایسے سڑے ہیں
کیا زور مزیدار ہے اچار چوہوں کا

آگے تھے کئی اب تو ہمیں ایک ہیں چوہے مار
مدت سے ہمارا ہے اس اچار کا بیوپار
گلیوں میں ہمیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں خریدار

برسے ہے پڑی کوڑی روپے پیسے کی بوچھاڑ
کیا زور مزیدار ہے اچار چوہوں کا

بھولا رام بولا میاں کہیں چوہوں کا اچار بھی ہوا ہے۔ کہنے لگے تم ہی تو بیچتے ہو اور دونہ منگا کر سامنے رکھ دیا۔ وہ بے چارہ بڑا خفیف ہوا۔ اور سب نے فرمائشی قہقہ لگایا۔ ایسی اکثر باتیں مشہور ہیں۔

اخلاق و عادات

میاں نظیر میں حلم بہت آ گیا تھا۔ خلیق و متواضع بے حد تھے۔ جس بزم میں بیٹھتے اخلاق کے نور سے شمع انجمن معلوم ہوتے۔ نادرہ سنج ایسے تھے کہ کوئی بات لطیفہ سے خالی نہ تھی۔ جو بات ہوتی نظم میں مخمس ہوتی۔ احباب اور ہم صحبتوں کو اپنی لطافت سے شگفتہ کر دیتے۔ جود و احسان میں بھی کبھی کمی نہ کی۔ میاں نظیر کے اخلاق کی ان کی زندگی میں دور دور تک شہرت ہو گئی تھی۔ ابوالقاسم میر قدرت اللہ نے اپنے تذکرہ (مرتبہ ۱۲۲۱ھ) میں ان کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:

''شیخ ولی محمد اکبر آبادی شاعرے ہست دیرینہ مشق کہ بالفضل دراں نواح علم اوستادی می افراز دوہز و صحبت اخلاص با ہر کس می بازد، بسیار سلیم الطبع وخوش اختلاط ونہایت نیک طینت و مستحکم ارتباط شنیدہ می شود''

میاں نظیر کے مرنے کے چار پانچ برس بعد نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے ''گلشن بے خار'' لکھا ہے۔ جس میں ہے۔

''میاں نظیر در حلم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار است''

حضرت شہباز ''زندگانی بے نظیر'' میں لکھتے ہیں کہ پاس پڑوس میں جو غریب غربا تھے۔ ان کی خبر گیری فرماتے۔ محتاج کو دیکھ کر ان کا دل دکھ جاتا۔ کسی کو خالی نہ پھیرتے۔ اور جو وقت پر کچھ نہ ہوتا تو نہایت گڑگڑا کر معذرت کرتے۔ بڑے صاحب ہمت

تھے۔ اور اپنی ہمت کے آگے وہ شاہی گنج و خزانہ کو بھی کوئی چیز نہ سمجھتے تھے۔ زیورِ حیا سے آراستہ تھے۔ جو اہل مروت کا خاصہ ہے۔

خانگی زندگی

میاں نظیر نے ادھیڑ عمر میں مسماۃ تہور النساء بیگم بنت عبد الرحمن خان چغتائی خلف محمد علی بیگ صوبہ دار برہان پور سے نکاح کیا۔ یہ چغتائی خاندان محلّہ تاج گنج میں ملکوں کی گلی میں رہتا تھا۔ شادی کے بعد میاں نظیر بھی نوری دروازہ اٹھ آئے۔ خود ایک قطعہ زمین متصل محل بیگم باندہ خرید لیا تھا۔ اور اوسط درجہ کا مکان بنالیا تھا۔ تمام عمر اسی میں رہے اور اسی میں سپرد خاک ہوئے۔

میٹھے چاول اور کھچڑی بہت پسند تھی۔ لیمو کا اچار، گلگلے، چلے زیادہ اچھے لگتے تھے۔ پھلوں میں منو کا خربوزہ، آم شریفہ اپنی اپنی فصل پر شوق سے کھاتے۔ دعوت میں کم جاتے۔ ایاز (غلام) امام بخش چھوکرے تھے۔ نجیبن، گلاب، بختاور لونڈیاں تھیں۔ ایاز کے ذمہ گھوڑے کی خدمت تھی۔ عمر کا کافی حصہ طے ہو چکا تھا۔ گوشہ نشینی کے سوا چارہ کیا تھا؟ گھر میں رہتے۔ دالان کے سامنے صحن میں دو درخت نیم اور بیری کے تھے۔ ان کے سایہ میں بوریا اور کمبل بچھا کر بیٹھے رہتے۔ نزدیک و دور کے لوگ آتے، ان سے بات چیت رہتی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز شہر سے میاں نظیر کے ملنے جلنے والے ان کے گھر پہنچے۔ کنڈی کھٹکھٹائی۔ تھوڑی دیر میں دیکھتے کیا ہیں کہ میاں نظیر نے دروازہ کھولا۔ تو تمام جسم پر آردِ گندم کا غبار لگا ہوا تھا۔ سب نے پوچھا میاں خیر تو ہے۔ بولے تمہاری بھاوج بگڑ بیٹھی ہیں۔ آٹا کون پیستا، روٹی کون پکاتا۔ سوچا خود ہی آٹا پیس کر روٹی ڈال لوں۔ کہ اتنے میں تم لوگ آ گئے۔ سب نے کہا تم اپنا کام کر چکے ہو۔ اب ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ سب نے مل جل کر کھانا پکایا، اور خود بھی کھایا اور اہلیہ میاں نظیر کو بھی منا کر کھلا پلا دیا۔ اور گھر لوٹ آئے۔ آخر عمر میں پیری کا غلبہ کافی ہو گیا تھا۔ کم

سخن بھی ہو گئے تھے۔

بہر نظر دیکھیں گے اس عہد شکن کی صورت
دیکھیے کون سا یا رب وہ زمانہ ہوگا
تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا
دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

علالت ووفات

۱۲۴۳ھ میں فالج میں مبتلا ہوئے۔ مکتب داری شغل تھا، مجبور رہے۔ میاں گلزار علی اسیر ایسے بدشوق تھے کہ گلستان و بوستان سے آگے پڑھنے کی قسم کھائی تھی۔ جوان ہونے کو آئے ہمیاں نظیر نے ان کو بلایا اور کہا بھیا اب یہ مکتب داری کا کام سنبھالو۔ ورنہ کہاں سے گزر اوقات ہوگی۔ وہ بولے میں فارسی کے فتحی طلبا کو کیسے درس دے سکتا ہوں۔ کوئی ابو الفضل پڑھتا ہے۔ کوئی ظفر اور بدر چارج کا سبق لیتا ہے۔ ''میاں'' میں کیا پڑھا سکتا ہوں۔ یہ لڑکھڑائی ہوئی زبان میں بولے، جاؤ میاں خدا کا نام لو، پڑھاؤ۔ چنانچہ یہ پڑھانے لگے اور ہر ایک طالب علم کو بخوبی تعلیم دینے لگے۔ (کہن دارو نہ نوازش علی) اس سے اسیر اپنی ولایت کے قابل تھے۔ ۹۸ سال کی عمر ہوگئی تو ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۳۰ء کو انتقال ہوا۔ امامیہ طریق پر تجہیز و تکفین ہوئی۔ نماز جنازہ دو مرتبہ پڑھائی گئی۔ سنیوں نے علیحدہ پڑھی۔ ہندو مسلمان ہزار ہا شریک تدفین تھے۔ اپنے مکان ہی میں زیر نیم دفن کیے گئے۔ زمین دوز قبر پختہ بنوا دی گئی۔ جو آج شکستہ حالی کا مرثیہ پڑھ رہی ہے۔

سالانہ عرس ہوتا تھا۔ بیٔواؤں کا جماؤ ہوتا تھا، اور رات بھر یہ میلا رہتا تھا، پر اب

بہت کی آ گئی ہے۔

ہے تاج گنج میں اب تو نظیر کا میلا
نظیر کیا کہ عجب ہے نظیر کا میلا

اولاد

میاں نظیر کے ایک صاحبزادہ خلیفہ سید گلزار علی اسیر اور ایک دختر امانی بیگم تھیں۔ جو میر نجف علی مرزا جان کو بیاہی گئی تھیں۔ ان ہی کی صاحب زادی ولایتی بیگم تھیں۔ جن سے حضرت شہباز نے میاں نظیر کے حالات معلوم کیے تھے۔ میاں اسیر کی خواجگان دھنکوٹ کے یہاں شادی ہوئی۔ ان سے میاں نثار علی پذیر اور مصاحب بیگم تھیں، جو مرزا آغا علی ساکن تاج گنج کو بیاہی گئی تھیں۔ داروغہ مرزا نوازش علی ولایتی بیگم کے ہی داماد تھے۔

کلام نظیر

میاں نظیر کی زندگی کے باہ جمال حالات معلوم ہو جانے کے بعد اتنا تو آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ بہت ہی زود گو اور اونچے نیچے ہر طبقے کی زبان اور ہر سوسائٹی کے معیار پر بول چال کے ادا کرنے میں شان استادی کا مالک تھا۔ اب ذرا چلتے چلتے اس کے ادبی چٹخارے کا تھوڑا سا حظ اور اٹھالیجیے وہ کہتا ہے:۔

بحر ہستی میں صحبت احباب
یوں ہے جیسے بہ روئے حباب
سحر ہم نے چمن اندر عجب دیکھا کل اک دلبر
سہی قامت ، پری پیکر، مقطع وضع خوش منظر

یک سرمو نہ پریشان ہو تو اے کاکل یار
ہم ترے دام میں آکر نہیں جانے والے

زیادہ اس سے اباخفائے درد کیا ہوگا
کہ جان آنکھوں میں آآ گئی پر آہ نہ کی

جب کہ اٹھی ہم نے تکرار نظر پر آستین
کھینچ لی اس نے رخ رشک قمر پر آستین

اس پری رو کی دوا نے کی ہے یہ شکل لباس
تار دامن خار پر شاخ شجر پر آستین

تجھے کیا فصل گل ہے یا زمان خار ہے ساقی
تو خود اپنی جگہ اک دولت بیدار ہے ساقی

اے صیف مژگان تکلف بر طرف
دیکھتی کیا ہے الٹ دے صف کی صف

دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے
پڑ گئے ہیں ماہ کے منہ پر کلف

اٹھاویں نازان کے ہم نہ کیوں کرنظیر دل سے کہ جن کے ہوویں
جفا تلطف، عتاب شفقت غضب توجہ ستم نوازش

شرمندہ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب
کس باغبان نے گل کا گریباں سلا دیا

آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم
کل سر کو پٹکنا ہے چمن کی روشوں سے

کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک جناب سے

ہماری روح تو پھرتی ہے معشوقوں کی گلیوں میں
نظیر اب تو ہم مر کر بھی نہ اس جنجال سے چھوٹے

مر بھی جاویں گے تو جز پیرہن عریانی
آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے

گل سے کوئی کہے کہ شگفتن سے باز آ
ا س کو تو پھولنا ہے نہ پھولے تو کیا کرے

جو ناقبول شے سے بنایا قبول کو
پھر اس کو وہ بھلا نہ قبولے تو کیا کرے

آگئے سیر کرتے تم کو دیکھا خوش ہوئے
اب خدا حافظ ہے ہم اے یار رخصت ہو چلے

گل رخوں کی بزم میں کیا بیٹھتے ہو بے نظیر
تم بھی رخصت ہو کہ اب سب یار رخصت ہو چلے

ہمارے قطرہ اشک اس کی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جا بٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص
لیک مشکل ہے ہم نشیں اخلاص

اس کی باریکیاں وہی جانے
ہوئے جس شخص کے تئیں اخلاص

نظیر کی زبان دانی

میاں نظیر کی جزئیات نگاری اور زباندانی کے متعلق جنوری ۱۹۴۰ء کے نگار میں مولانا عبدالباری صاحب آسی مرحوم مرتب کلیات ہذا کا بھی ایک مضمون شائع ہو چکا ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے کہ آسی صاحب اس کلیات کی ترتیب وتسوید میں مشغول تھے۔ اور کیا عجب ہے کہ یہ مضمون ان کے مقدمے کی کوئی کڑی ہو۔ جو اچانک ان کی رحلت کے باعث نولکشور بک ڈپو میں محفوظ نہ رہ سکا۔ بہر حال بصورت موجودہ مدیر نگار کے شکریہ کے ساتھ مرتب کلیات کی اس ناتمام تنقید کو شریک مقدمہ بنانا میرا اولین فرض ہے۔ آسی صاحب لکھتے ہیں کہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کی طرح اور نقادوں نے بھی نظیر پر یہ الزام لگادیا ہے کہ وہ حاطب اللیل ہے اور رطب ویابس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ نظیر کے برف داروں نے اس کے لمبے چوڑے جواب بھی دیے ہیں، مگر افسوس کہ اس مضمون میں تنقیح وتنقید کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ نظیر کے کمال فن کو نقادوں نے دیکھا ہی نہیں اور غضب یہ کیا کہ بعض حروف کے خارج الوزن ہونے پر ان کو مجرم بنا دیا۔ حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو ایک ایسے ماہر کی زبان کے یہاں اگر اس قسم کی بعض فروگزاشتیں بھی ہوں تو وہ موردِ الزام نہیں ہوسکتا۔ اگر ان لوگوں کے قول کو صحیح مان لیا جائے جو کہتے ہیں کہ:

"شعر می گویم بہ از آب حیات"
"من نہ دانم فاعلاتن فاعلات"

تو پھر نظیر کا دامن بالکل پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان کی رعایت خاطر کی جائے جو عروض کو شعر کا جزو لاینفک قرار دیتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ نظیر پر بھی وہی معمولی سے اعتراض ہو جائیں گے جو اوروں پر ہوئے ہیں۔ مگر اس خیال کے ماورا نظیر کو دیکھا جائے تو ایک اور ہی دنیا نظر آئے گی۔ اس کہنے سے میرا مطمحِ نظر وہ نہیں جو آج کل کے

بعض نقادوں کا ہے۔ جن کی نظر میں نظیر صرف اس لئے بلند ہے۔ کہ اس نے ایسے زمانے میں نظم کی بنیاد ڈالی جب دوسرے شاعر مثنوی اور غزل کے سوا اور کسی طرف رخ ہی نہ کرتے تھے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے خیر ایسا تو ہو سکتا ہے کہ نظم کی طرف توجہ تعجب خیز اور حیرت افزا نہیں، بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دیسی قومی ملکی چیزوں کی جس قدر نظیر کے کلام میں افراط ہے۔ اور جس خیر و خوبی سے ان کا تذکرہ اس کے ہاں ہے۔ وہ تو کیا اس وقت کے بھی کسی ہندوستانی شاعر کے ہاں موجود نہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو کم از کم اس وقت تک نظیر کے خیر خواہوں کی نگاہ میں ہیں۔ اسی پر اس کو ہندوستان کا شکسپیر بتایا گیا ہے۔ اور اس لئے اس کو ملکی شاعر مانا گیا ہے۔ یہی اس کا کمال شاعری ہے اور یہی اس کے کلام کی معراج ہے۔

زبان اور معلومات

شاعری کی داخلی اور خارجی خصوصیات میں سے اس وقت صرف دو چیزوں کو لینا چاہتا ہوں، زبان اور معلومات اور ان میں سوائے انشاء کے کوئی دوسرا شاعر نظیر کا مقابل نہیں ٹھہرتا۔ نظیر جس چیز کا ذکر کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمام متعلقات اور ضروری چیزیں اس کے گرد و پیش کھڑی ہوئی ہیں۔ اور وہ ان کو دیکھ دیکھ کر اشعار میں نظم کرتا جاتا ہے۔ ان میں کی اکثر چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن کو دوسرے لوگ جاننا تو کیا پہچانتے بھی نہیں اور اگر پہچانتے بھی ہیں تو دوسرے ناموں سے۔ مگر نظیر چونکہ ان کی اصل و حقیقت سے باخبر ہے۔ وہ بغیر کسی تکلف کے ان کو ایسے ناموں سے یاد کرتا ہے کہ جس کی دوسروں کو ہوا بھی نہیں لگی۔ اسی چیز کو ہم تفصیل کے ساتھ آگے چل کر لکھیں گے۔

شاعر کے لئے سب سے ضروری چیز زبان کی مہارت کے بعد اس کا مطالعہ و مشاہدہ ہے۔ مطالعۂ فطرت ہی تخیل کے پیدا ہونے کا اصل راز ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو اس

کی تخیل ایک مرغ پر شکستہ کی مانند بے حس وحرکت بن کر رہ جاتی ہے۔ خیال کی بلند پروازی، معانی کا تنوع، مضامین کی رنگا رنگی سب اسی کے ماتحت ہیں اور نظیر مطالعہ فطرت کا بادشاہ ہے۔ دنیا میں ہزاروں رسوم ہیں جو ہر تہوار شادی، غم کے موقع پر برتی جاتی ہیں۔ مگر ان کی جزئیات کو سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں، مگر نظیر کو دیکھیے کہ وہ بغیر اس کے کسی چیز پر نگاہ ڈالتا ہی نہیں۔

ہولی ہندوؤں کا تہوار ہے اور سرسری نگاہ ڈالنے والے یہی جانتے ہیں کہ اس میں رات کو آگ لگائی جاتی ہے۔ دن کو رنگ ڈالتے ہیں۔ اور صبح کو رنگ کھیلا جاتا ہے۔ اور کچھ پکوان وغیرہ بھی پکتا ہے۔ اور بس معلومات کی اتنی ہی کائنات ہے۔ اور اس کے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ لیکن نظیر ہولی کو دیکھتا ہے تو اس کے ایک ایک جزو پر نگاہ ڈالتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کو دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ یہ چیزیں تو وہ ہیں جن کو ہم سب دیکھتے ہیں۔ مگر کبھی ذہن میں نہیں آتیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارا مطالعہ اتنا گہرا نہیں ہے۔ نظیر کے یہاں ہولی کی کئی نظمیں ہیں۔ اور ہر ایک میں جزئیات کا عمیق مطالعہ ہے۔ ایک نظم جس میں صرف پانچ شعر ہیں، کہتا ہے کہ:

بتوں کے زرد پیراہن میں عطر چنپا جب مہکا
ہوا نقشہ عیاں ہولی کی کیا کیا رسم اور راہ کا

چوتھا شعر ہے

چھڑکنا رنگ خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے
کبھی کچھ ناز کی اہ اہ'' کبھی انداز رہ رہ کا

پہلے شعر میں اس رسم کا ذکر ہے کہ بسنت سے لے کر ہولی تک زرد کپڑے پہنے جاتے ہیں اور پھر شرفا کے یہاں یہ بھی دستور ہے کہ چنپا کا عطر لگایا جاتا ہے۔ چوتھے شعر میں رنگ ڈالتے وقت آہ، اوہ، اور ''رہ، رہ'' آواز کا بیان ہے۔ یہ سب اسی غائر مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ دوسری جگہ کہتے ہیں۔

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتاؤں ہولی کا

سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھا ٹیکا

ابرن یا ابرک کا بدن پر جھمکنا، ماتھے پر کیسر کا ٹیکا، یہ ایسی باتیں ہیں جنھیں ہم جانتے تو ہیں مگر یاد نہیں۔

ہم کو رنگ اور رنگ بھری پچکاریاں تو ضرور یاد رہتی ہیں۔ کہ یہی طوفان نشاط اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو رنگ کی بجائے بڑے بڑے مہذب لوگوں میں کیچڑ مٹی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جب رنگ کی بھری ہوئی پچکاریوں سے کام نہیں چلتا تو رنگ کی بھری ہوئی لٹیاں لنڈھائی جاتی ہیں۔ اسی چیز کو نظیر ہمارے سامنے نئی بنا کر پیش کرتا ہے۔

کہیں ہوتی دھینگا مشتی ہے کہیں ٹھہری کھینچا تانی ہے

کہیں لٹیا جھمکتی رنگ بھری کہیں چلتا کیچڑ پانی ہے

یہ سب جانتے ہیں کہ ہولی میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے۔ مگر نظیر کی واقعات نگاری صرف اس کلیہ پر قانع نہیں رہی، بلکہ اس نے ان تمام سازوں کے نام بھی لیے، اور پھر جو خاص اہمیت رکھنے والے لوگ ان جلسوں میں شریک تھے۔ ان کا ذکر بھی کر دیا۔

کچھ طبلے کھڑکے، تال بجی، کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی

کچھ چھیڑیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی رچھ چنگ بجی

کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ دھمدھمی اور مرچنگ بجی

کچھ گھنگھرو جھم جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آتے ہیں

کر باتیں ہ ردم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں

کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامنیوں کے گاتے ہیں

کچھ اور طرح کے سوانگ نہیں، کچھ ناچتے، کچھ گاتے ہیں
ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

منظر کشی

اسی کے ساتھ ساتھ برسات کا ایک منظر بھی دیکھتے چلیئے۔ برسات ہندوستان کا محبوب موسم ہے۔ تکلف نگار شاعر ہمیشہ برسات کی بہاریں ناظرین کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ آسمان پر بھورے بادل اودی بدلیاں، کالی گھنگھور گھٹائیں، پپیہے کا زور، مور کا شور، باد بہاری کا چلنا، درختوں کا لہلہانا، سبزے سے تمام جنگل میں مخملی فرش بچھ جانا، جھیلوں تالابوں، ڈبروں کا لبریز ہونا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں، جن سے کم وبیش ہر سننے والا متاثر ہوتا ہے۔ مگر نظیر کی جزئیات نگاری اس سے آگے اور بڑھتی ہے۔ اور وہ محلوں اور مکانوں کی دیواروں میں کٹی ہوئی جالیوں کو بھی دیکھتا ہے جن پر سب کی نگاہ نہیں پڑتی، لکھتا ہے کہ:۔

بجلیوں کی اجالیاں بارہ دری کی جالیاں
عیش کی جھومیں ڈالیاں ہلتی گلوں کی ڈالیاں

برسات پر نظیر کی مختلف نظمیں ہیں، اور ان میں کوئی نہ کوئی ایسی ہی خصوصیت موجود ہے کہ جیسا کہ اوپر کے لکھے ہوئے شعروں میں ایک اچھوتا خیال پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح برسات کے اس مخمس میں جس کا پانچواں مصرع یہ ہے کہ:۔

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ایک خیال کو نظم کیا ہے، جو کہیں میری نگاہ سے نہیں گزرا۔ ہندو مذہب میں ہر چیز کے متعلق کچھ کام کرنے والے دیوتا مانے گئے ہیں۔ جیسے اگنی دیو آگ کا، اور پون دیو ہواؤں کے چلانے کا موکل ہے۔ اسی طرح میگھ راج بادلوں کا دیوتا ہے۔ نظیر کو ایک دم اس کا خیال آتا ہے۔ اور وہ اس خیال کو اس طرح ادا کر جاتا ہے۔

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منہ اٹھا کر
ہر کوہ ودشت کو بھی کہتے ہیں یوں سنا کر
ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر
کوئی دم میں میگھ راجا دیکھے گا سب کو آ کر

یہ خیال کرکے کہ برسات میں مکانات ہر وقت پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ سبھی کو معلوم ہے اور عجب نہیں کہ کسی نے مکانات کے گرنے کا ذکر بھی کیا ہو۔ مگر یہ مجھے یقین ہے کہ اس کی تفصیل اور تجزیہ مصیبت کا سہرا صرف نظیر ہی کے سر ہے۔ وہ مکان کا گرنا تو کوئی نئی بات نہیں جانتا، مگر اس کی ایک ایک چیز کو بتا کر اپنے بیان کو سب سے الگ کرکے اتنا زوردار بنا دیتا ہے کہ پھر اس کا مقابلہ دشوار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ برسات کی پھسلن کی مناسبت سے اس خمسہ کے پانچویں مصرعے کی ردیف بھی پھسل پڑا رکھی ہے۔ اور چھتا، کوٹھا، اٹاری، چھت، دیوار، دروازہ، پاکھے پچھیت، چھپر ان سب کو پھسلانے کے بعد مفلس، غریب، فیل سوار، پالکی نشین، پیادہ سوار، ہاتھی سوار، خر، نوکر آقا کو بھی پھسلا دیتا ہے۔ اور پھر خیال آتا ہے کہ لاؤ کچھ کیچڑ کا حال لکھ کر یہ بھی تفصیل کے ساتھ بتا دیں کہ یہ واقعات کہاں کہاں ہوئے، ملاحظہ ہو:۔

چکنی زمیں پہ یاں تئیں کیچڑ ہے بے شمار
کیسا ہی ہوشیار پہ پھسلے ہے ایک بار
نوکر اس میں بس نہ اس میں کچھ آقا کا اختیار
کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنی بار
آقا جو ڈگمگائے تو نوکر پھسل پڑا
کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا
کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ میں پاؤں کسی کا رپٹ گیا

اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا
دلدل جو ہو رہی ہے ہر ایک جا پہ رتمسی
گر گر اٹھا ہے مرد تو عورت رہی پھنسی
کیا سخت مشکلات ہیں کیا سخت بے کسی
اس کی بڑی خرابی ہوئی اور بڑی ہنسی
جو اپنی جا ضرور کے اندر پھسل پڑا

کوئی اور ہوتا تو اپنے گرنے کو چھپاتا مگر نظیر پر تو سعدی کا سایہ پڑا ہے۔ اور لوگوں کو پھسلن کی نذر کرکے خود بھی پھسلے۔ اور بری طرح پھسلے ہیں، کہتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں:۔

کیچڑ ہے ہر مکان کی تو بچتا بہت پھرا
پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حسن کی منھ برسا ناز کا
پھسلن جب ایسی آئی تو کچھ بس نہ پھر چلا
آخر کو واں نظیر بھی آکر پھسل پڑا

جزئیات نگاری

نظیر کی جزئیات نگاری کا یہ عالم ہے۔ کہ ان کو مفصل بیان اور تشریح پسندی کا خوگر بنایا ہے۔ اس کا حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، مگر یہ بے تکلف اور بے باکانہ کوئی واقعہ پیش کرتے ہیں، تو الفاظ کا ایک موجزن سمندر ہماری نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ اور ہم حیران رہ جاتے۔ حمد کو اس طرح شروع کرتے ہیں:۔

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

اس ارض وسما کے عرصے میں یہ جتنا جھمجھم کھچا ہے
یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیوان پکھیرو و نر ناری کیا بوڑھا بالک بچہ ہے
کیا دانا بینا ہوش بھرا کیا بھولا ناوان کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ہشیار ودانا،مست، سڑا، عیار نظر، ناقص کامل
سردار غریب ادنیٰ،اعلیٰ زیرک ،سیانا، ناداں،غافل
رمال ،نجومی، گھڑیالی،ملا، بہمن، پنڈت عاقل
کیا بید،مہندس ابجداں، کیا عالم فاضل کیا جاہل
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ابدال،قطب اورغوث ولی ہے دھیاں میں تیرے دل سب کا
کیا گیانی ،دھیانی، نارمن، کیا جوگی جنگم گرو چیلا
تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا تجھ سے دھیان لگا
کیا شاہ نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنگال گدا
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

دریا ،سمندر جھیل، نہر ندی نالے، ڈیرے ،جوہڑ
سیپی، گھونگھے،کوڑی،موتی،گھڑیال اور ناکے ہوں مگر
جونکھیں جھینیں،گوہیں، جھینگے،مرغابی، بُنج، بیل، انبر
کیا لاچی،پروی، اور بھنور کیا کچھ مگر کیا جی جنتر
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

پھلواڑی،باڑی، باغ،چمن، ہے سب کو یاد تری ہی بھلی
تو مالی، والی، رکھوالی،کیابرچھ پھلی کیا پیڑ بلی

کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہے سب کے دل میں یا د ڈھلی
کیا چوٹی جڑ کیا پھل کونپل، کیا ٹہنی، پتا کلی کلی
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ہیں دشت بیاباں اور وادی عرصہ میدان صحرا ،جنگل
کیا ابر ہوا کیا برق گھٹا،کیا دل بادل کیا جل اور تھل
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

رائیل، نگیسر،مولسری، مدمالت، بیلا اور سمن
دوپہری، گیندا، گل لالہ نافرمان، کرنا، بان، مدن
جانی، جوئی، شبو، نرگس، سنگار، چنبیلی، سیم، بدن
کیا پھول گلابی گل طرہ،کیا ڈیلا، بانسہ، سکھ درسن
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

انگور، سنگترہ، نارنگی، بریبیو، سدا، پھل سیتا پھل
نارنج، جھنجیلی، اور کولے کھٹے میٹھے، کمرکھ، گلاگل
آنب، جامن، ملگری، بادام، چھوہارے اور جا پھل
کیا گولر کھٹے مولسری، کیا شفتالو، کیا کٹھل، بڑھل
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

سیار، ثوابت، لوح وقلم، جنات عدن، فردوس وفلک
خورشید سے لے مہتاب تلک مہتاب سے لے خورشید تلک
اثار، طبائع قوس، جدی، میزان، اسد، سرطان ہر اک
کیا رضوان غلمان جنت کے کیا عرش بریں کیا حوز و ملک
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

گرُھ،پنکھ، کلنک، اور پار کوئی سارس بگلا، کوئل، تیتر

سرخاب ترمتی زاغ وزغن سیمرغ اور سارس مور سفر
بہری، لکھر، طوطا،مینا، ہدہد، شکرے، باشے ،تیتر
کیا بلبل قمری، لعل، بیا کیا مکھی، بھنگا اور مچھر
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

گج گینڈا،ارنا، شیر ،ملنگ آہو ہرنی، روبہ گیدڑ
سیہی، نیولا، سانڈا، بچھو، افعی، چیتل، چتی، اژدر
گج کوہی پاڑا، گرگ چرغ، گرگٹ، چلپاسہ، موش وگر
کیا جل مانس، کیا بن مانس، کیا ہاتھی گھوڑا، بیل شتر
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

کوئی خالق، باری، رب،مولا، رحمان، رحیم، اللہ تنگری
کوئی الگ روپ کرتار کرے کہے نرکال، نرنجن نر دھاری
کوئی رام رام کہہ کے سمرے کوئی بولے شیوشیو ہری ہری
کوئی داتا ،دنیت، دیو اٹل، کوئی راچھس، دیوت، جن پری
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

پیراکی کے میلے پر جو نظم لکھی ہے،اسے دیکھیے ،ایسے ایسے محاورات اور الفاظ استعمال کئے ہیں،جن کے معنی آج لغت میں ڈھونڈ نے سے بھی نہیں مل سکتے ۔ملاحظہ ہو:۔

کھڑی،چادر، بند،ناند چکوا،مینڈ ابھنوار، چھالن، چکر،سمپٹ،مالا،مینڈ اگھمیر، تختہ،کشتی، پچھارکز ایہ،سب وہ اصطلاحیں ہیں جنھیں نظیر نے زیادہ سے زیادہ ایک بند میں بتادیا ہے۔

کبوتر بازی کا ذکر آگیا ہے،تو وہ ایک ایسا کبوتر باز معلوم ہوتا ہے۔کوئی اہل زبان یا زباندان،یا شاعر تو اسے کیا سمجھے گا کوئی بڑے سے بڑا کبوتر باز بھی مشکل ہی سے

معلوم کر سکے گا۔ کہ میاں نظیر کیافرماتے ہیں۔ نام واقسام ،معہ رنگ وغیرہ ملاحظہ ہو۔
بصری، کابلی، شیرازی، چویاچندن، ہبزرے، مکھی، شستر، اگر، طاوسی، کل پوپے، نیلے گلی، تھیز، ملتے، چیتے، جوگے، گھیرے، پٹیت، چپ، تتتے، مکھرے، زرچے، گل آنکھ لبل، آنکھ، اودے، زردے، کابرے، مسی، توسی، پلکے، سیمابی، گھاگرا، تجو لئے، پان، لال، اگرئی، سرمئی، عنبری خال، بھورے، ملسی، تانبڑے، ہیرے، ہمترے، کاسنی، لوٹن، ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے جب غور کیا جاتا ہے تو میاں نظیر ہندوستان بھر کے شعرا میں ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اس کے کمال کا کہیں خاتمہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ زبان کا حافظ ہی نہیں، زبان کا موجد بھی ہے۔ اگر اس کی نظموں کو غور سے پڑھا جائے تو بعض میں آپ کو ایسے الفاظ ملیں گے، جو میاں نظیر نے وضع کیے۔ مگر پھر بھی ان میں سے آج کل کے موجدوں کی سی بے راہ روی نہیں، بلکہ انہیں اصولوں پر جو زبان میں مقرر ہو چکے تھے۔

الغرض میاں نظیر زباندانی کے لحاظ سے ہندوستان کے شعراء میں اپنا جواب نہیں رکھتا، اور ایجادو الفاظ کی وجہ سے زبان اردو کا زبردست محسن ہے۔

اس سلسلے میں مختلف غزلوں کے حسب ذیل اشعار پڑھیے اور داد دیجیے:۔

جو تم زور آوری کرتے ہو ہم سے دل لگانے میں
کسی نے دل لگایا ہے کہیں لوگو زبردستی
میاں نظیر اب تو ہمارے بس میں ہے، کچھ کہہ نہیں سکتا
کرو جو ہو سکے تم سے زبردستو زبردستی

عشاق سے ملنے کی عبث پوچھو ہو ساعت
جب دل ادھر آجاوے وہی نیک شگون ہے

جس منہ پہ جوش حسن سے تل بھر بھی نہ جاہو
وہاں تل کبھی آپڑے تو یہ تل کا کمال ہے

جو دل کے لینے والے ہیں وہ لے ہی جاتے ہیں آخر
دھری رہ جاتی ہے سب اپنی نگہبانی وہشیاری

کھلی رخ پہ زلف پر خم مسی رشک رنگ نیلم
غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے ابابا

ہزاروں گل ہزاروں گل بدن تو نے بنا ڈالے
کوئی مٹی سے ایسے گل کھلا سکتا ہے کیا قدرت

قصر رنگین سے گزر، باغ وگلستان سے نکل
بے وفا پیشہ تو مت کوچہ جاناں سے نکل

دیکھ کر کرتی گلے میں سبز دھانی آپ کی
دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
کہتے ہیں جنہیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے

یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر نکل دانے کی
بکھرنا ،سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا

یہ یکتائی یہ یک رنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے
نہ کم ہونا نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا

میاں نظیر ایسا جو چنچل دلربا بہروپیا ہوئے
تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

جدید وقدیم ادبا کی رائے

اگر چہ عام تذکرہ نگاروں اور نقادان فن نے میاں نظیر کو منظر عام پر لانے میں انتہائی بخل اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔اور ساتھ ہی اس کے خود نظیر کرلا ابالی پن، اس کے شاگردوں اور خاندان والوں کی مجرمانہ خاموشیوں نے اس کے اصلی اور تمام مجموعہ کلام کو دنیا کے سامنے پہچانے کی جدوجہد نہیں کی۔مگر قدرت کے اس خاموش منشا کو عملی جامے میں آتا ہوا دیکھ کر بے ساختہ کارکناں قضا کی داد دینا پڑتی ہے۔کہ انھوں نے ہر قسم کے مادی اسباب وو سائل کے نہ مہیا ہوتے ہوئے بھی نظیر کے فیض ادب کو ایک آن بھی کم نہیں ہونے دیا۔آہستہ آہستہ اس کا وہ تمام ذخیرہ کلام بھی پریس میں آتا جارہا ہے۔اور اس کی سیر وسوانح سے دنیا والے آشنا ہوتے جارہے ہیں،

قدیم تذکرہ نگاروں میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ایک تو وہ ہیں جنہوں نے نظیر کو بحیثیت شاعر کیا بحیثیت انسان بھی روشناسی کا موقع نہیں دیا۔اور ایک وہ ہیں جنہوں نے اسے ذلیل ترین اور بازاری شاعر قرار دے کر اس کے وزن کو قصداً گرانے کی کوشش کی۔میں ان دونوں قسم کے لوگوں کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا، ان کا اسے نظر انداز کر دینا یا سوقیانہ انداز میں یاد کرنا دونوں باتوں کا اصلی مطلب ومنشا سب پر اچھی طرح ظاہر ہو چکا ہے۔یہ خیال کر کے کہ بعض ناواقف لوگ اسے واقعی ایسا ہی خیال کرتے ہوں۔یا یہ سمجھتے ہوں گے کہ واقعی کسی گروہ بندی کے ماتحت خواہ مخواہ اب اس سوا برس کے بعد اس کی ذات کو ابھار کر کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ذیل میں چند قدیم وجدید ادبا ءمورخین کے آرا جمع کیے دیتا ہوں۔تا کہ بالراس والعین سب کو یہ محسوس ہو جائے کہ دنیا چاہے سراہے یا نہ سراہے، حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں، اگر خدا کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

قدیم تذکرہ نگاروں کی تیسری قسم نظیر کے معرفوں پر مشتمل ہے۔جنہوں نے اپنے

اپنے وقتوں میں اس کی اصل خوبیاں منظر عام پر لانے کی کوشش کی۔ اگر چہ ان کی یہ کوشش بھی پیاسوں کے سامنے ایک قطرے سے زیادہ باحیثیت قرار نہیں دی جاسکتیں۔ لیکن چونکہ وہ معرف اور انصاف کا علم تھامے ہوئے ہیں، اس لئے لائق صد مبارک باد ہیں۔ اب اس کی تفصیل آپ خود ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) محمد وزیر خان مہتمم مطبع احمدی واقع چارسو دروازہ آگرہ، کی رائے:۔

''کتاب لطف تاپسند ہر صغیر و کبیر کلیات نظیر''

(۲) شیخ نورالدین ابن جیوا خان مہتمم صفدری واقع بمبئی کی رائے:۔

(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب پسند خاطر ہر صغیر و کبیر اعنی منتخب نظیر (مصنف کی نسبت) نتیجہ سر دفتر شعرا ہزبان خویش ومقتدائے رہروان سلوک خیراندیش جناب شیخ ولی محمد صاحب متخلص بہ نظیر۔

(۳) سید تصدق حسین صاحب مصحح مطبع اودھ اخبار لکھنو کی رائے:۔

مصنف باکمال نے ہزاروں طرح کے پند و نصائح کو چٹکلوں اور مثالوں میں نظم فرمایا ہے۔ کو اب غفلت سے دنیا کی میٹھی نیند سونے والوں کو کس کس حسن ادب سے جگایا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اگلے لوگوں کا کلام بھی عجب پر تاثیر ہے۔ کہ ہر زمانے اور ہر وقت میں اس کا مداح صغیر و کبیر ہے۔ یہی کلیات ہیں کہ اگر چشم ظاہر سے انہیں دیکھو تو طرح طرح کی دل لگی کی باتوں اور مذاق کی حکایتوں سے مملو ہیں۔ اور اگر دیدہ حق سے بغور ملاحظہ ہو۔ تو سراسر دنیائے ناپائیدار کی مذمتوں اور چرخ کج رفتار کی شکایتوں کا دریا گویا بہ رہا ہے۔''

(۴) حکمت یار خان ابن حافظ احمد خان شاگرد جناب منشی نثار احمد بریلوی کی رائے:۔

(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب سر دفتر شعرائے زماں سرمشق

قلوب عاشقاں (مصنف کی نسبت) کہ جس کو سیاح دریائے فصاحت بیانی وغواص بحر فہم ومعانی جناب شیخ ولی محمد اکبرآبادی متخلص بہ نظیر نے اپنے صاف طبع سے نکال کر رشتہ بحور رنگارنگ میں منسلک کرکے جوہریان ونقادان بازار معانی کو مستفیض کیا۔"

(۵) حکیم میر قطب الدین باطن (شاگرد رشید میاں نظیر) مولف گلستان بے خزاں کی رائے:۔

(مصنف کی نسبت) پیر مغان میکدہ سخن، جرعہ کش رواق مضامین نو وکہن جناب سید ولی محمد نظیر۔ ذرۃ التاج شہنشاہ سخن دانی، گوہر یکتائے قلزم فیض رسانی ہمریر آرائے اقالیم سخنوری اورنگ پیرائے محافل شاعری شمع شبستان مکرم، چراغ دودمان عزت، گلدستہ گلستان عظمت، غنچہ بہار ندرت، لعل معدن علم وحیا، گوہر گنج اتقا خورشید، آسمان وفا، ماہ چرخ صفا، بادہ نوش میخانہ مضمون یک رنگی، رحیق پیائے مصطبہ معنی دل نشین مخزن جودواحسان معدن الطاف بے پایاں، حلیم الطبع، خلیق الرضا، مطلع انوار سواد نظم، مقطع بیاض تجلیات بزم، حریف محفل آشنائی، ظریف انجمن دانائی، خلاصہ، خاندان بسالت، سلالہ دودمان اصالت، چرخ ہمت، زمین علم، دور از جہل، نزدیک بعلم، وحید عصر، یکتائے زمان، یکہ تازعرصہ مضمون سخن، سخاں، آشنائے غوامض، نکتہ چینی، دانائے وقائق رنگینی، عالی فکر، بلند ہمت، رفیع مرتبت، بزرگ شوکت، والا فطرت، اوج فتوت، ہادی شعر القاب، صاحب قاعدہ ادب، (شاعری کی نسبت) خیاط ازل نے قبائے مضامین نادران کی عقل کے جسم پر قطع کی، دبیر فلک نے بیاض سخن پردازی ومضمون طرازی ان کے نام بخشی، بلاغت میں

سلیمان ساؤجی، بسم اللہ خوان دبستان، فصاحت میں سحبان بن وائل مکتب ایشاں ۔ ان کے چمن فکر میں اس طرح کے گل ہائے مضامین کھلے ہیں کہ اگر عین خزاں میں بلبل تصور کو اس باغ میں لے جایئے تو ان پھولوں کی بو کارنفس عیسوی کرے ۔ نغمہ سرائی عندلیب طبع کی، اگر طوطی بے جان سنے تو ہزار جان سے نوا سنج توصیف ومدح ہوکر ان کا دم بھرے ۔ جس شاخ پر ایک پھول گلستان سخن ان سے کھلا دیکھیں، سیاران شائق عنادل وار جان نثار کریں ۔ گلشن جنت ایک برگ خزاں رسیدہ چمنستان طبع، بہار خلد غنچہ، گلبن باغ جناح طبع شاعر اس کو کہتے ہیں ۔ کہ واقف ہو زمانے کے امورات نیک و بد سے، ہمہ داں شیریں بیاں ہو۔ بڑھ کے حد سے، شعر گوئی کے وقائق سے خوب ماہر ہو۔ شاعری کے سب نکتوں کا فائدہ اس پر ظاہر ہو۔ شاعری کے نملوں کا عامل ہو ۔ ہر طرز میں مہارت کامل ہو ۔ جیسے ہادی شعراء، شاعر نامدار، عالی مقدار جن کے کلمات شائستہ نے گوش فہم عالم کو عقل سماعت بخشی، اور شہر شہر، دیہ، دیہ، قصبہ قصبہ، ہر کوچہ و برزن میں ہزاروں فرسخ بجز ذکرہ اوصاف نظم ونثر اس جنت آرام گاہ کے کچھ بات نہ سنی ۔ ساقی خم، خانہ فیض طبع نے تشنہ بادہ شوق سخن کا لب تر کیا۔ پیر مغان طبع نے ہر ایک خشک کام گلو تر کردہ رواق تمنائے سخن کا اپنے دور میں لبالب ساغر کیا۔ کلام نظیر شعراوئے عصر کے لئے نظیر ہے ۔ تقریر عاصی بے نظیر ہے۔

(۲) ابوالقاسم میر قدرۃ اللہ قادری صاحب تذکرہ کی رائے :۔

(مصنف کی نسبت) شیخ ولی محمد اکبرآبادی، شاعرے است دیرینہ مشق کہ بالفعل (۱۲۲۱ھ) دراں نواح علم اوستادی مے افرازد و نزد

محبت و اخلاص با ہر کس می باز و بسیار سلیم الطبع وخوش اختلاط و نہایت
نیک طینت، و مستحکم ارتباط شنیدہ می شود، بہ معلّمی اوقات گزاری کند و بہ
کشادہ پیشانی ایام زندگی بسر می برد'

(۷)سعادت خان ناصر صاحب تذکرہ جوش معرکہ کی رائے:۔
(مصنف کی نسبت) نظیر وضع قلندرانہ مرد آزاد معاش، اس کی تعلیم
صبیان اور ااجوت صدائے فقیراں

(۸)منشی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کی رائے:۔
بعض دہلی کے تذکرہ شعراء جمع کرنے والوں نے صرف اتنا لکھا
ہے کہ وہ ایک ملائے مکتبی صحت الفاظ سے معرا، پرگو اور عوام الناس کی
بلکہ جہلا کی زبان لکھنے والا تھا۔ لیکن میری رائے میں وہ ہندوستان کا
شکسپیئر اور فطرتی اور قدرتی مضامین کے بیان میں ید طولی رکھتا تھا۔
اس نے ادنیٰ ادنیٰ اور رکیک رکیک مضمونوں کو اس خوبی سے باندھا اور
عمدہ نتیجہ نکالا ہے کہ دوسرا انہیں نکال سکتا۔

(۹)مولوی نذیر احمد کی رائے:۔
شواہد اس بات کے بکثرت ہیں کہ نظیر کا کلام مدتوں مولانا کے پیش
نظر رہا ہے۔ اور بہت دور تک اس نے پسندیدگی کا شرف بھی حاصل کیا
ہے۔ کیونکہ اکثر اشعار اس کے ان کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں۔
چنانچہ اردو میں قرآن شریف کا جو ترجمہ مولانا نے شائع کیا ہے۔ اس
میں بھی

اللہ یستھزی بھم و یمدھم فی طغیانھم

کے فائدے کے ضمن میں نظیر کے یہ ضرب الامثال اشعار موجود ہیں۔

نیکی کا بدلہ نیک ہے بد کر بدی کو سات لے
کانٹے لگا کانٹے پھلیں، پھل پات بو پھل پات لے
کل جگ نہیں کر جگ ہے یہ یا دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

اس سے بڑھ کر ایک شاعر کے لئے اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ اس کے شعر ترجمہ قرآن جیسی مقدس کتاب میں ایک اہم قاعدہ بلاغت کے اثبات میں نقل ہو۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں جو تقریر مولانا نے کی، اس میں نظیر کے ایک شعر کو نہایت لطف سے پڑھا۔ اور اس کی طرف لوگوں کی توجہ کو کسی قدر غیر معمولی طور پر منعطف کیا۔ جس عبارت میں نظیر کا ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے۔

''تمہارے آگرے میں ایک صاحب من وجہ بندے کے ہمنام ہو کر گزرے ہیں۔ یعنی نظیر اکبرآبادی۔ من وجہ میں نے اس لئے کہا کہ نظیر ان کا تخلص تھا۔ اور میرا نام ہے۔ ان کا تخلص ''ظ'' سے تھا اور میرا نام ''ز'' سے ہے۔ ایک صلاح وہ بھی بتا گئے ہیں۔ نہیں معلوم فرضی ہے یا واقعی۔ دیکھو شاید وہی مفید ہو۔ ان کو تو یہ صلاح ہے۔

کونڈی ڈنڈے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

(۱۰) مولوی سید محمد آزاد کی رائے:۔

ایک بزرگ حکیم نبی بخش، میر غلام پیر مرحوم کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ نظیر کا کلام ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا۔ وہ بات بات پر اس کی تعریف کرتے اور کہتے مجھے تو اس کے سوا کسی کلام میں مزہ ہی نہیں ملتا۔ میں تو جب دیکھتا ہوں، اسی کا کلام دیکھتا ہوں۔ میں ان کی باتیں سنتا اور ہنستا ہوں۔ کہ مرد خدا کس قدر بد مذاق ہے۔ ان دنوں ناسخ کے

کلام کا مزہ دل میں سمایا ہوا تھا۔ نظیر نگاہ میں جچتا ہی نہ تھا۔ دل میں کہتا حکیم صاحب کو چونکہ استعداد نہیں ہے۔ اس لیے ایک بد استعداد شاعر کی اس قدر تعریفیں کرتے ہیں۔ لیکن اب حکیم بخش کی باتیں یاد آتی ہیں۔ واقع میں ان کی رائے مذاق سلیم کا نتیجہ تھی۔ نہ کہ نتیجہ بد استعداد، اب جو دیکھتا ہوں تو میرے خیال میں نظیر کسی طرح میر وغیر اساتذہ قدیم سے کم نہیں۔ کلیات نظیر میں نے حکیم صاحب ہی کے تقاضوں سے منگوایا تھا۔"

(۱۱) شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی کی رائے:۔

ان سے سوانح عمری نظیر کا ذکر آیا تو یہ متعجب نہیں ہوئے بلکہ بہ کشادہ پیشانی تمام اس کے شاعرانہ کمالات اور خوبی کلام کا اقرار کیا۔ اور اس کو ریلسٹک پوئٹ کا خطاب دیا۔ اور اس امر کے ثبوت میں کہ وہ اس کے کلام کو کسی زمانے میں دل سے پسند کرتے تھے۔ فی الوقت نظیر کے یہ اشعار پڑھنے لگے۔

تن مردہ کو کیا تکلف سے روکنا
گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
مشین بدن تھا معطر کفن تھا
جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا
نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو دیکھا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

پھر بعض فرنچ تصنیفات کا حوالہ دیا اور کہا کہ نظیر کے حالات ان میں سے ڈھونڈ کر نکالوں گا۔

(۱۲) ڈاکٹر فیلن کی رائے:۔

"تحریری علم وادب میں سب سے زیادہ نظیر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس کی شاعری اہل فرنگ کے نصاب کے مطابق سچی شاعری ہے۔ مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اس کو سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتی۔ صرف نظیر ہی ایسا شاعر ہے۔ جس کے اشعار نے لوگوں کے دل میں راہ کی ہے۔ اس کے اشعار ہر سڑک اور ہر گلی میں پڑھے اور گائے جاتے ہیں۔ خصوصا اس کے خاص شہر آگرہ میں اور رواعظین یا (پادری) جو کہ اس کی نظموں سے بہت اچھی طرح آشنا ہیں۔ اس کے اور کبیر کے اقوال کا شارع عام پر وعظ کہتے وقت نمایاں تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ نظیر میں تمام وہ صفتیں دل و دماغ کی جمع کی تھیں، جو فطری ذکاوت کو امتیاز بخشتی ہیں۔ اس کی نظمیں آپ اس کی سوانح عمری ہیں۔ کیونکہ قالب نظر میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی خصوصیتوں کے ساتھ جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ اور سامان نہ سہی، صرف ان ہی نظموں سے اس کی تصویر کے بعض خدو خال نمایاں نظر آتے ہیں۔ وہ حقیقت میں آزاد بیٹھا تھا۔ اور یہی وہ اپنے تیئں بتاتا بھی تھا۔ وہ اصل میں دنیا سے بے تعلق صوفی تھا۔ جس کا اوروں کو صرف دعوئی ہی دعوی ہے۔ وہ تقدیر کی نہ موافقت کی پرواہ کرتا تھا۔ نہ مخالفت کی۔ وہ کچھ چاہتا ہی نہ تھا۔ وہ نہ کسی مرد کی پرواہ کرتا تھا اور نہ عورت کی۔ عورتوں سے اگر مطلب تھا تو صرف اتنا کہ دور سے ان کی صورت پر خوش ہولے۔ نہ اقبال سے وہ پھولتا تھا۔ نہ ادبار سے ملول ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس نے خود کہا ہے کہ وہ اپنی کھال میں مست تھا۔ اس

نے کبھی اپنی کسی تحریر کو حفاظت سے رکھنے کا خیال نہ کیا۔ اس کی نسبت
لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کا معمول تھا کہ نظم لکھی اور لکھ کر پھینک
دی۔ شاگرد یا دوست جب کے لئے وہ نظم لکھی اٹھا کر لے گئے۔
نہایت وسیع معنوں میں وہ اعلیٰ درجہ کا آزاد اور اعلیٰ درجہ کا موحد تھا، اعلیٰ
درجہ کا حکیم اور اعلیٰ درجہ کا جگت دوست تھا۔ اس کی ذکاوت کی رنگا رنگی
اس کے مضامین کی رنگا رنگی سے ظاہر ہوتی ہے۔ جس پر اس نے طبع
آزمائی کی ہے۔ جس قسم کے شاعرانہ خیالات اس نے ان چیزوں سے
پیدا کیے ہیں۔ جس پر اور ہندوستانی شاعروں نے لکھنا یا تو کسر شان
سمجھا یا ان میں لکھنے کی قابلیت ہی نہ تھی۔ انہی کو ہندوستانی محققین
ناواقفیت سے اس بات کا نہایت یقینی ثبوت خیال کرتے ہیں کہ وہ کوئی
شاعر نہ تھا۔ یہ حضرت فرماتے ہیں کہ "اس نے اس قسم کی متبذل
چیزوں پر لکھا ہے" آٹا، دال، مکھی، مچھر، اسکی طبیعت کی رنگا رنگی اور اس
کی تخیل کی قوت علاوہ بریں اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ کہ اس نے
ایک ہی چیز کی مختلف نظموں میں مختلف پہلوؤں سے مختلف تصویریں
دکھائی ہیں۔ اس کا دیوان خاصا تصویروں کا ایوان ہے۔ جس میں
ہندوستان کے رہنے والوں کے کھیل تماشے، عیش، تفریح، رنج وغم، دل
ودماغ سب کی بولتی چالتی تصویریں نظر آ سکتی ہیں۔

نظیر طبیعت (فطرت) اور ہر قسم کی انسانیت کے ساتھ ایک گہری ہمدردی رکھتا تھا
۔ وہ ہر چیز میں خوبی پاتا تھا، وہ خوش ہے جب گروہ کا گروہ خوش ہے۔ وہ ان کے کھیل
تماشوں سے مزہ لیتا ہے۔ وہ ان کی مصیبتوں سے دکھ پاتا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر
ہے، جس نے لڑکوں کے پیار و محبت کو لکھا ہے۔ اور صرف یہی ایک شاعر ہے کہ جس کو
غریبوں، مفلسوں، بے کسوں، مصیبت زدوں اور سب سے کس مپرس خدا کی مخلوق کے

ساتھ جوش ہمدردی ہے۔ جیسا کہ اس نے اس مضمون کو نہایت عمدہ طریقے سے اپنی اس عمدہ نظم میں مقطع کے طور پر بیان کیا ہے۔ جو اس نے آدمی نامے کے نام سے انسان پر لکھی ہے۔

اچھے بھی آدمی ہی کہلاتے ہیں اے نظیر
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

پاک عشق کی تصویر جو اس نے کھینچی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے۔ اور اس لئے اس نے کھینچی بھی خاصی ہے۔

اس کے کلام کا سب سے عمدہ حصہ کسی مطبوع مجموعے میں نہیں ہے۔ جو اس کے نام سے چھپا ہے۔ اس کا اس قسم کا کلام صرف رمتے ہوئے فقیروں (آزادوں) اور ناخواندہ اشخاص کی زبانی سنا جاتا ہے۔ جو کہ اپنے سینوں میں اس انسانی فطرت کا کچھ بہتر احساس رکھتے ہیں۔ جس کے نقش ونگار نظیر نے اس خوبی سے دکھائے ہیں۔ یہ ناخواندہ اشخاص اپنی پسند کی نظمیں زبانی رکھتے ہیں۔ بخلاف اس کے کہ پڑھے لکھے حضرات اپنے پسند کے شعراء کا کلام زبانی نہیں رکھتے۔ اور ان کی ایک بہت بڑی جماعت ان مقبول نظموں کو رغبت سے سنتی ہے اور محظوظ ہوتی ہے۔ اور اس لذت کے اٹھانے میں اپنا وقت کہیں زیادہ صرف کرتی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ پڑھے لکھے اشخاص کہیں کہیں اپنے ان غیر اصلی اور لفاظ شعراء پر صرف کرتے ہیں۔ جن کے مداح ہونے کا وہ دم بھرتے ہیں۔ اور پھر ناخواندہ اشخاص کی خوشی زیادہ گہری بھی ہے۔ اس لئے کہ ان کا سلیقہ زیادہ فطری اور سچا ہے۔ اور ان کی رغبت کی شے کافی قابل مدحت ہے۔

اس کے دل ودماغ کی صفائی اور اس کی تحریر کی لطافت اس درجہ کی ہے کہ جب وہ کوئی فحش خیال بھی پیدا کرتا ہے (جب کہ یہ بات اس کی تصویر کے خط وخال اور تکمیل کے لئے ضروری ہوتی ہے۔) تو فحش پر اس لطافت کے ساتھ پردہ ڈال دیتا ہے کہ وہ

ہمیشہ خود ہندوستانیوں کو بھی صاف نظر نہیں آتا۔ جو اس کثرت کے ساتھ ذو معنی اور ضلع جگت کا استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ وہ کسی پاک چیز کی اعلیٰ خوبیاں تعرف الاشیاء باضدادہا کے اصول پر بیان کرنے کو ہوتا ہے۔ تو شہوانی خیالات کو دیر تک دماغ میں رہنے اور اس کے پاکیزہ خیالات کو محو کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، جس کو نظیر برابر ام پڑھنے والے کے پیش نظر رکھتا ہے۔

بعض مضامین شدت سے فحش ہیں، مگر شوخی جو گی اور جان دار نقاشی کے لئے ایک جز و ضروری ہے۔ اس طرح اس کے کلام میں ملی ہوئی ہے کہ فحش بالکل نظر نہیں آتا۔ سر سے پیر تک ظرافت چھائی ہے اور دل موہ رہی ہے۔

"نظیر نے مادری زبان کے خزانوں پر اپنا سکہ بٹھا دیا ہے۔ اس نے اس خصوص میں وہ کام کیا ہے کہ جو صرف سلاطین اقلیم سخن مثلاً چاسر و شکسپیر ہی کر سکے۔ اس نے ہندی الفاظ کو ان تمام تر خوشنما ترکیبوں میں ظاہر کیا ہے کہ جن میں وہ ظاہر ہو سکتے تھے۔ اور اپنی ذات پر جواں مردانہ اعتماد کر کے جو ذکاوت کا خاصہ ہے۔ اس نے لفظوں کی نئی ترکیبوں اور نئے معنوں میں استعمال کرنے کی جرات کی ہے۔ اور یہ ترکیبیں اور معنی خوش آئند ہیں۔

جو کچھ نظیر نے لکھا ہے اس میں مشکل سے کوئی معمولی مصرع ہوگا، اور جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کا بہت بڑا حصہ بجائے خود ایک مشاہدہ ہے۔ اس کے خیال کی گہرائی اور اس کی ان نادر ترکیبوں کی قوت جن میں کہ ہر لفظ اظہار معانی میں دوسرے کا معاون ہے۔ جس قدر غور کیجیے۔ اسی قدر ظاہر ہوتی ہے۔ علم والے ہندوستانی ادباء جن کی کوشش صرف الفاظ کے پیچھے صرف ہوئے۔ وہ رسائی خیال میں اس قدر کوتاہ ہیں کہ اکثر نظیر کی وسعت وخوبی معنی کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں۔ اور وہ اس کی ترکیبوں کی خصوصیت مناسبت کو بھی نہیں سمجھتے، جو وہ ترکیبیں ان تمام معانی کے ساتھ رکھتی ہیں۔ جو ان سے نکلتے ہیں۔ اور یہی وہ شاعر ہے جس سے قریب قریب تمام

یورپین ناظرین بالکل ناوقف ہیں۔ اس لیے کہ ہندوستانی شعراء اور ادباء اس کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے۔

"علم والا گروہ جو کہ نظیر کی قدر دانی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کی پرستش کی چیز ناسخ ہے۔ ناسخ جس کی تشبیہیں نہایت صناعی کے ساتھ مختلف اور صداقت سے بہت زیادہ دور ہیں۔ اور جس کی زبان عربی اور فارسی الفاظ کا ایک خاصا میلا ہے۔ جس میں کسی معمولی ہندی لفظ یا حرف کو صرف اسی صورت میں شریک کیا گیا ہے کہ جب اس کی شرکت سے گریز نہیں رہا۔ (ماخوذ از دیباچہ لغات ہندوستانی و انگریزی مصنفہ ڈاکٹر فیلن صفحہ ۸ تا ۱۰)

(۱۳) مذکورہ بالا دور کے بعد یعنی نظیر کی موت کے کے تقریباً ستر برس کے بعد کچھ اور لوگوں کو خاص طور سے اس کے حالات اور کلام کے کھوج کا شوق دامنگیر ہوا۔ جس میں مولوی عبد الغفور صاحب شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج کا نام خاص طور پر قابل تذکرہ ہے۔ آپ نے ۱۸/۴ ضرب ۲۲ سائز کے ۴۲۵ صفحوں پر ایک ضخیم کتاب "زندگانی بے نظیر" کے نام سے مرتب کی۔ جس میں انتہائی تلاش و تحقیق اور اس وقت کے بڑے نقادوں، ادیبوں اور مورخوں کے مشورے کے بعد کلام نظیر کو بڑی تفصیل کے ساتھ ریسرچ کیا اور صرف اسی پر بس نہ کیا بلکہ اس کے فوراً بعد ہی ایک نئی کلیات نظیر بھی گیارہ سو صفحات پر مشتمل شائع کی۔ جس پر اگر یہ کہا جائے تو شاید بالکل بجا ہوگا کہ پرانے تنقید نگاروں اور مورخین سخن نے جو دانستہ اور نادانستہ ٹھوکر کھائی تھی۔ ان کی ان خدمتوں سے بڑی حد تک تلافی ہوگئی ہے۔ اور ملک کا ہر پڑھا لکھا طبقہ کلام نظیر سے آشنا ہوگیا ہے۔

شہباز ہی کا لٹریچر آج کل عام طور سے تمام مصنفین اور مولفین کے لئے جو نظیر کے متعلق کچھ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں۔ خضر راہ رہتا ہے۔

(۱۴) اس کے بائیس برس بعد نظیر کے ہموطن حضرت مخمور اکبرآبادی کا نام ہے۔ آپ نے بھی اس سلسلہ میں اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ ''روح نظیر'' جو آپ کا مجموعہ مرتبہ ہے۔ دو ایڈیشنوں میں اب تک شائع ہو چکا ہے۔ پہلا ایڈیشن مختصر تھا۔ مگر تازہ ایڈیشن جو ۱۹۴۶ء میں آگرہ کے اندر شائع ہوا ہے۔ ۲۷ ضرب ۱۷ سائز کے ۵۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے بہت سے غیر مطبوعہ کلام کے اضافے کے شروع کتاب میں ۴۰ صفحہ پر ایک بہت ہی کارآمد اور مبسوط مقدمہ اور ۱۶۰ صفحوں پر نظیر کے کلام پر تبصرہ کر کے اردو ادب پر بڑا بھاری احسان کیا ہے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً ملک کے ادبی و تاریخی رسائل میں بھی اکثر نظیر کے اوپر آپ کے مقالات شائع ہوتے رہے ہیں چنانچہ جنوری ۱۹۴۰ء آپ نے جو مقالہ تحریر کیا تھا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:۔

نظیر پر ایک نظر

کہا جاتا ہے کہ نظیر (۱۷۳۰ـ۱۸۳۰) محمد شاہ کے عہد سے اس عہد کی ابتدا تک جسے تاریخ دور مستقبل میں عہد انقلاب کہے گی ۔ گمنام رہا ۔ اس کی گمنامی، اس کی شخصیت شکسپیر کے حالات زندگی کی طرح ایک عظیم الشان راز ہے ۔ جس کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے ۔ یہ گم نامی اس شخصیت کی گم نامی ہے ۔ جسے ایک صدی سے زیادہ کی طویل بے اعتنائی صفحۂ ہستی سے مٹانے اور ذہنوں سے محو کرنے میں کام یاب نہ ہوئی ۔ زبان کے مورخوں کی عدم توجہی اور نقادوں کے استہزا کے باوجود جس شاعر کا کلام مسلمہ ناموروں کے دوش بدوش درس میں داخل، بے نواؤں اور گداگروں کو حفظ اور مثالوں اور کہاوتوں کے طور پر وردزبان ہو، جس کی پوری نظمیں عطف واضافت کی صحت کے ساتھ ستر اور اسی برس کے ناخواندہ بوڑھوں کو یاد ہو ۔ اور جو انہیں تھرک تھرک کر عام جلسے میں گانا آج بھی اپنا فخر سمجھتے ہیں ۔ جس کے صرف نام سے بسنت کے جشن میں ہزاروں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی فرقہ وارانہ کشمکش کے اس ملعون دور میں جمع ہو جائیں ۔ جس کی قبر پر عقیدت مند جہلا چراغ چڑھا کر منت مانگیں اور اہل نظر پرستار پھولوں کے ہار گجرے چڑھائیں ۔ اس کی گم نامی ضرور ایک راز ہونی چاہیے ۔ اگر آپ اردو زبان کے شاعروں کے کلیات، دیوان اور منتخبات کے مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخے جمع کرکے یہ فیصلہ کرنا چاہیں کہ سب سے زیادہ متنوع اشاعتوں میں کس کا کلام زیادہ مفید ہے تو آپ کو سر دفتر اسی گمنام شاعر کا نام ملے گا ۔ جسے مغرب کے مبصروں نے اردو کا واحد شاعر تسلیم کیا ہے ۔ ان شہادتوں کے بعد آپ حیرت میں پڑ کر نظیر کی گمنامی کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں گے ۔ نظیر کے باب میں گم نامی کا لفظ اصل میں ایک اضافی لفظ ہے ۔ جو صرف نظیر کی ذات کی نسبت سے اپنے اندر معنی رکھتا ہے ۔ اور اپنے مفہوم کا حامل کہا جا سکتا ہے ۔ شہرت کی جو مقدار نام نہاد گمنامی میں نظیر کا

حصہ رہی۔ وہ کسی بڑے شاعر کے لئے مباہات کا موجب بن سکتی ہے۔ لیکن خود نظیر کی ذات کے لئے گمنامی کی مترادف ہے۔ شہرت کے عام معنی میں نظیر پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کی شخصیت عام امتیازات کی دسترس سے باہر ہے۔ دوسرے شاعروں کی ناموری کی حدیں جہاں ختم ہوتی ہیں۔ وہاں سے نظیر کی ابتدا ہوتی ہے۔ نظیر کو جب گمنام کہا جائے تو مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ بقدر کمال اس کی فطرت کی داد نہیں دی گئی۔

انیسویں صدی کے آخری دو اور بیسویں کے پہلے ربع کی عام ہندوستانی آنکھیں نظیر کے کمال کے جوہر پرکھنے سے قاصر تھیں۔ آب حیات کے مصنف نے اگر نظیر کو نظر انداز کیا ہے تو اس سے نظیر کی بے کمالی یا آزاد کی جوہر ناشناسی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ جو ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ خود نفیس ذوق میں اتنا بلوغ پیدا نہ ہوا تھا کہ آسمان شعر کے انتہائی منازل میں اڑان بھر سکتا۔

نظیر کا عہد اور شاعرانہ کمال

نظیر کے عہد کی شاعرانہ فضا، اس جیسی خلاقت کی فطرت کے لئے نہ ظاہر سخت ناموزوں تھی۔ لیکن فطرت کو کلیہ توڑنا یا استثناء سے اس کا ثبوت مقصود تھا۔ اس لیے نظیر کو تصنع کا مخالف اور واقعیت کا علم بردار بنا کر بھیجا۔ زمانے کے لحاظ سے وہ سودا(۱۷۱۳۔۔۱۷۸۱)، میر(۱۷۹۳۔۱۸۱۰)، جرات(۱۸۰۵۔۱۸۱۰)، انشاء(۵۔
۱۸۱۰) اور مصحفی (۱۷۵۰۔۱۸۲۴) کا معاصر تھا۔ اردو شعر کی دنیا میں ان ناموں کی عظمت مسلم ہے۔ لیکن ذرا سی ادبی بصیرت بتا دیتی ہے کہ ان سب کے کلام کی قسم ایک ہے۔ رنگ و اسلوب سے ہلکے ہلکے تنوع سے قطع نظر کر کے، ان استادوں کے کلام میں کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے افکار حقیقت سے اس قدر دور ہیں کہ جتنے تصنع سے قریب ہیں۔ زندگی کی آئینہ داری ان کے یہاں قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہے۔

نظیر کی بے راہروی نے اس کے لئے سرراہے پیدا کر دیا۔ جس پر قدم زن ہو کر اس نے آپ اپنی شاہراہ بنائی ،میر وسودا کے ماحول میں نظیر ،ذوق ومومن کے ماحول میں غالب، آتش وناسخ کے ماحول میں انیس اور داغ ومیر کے ماحول میں اکبر جیسی شخصیتوں کا پیدا ہونا صریحی خرق عادت ہے۔ لیکن ایسا منظم مظاہرہ جیسا نظیر نے کیا بہت کم ہوا کرتا ہے۔ معجزۂ فطرت کے انتہاپسند مظاہر میں سے ایک شدید آلہ کار ہے۔ اس کی حدیں عرفان وانکار کی آخری حدوں سے ملی ہوئی ہیں۔ فطرت جب خود دخل دینا چاہتی ہے تو قیامت سے کم برپا نہیں کرتی۔ فطرت کا آوازہ تائیدی نوانہیں ہوتا۔ نظیر اردو شعر کی دنیا کا وہ واحد باغی ہے۔ جس نے تحریک انقلاب کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ نظیر، غالب، انیس، اور اکبر کا متحدہ اثر ہے کہ جس نے نادر کاکوری سرور جہان آبادی، اقبال صفی، مانی، جائسی، فانی اور جوش جیسے صاحبان فکر وبصیرت شعراء اردو میں پیدا کیے۔ جنہوں نے پرانی روش کو ترک کر کے فطرت انسان اور زندگی کا غائر مطالعہ کیا۔ دنیا میں چراغ سے چراغ جلا کرتا ہے۔

دوسرا پہلے سے سیکھ کر تیسرے کو سکھاتا ہے۔ خیالات کے نشوونما اور سوسائٹی کی درجہ بدرجہ ترقی کا عام اصول یہی ہے۔ لیکن بعض شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جو کسی سے اپنا چراغ نہیں جلاتیں۔ خود اپنی ذات کی فطری درخشائی کے باعث سب سے الگ تھلگ چمکتی ہیں۔ نظیر نے اپنا چراغ کسی سے نہیں جلایا۔ اس کی فطرت اور بصیرت اس کی رہنما بنیں۔ وہ صحیح معنوں میں تلمیذ الرحمان تھا۔ نہ اس کا کوئی استاد تھا اور نہ ہی اس نے اپنا مخصوص انداز بیان اور نظریہ شعر کسی کو باقاعدہ سکھایا۔

یہی وجہ ہے کہ جب سماج کا ڈھونڈا ایا ناتراش فن نقادی اپنے محدود معیار کے مطابق اس کے کلام پر نقد کرنے بیٹھا تو ہر کس وناکس کو طرح طرح کی خامیاں نظر آنے لگیں۔ خود ان نقادوں کی فہم کی رسائی چند خود ساختہ اصولوں کی دیوار تک تھی اور بس:

یہ پہلی اصولی غلطی تھی جو نظیر کے سمجھنے یا سراہنے میں کی گئی۔ضرورت اس کی تھی کہ پہلے نظیر کے نظریے کا جائزہ لیا جاتا اور خود اس کے وضع کردہ نقطۂ نظر کے حدود کے اندر اس کے کلام کے محاسن و معائب کو سمجھا اور جانچا جاتا۔

نیا آرٹ پرکھنے کے لئے نیا معیار سامنے ہونے کی حاجت تھی۔ اس لئے نظیر کا تقابل کسی سے ممکن اور جائز نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اہل کمال کے مصنوعات میں ان کی شخصیت کا مکمل عکس ہوتا ہے۔ ان کی صناعت ان کے نفس کی آئینہ ہوتی ہے۔اردو کے بیشتر شعراء میں یہ خصوصیت نظر نہیں آتی۔نظیر اس خصوص میں بھی فرد ہے۔اس کے کلام سے اس کی شخصیت پھٹی پڑتی ہے۔ اس کی فقیرانہ زندگی اور معلمی کا پیشہ اس کی روح کے استغناء ذہن کی وسعت اور قلب کی طمانیت کے اٹل ثبوت ہیں۔یہ سب کیفیتیں بغیر بتائے کلام سے صاف ظاہر ہیں۔

بعض خصوصیات

قناعت عوام میں عیب لیکن خواص میں ہنر ہے۔نظیر مفلس تھا مگر بڑا قانع تھا۔اس کی قناعت اس کی زندگی کا ایک مستقل اور نہایت دل چسپ باب ہے۔اس کی قناعت کا درجہ اس لئے بہت بلند ہے کہ اس کی قناعت مجبوری کا دوسرا نام نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام پاکیزہ اجزاء سے مرکب ہے، جو اس صفت کا لازمہ ہیں۔حصول ثروت کے ذرائع زمانہ نے نظیر کے لئے بہم کیے۔اور بار بار بہم کیے۔مگر اس کی غیرت و ایثار نے ان سے استفادہ نہیں کیا۔دنیا کے بہت سے ارباب کمال زندگی بھر مفلس رہے۔مگر خود اختیاری مفلسی کا شرف بہت کم حاصل ہوا ہے۔جو نفس نظیر کی طرح جہاد کرے گا۔وہی قناعت کے اتنے بلند مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے۔

نظیر اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے ورڈسورتھ کی طرح عامۃ الورود موضوعات پر

عام زبان میں شعر کہا۔ اور اس کا فائدہ یا ذائقہ عوام تک پہنچایا۔ دقیق خیالات اور مشکل الفاظ کے جو تو دے اساتذہ نے فہم کی راہوں میں جمع کر دیے تھے۔ وہ نظیر نے ہٹائے اور خیال کی آمد وشد کے لئے راستہ صاف کیا۔ کیا یہ طریقہ کار، انسانیت پر احسان نہیں کہ نظیر نے شعر کی دولت سوسائٹی کے اس طبقے تک پہنچادی۔ جو اب تک ہر اعتبار سے نا اہل سمجھا جاتا تھا۔ اور اس میں سمجھنے اور غور کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔ فیض سخن ایک بڑی مشہور بات ہے۔ لیکن جس سخن سے صحیح معنوں میں فیض پہنچا وہ نظیر ہی کا سخن ہے۔ تربیت نفس میں نظیر کا کلام سعدی کے کلام کے برابر اثر کرتا ہے۔ ابھی بتایا گیا ہے کہ نظیر نے عام زبان میں شعر کہا، عام کا لفظ یہاں جان بوجھ کر استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے ہماری نام نہاد ثقافت یا ان حضرات کو جو زبان کو انشاء کی نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ بڑی چڑھ ہے۔ مگر میں تو یہ کہنے پر تیار ہوں کہ عوام تک کوئی سیاسی، اخلاقی یا وجدانی پیغام پہنچانے کے لئے اگر عام زبان جسے سوقیانہ یا بازاری کہا جاتا ہے۔ بولنی پڑے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ انسان کا مفاد زبان کو ستھرے رکھنے کی ضرورت سے مقدم ہے۔ ستھرا پن ایک اضافی بات ہے۔ جس کی حدیں ضرورت اور حالات کے تحت بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن اگر ایسا نہ بھی تو خود ستھرے پن کا معیار فائدے کے مدارج کی نسبت سے قائم کرنا چاہئے۔ چنانچہ نظیر سوقیانہ زبان عام طور پر استعمال کر کے اگر اپنا شعری مشن پورا کر لیتا تو بجا نہ ہوتا۔ یہ محض ایک علمی عصبیت ہے کہ عام کو سوقیانہ مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ عام کے معنی سوقیانہ یا بازاری نہیں، عام فہم ہیں۔

(۱۵) مخمور صاحب کے بعد ۱۹۴۲ء میں مرزا فرحت اللہ بیگ چغتائی کا اسم گرامی ہے۔ آپ نے بھی عہد حاضر کے اس تقاضے سے متاثر ہو کر نظیر اور کلام نظیر کی اشاعت کی طرف اپنے قلم کو حرکت دی اور دو سو صفحہ سے زائد پر دیوان نظیر تیار کیا، جس کے شروع میں ادبی و تاریخی نقطہ نظر سے ہی بہت ہی میٹھے انداز میں آپ نے نظیر کے کلام

پر تبصرہ بھی فرمایا ہے۔

(۱۶۔۱۷) مرزا صاحب کے بعد نظامی صاحب بدایونی صاحب کا نام بھی بھلانا نہ چاہیئے۔ آپ نے ۱۹۴۳ء میں نظیر کی ملکی و قومی نظموں کو جو ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔ وہ بھی اپنی جگہ پر قابل دید چیز ہے۔ اس مجموعہ کا پیش لفظ پنڈت اجودھیا پرشاد پاٹھک ایڈوکیٹ آگرہ کا لکھا ہوا ہے۔ اور ۷ صفحہ پر نظیر کا تعارف خود انہوں نے اپنے قلم سے کرایا ہے۔

(۱۸) اس سلسلے میں نیاز فتح پوری صاحب ایڈیٹر رسالہ نگار لکھنو کا نام مدتوں یادگار رہے گا۔ آپ نے جنوری ۱۹۴۰ء میں خاص طور پر اپنے رسالے کا ایک نمبر نظیر کے نام سے شائع کیا۔ جس میں آپ نے ایک درجن سے زائد مقالات تحقیقی اور بہت سا غیر مطبوعہ کلام مہیا کر کے اپنے قارئین تک پہنچایا۔ نگار کا یہ نمبر تقریبا سوا سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اس میں آپ نے نظیر کے ایک بڑھاپے کے قلمی تصویر اور تحریر کا عکس بھی تیار کرا کر شامل رسالہ کیا ہے۔

آپ اپنے مقالہ افتتاحیہ میں نظیر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> ''اگر آپ نے نظیر کے تمام اصناف سخن کا مطالعہ کیا ہے تو میری طرح غالبا آپ کو بھی یہ بات محسوس ہوئی ہوگی کہ اس کا کوئی کلام ایسا نہیں کہ جس میں کچھ ''چھل بل'' نہ ہوئی ہو۔ کوئی ''انوٹ'' نہ پائی جائے۔ اور ایک قسم کی ''اینڈ'' موجود نہ ہو۔ لیکن ان سب کے ملنے کے بعد جو چیز بنتی ہے، اسے کس لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، جسے نظیر کے مقطع نے سمجھا دیا کہ اسے چٹکلہ بازی کہتے ہیں۔ اور نظیر ایک ''چٹکلے باز شاعر تھا'' لیکن ''چٹکلے باز'' کسے کہتے ہیں۔ یہ بات بجائے خود ذرا تشریح طلب ہے۔

''چٹکلے باز'' ہماری سوسائٹی کا وہ انسان ہے۔ (سوسائٹی سے علیحدہ اس کا کوئی

مفہوم تعین نہیں کیا جا سکتا۔) جو بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، امیروں سے لے کر غریبوں تک، ہر عمر و طبقہ میں اپنی جگہ پیدا کر لیتا ہے۔ جو کبھی ''بار خاطر'' نہیں بلکہ ہمیشہ یار شاطر ثابت ہوتا ہے۔ اور جس کی ہستی تکلف و تصنع سے بالکل پاک ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کا رجائی پہلو ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے۔ اور خود وہ ہنسے یا نہ ہنسے، دوسروں کو ہنسانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا مرنجاں مرنج اہلا، گہلا، کھلنڈرا اور چونچال اور بے ضرر انسان ہوتا ہے کہ وہ ہر شخص سے محبت کرنا چاہتا ہے۔ اور ہر شخص اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ وہ مرد مرتاض بننے کا دعویٰ کبھی نہیں کرتا۔ وہ مذہب کی تنگ نظری سے ہمیشہ علیحدہ رہتا ہے۔ وہ ایک نہایت دل چسپ قسم کا رند ہے۔ جو دنیا کو دوسروں کی نگاہوں سے دیکھنے کا زیادہ شائق ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو سوسائٹی کے اندر جذب کر کے اپنی انفرادیت کو بھی اجتماعی چیز بنا دیتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ گھل مل کر زندگی بسر کرنا اس کا نصب العین ہوتا ہے۔ اور دل پر چوٹیں کھانے کے بعد بھی ہر وقت مسکراتے رہنا اس کا شعار ہوتا ہے۔ اس کی رنگینیِ طبع اکتسابی نہیں بلکہ یکسر وہبی ہوتی ہے۔ اور اس لیے وہ کبھی موقع پر چوکتا نہیں اور ہونٹوں پر آئی ہوئی بات کو روکتا نہیں۔ بولی ٹھولی، ضلع، جگت، پھبتی، فقرہ بازی، بذلہ سنجی میں مشاق ہوتا ہے۔ اور محفل کا جو رنگ ہوتا ہے۔ اسی میں ڈوب جاتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھوں میں کبھی تسبیح ہوتی ہے۔ تو کسی وقت اس کی کمر میں زنار بھی نظر آتی ہے۔ اگر ایک وقت وہ لمبی داڑھی کے ساتھ مسجد کے محراب میں دکھائی دیتا ہے۔ تو دوسرے وقت ریش و بروت صاف ارتھی کے ساتھ ساتھ بھی نظر آتا ہے۔ وہ بچوں کے ساتھ مل کر کھیلتا ہے۔ اور جوانوں کے ساتھ مل کر ان کی محفل میں شریک ہو کر حسن و عشق کی باتیں بھی کرتا ہے۔ اور بوڑھوں کی صحبت میں وعظ و نصیحت بھی کرتا ہے۔

وہ اختلاف مسلک و مشرب کو زندگی کا تنوع سمجھ کر اس سے دل چسپی لیتا ہے۔ اور اسی لیے وہ اذان کی آواز اور صدائے ناقوس دونوں سے محبت کرتا ہے۔ اس کی زندگی

یکسر نغمہ و رقص ہے۔ جس میں سوائے قہقہہ نشاط اور منبع زندہ دلی کے کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ کہ اس کی داستان عبرت و بصیرت بھی ایک ایسا لطیف و پرسکون اثر چھوڑ تی جاتی ہے کہ سننے والے کو اس کی موت بھی زندگی کا نیا تجربہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

یہ ہے میرے نزدیک ''چٹکلے باز'' کا مفہوم اور اگر آپ نے ''نظیر کے کلام کا وسیع مطالعہ کیا ہے تو غالباً آپ بھی مجھ سے متفق ہوں گے۔ کہ وہ واقعی ''چٹکلے باز شاعر تھا'' اور اس کا کہنا تھا کہ:۔

''اس کے تو ہر سخن میں ہے اے یار چٹکلا''

بالکل صحیح درست ہے۔

نظیر کی ہمہ گیری

جزئیات کا مطالعہ اس کا اتنا وسیع ہے کہ کوہ سے لے کر پر کاہ تک کوئی چیز اس کی نگاہ سے نہیں چھوٹی۔ اور '' آہنگ شاعر'' اتنا زبردست رکھتا ہے کہ ایک غیر متوازن چیز میں بھی وہ بلا کا توازن پیدا کر دیتا ہے۔ رہا الفاظ کا ذخیرہ، سو اس باب میں تو اردو کا کوئی شاعر اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ اور الفاظ کے گڑھنے میں جو ید طولی اسے حاصل ہے۔ اس میں ''نظیر آپ اپنی ''نظیر ہے۔ اس لیے اس کے یہاں وہ سب کچھ ہے۔ جو دوسروں کے ہاں الگ الگ پایا جاتا ہے۔ اس کی شاعری داخلی اور خارجی دونوں حیثیتوں سے بڑی مکمل چیز ہے۔

شاعری کے سلسلے میں ''نظیر کے یہاں کیا نہیں ہے۔ غزل، رباعی، قصیدہ، مثنوی، مسدس، ترجیع بند مستزاد بھی کچھ ہے اور ہر چیز اپنی جگہ لفظی و معنوی حیثیت سے ایک جڑا ہوا نگینہ نظر آتی ہے۔

مباحث کے تنوع کے لحاظ سے اس کا کلیات ایک ایسا نایاب ذخیرہ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو معشیت و معاشرت کا کوئی انداز اور احساسات و تاثرات کا کوئی منظر ایسا

نہیں ہے۔ جو اس میں موجود نہ ہو۔ امیر، غریب، شاہ و گدا، زاہد و رند، سنجیدہ و غیر سنجیدہ، ہندو، مسلمان، گبر و ترسا، علیحدہ علیحدہ سب کی دل چسپی کا سامان اس میں موجود ہے۔ اور عالم محسوسات کی شاید ہی کوئی ایسی چیز ہو، جس کا ذکر کسی نہ کسی نہج سے نظیر نے نہ کیا ہو۔ مشاغل زندگی، ضروریات انسانی، مظاہر تمدن میں متقطع اور بنسوز قسم کی کوئی چیز ایسی نہیں جس کا ذکر کسی نہ کسی نہج سے نظیر نے چھوڑ دیا ہو۔ اور جس پر پورے اہتمام شاعرانہ کے ساتھ تمام صنائع و بدائع لیے ہوئے قلم نہ اٹھایا ہو۔ پھر لطف یہ ہے کہ نظیر کا کوئی رنگ سخن ایسا نہیں ہے کہ جس میں واقعیت نہ پائی جاتی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ اور اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظیر نے اپنی زندگی میں سب ہی پاپڑ بیلے اور ہر رنگ و صحبت میں شریک ہو کر اس سے لطف اٹھایا ہے۔

نظیر کا کمال شعری

"نظیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ طبقۂ عوام کا شاعر تھا۔ اور اسی لئے اس نے شاعرانہ اہتمام و اغلاط کی پرواہ نہیں کی، مگر میری رائے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ عامۃ الناس کا شاعر تھا۔ اور اس میں کسی طبقہ کی تخصیص نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے کلیات میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کی دل چسپی کا سامان پایا جاتا ہے۔

وہ حضرات جنہوں نے صرف اس کی سادگی بیان اور سیدھی سیدھی باتوں کو دیکھ کر اس کے عوامی شاعر ہونے پر حکم لگایا ہے۔ وہ غالباً یہ سن کر حیرت کریں گے کہ نظیر جب فارسی تراکیب اور لفظی شان و شوکت کا اہتمام کرتا ہے تو وہ بالکل غالب و مومن بلکہ موجودہ زمانے کا شاعر نظر آتا ہے۔ ایک غزل ملاحظہ ہو:۔

جاں بھی بیجاں ہے ہجر میں اور دل نگار بھی
تر ہے مژہ بھی اشک سے جیب کا تار تار بھی

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی
دیکھیے کیا ہو، بطرح دل کی لگے ہیں گھات میں
عشوہ پہ فریب بھی غمزہ سحر کار بھی
زلف کو بھی ہے دم بدم عزم کمند افگنی
دام لیے مستعد طرہ تابدار بھی

چند اشعار اور مختلف غزلوں کے ملاحظہ ہوں:۔

جس طرف تھے دیکھتے عیش وطرب کا جوش تھا
مستی ورندی ہوسبازی وبے اندیشگی
قد میں خم،آنکھوں میں نم،چہرہ پہ جھری رنگ زرد
سر سے پاتد سخت ناخوش منظری بدہیئتی

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہوئے
عمر بھر پھر وہ ہمارے گہر گوش ہوئے

چاہت کے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں
کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنا گار تو ہم ہیں
کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدہ شوخی رفتار تو ہم ہیں

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اشعار اسی کے ہیں جو:۔

نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

پکارتا پھرتا ہے۔

ایک غزل اور ملاحظہ ہو:۔

اے صف مژگاں تکلف بر طرف
دیکھتی کیا ہے الٹ دے صف کی صف
دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے
پڑ گئے ہیں ماہ کے منھ پر کلف
آ گیا جب بزم میں وہ شعلہ رو
شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف
ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا
جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

نظیر تقریباً سو سال زندہ رہے۔ اور ۱۲۴۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ جب ولی دکنی دربار دہلی پہنچے ہیں تو اس وقت نظیر کی عمر سات آٹھ سال کی تھی۔ اور جب غالب جوان تھے تو نظیر کی زندگی کے کم از کم پندرہ سال ضرور باقی تھے۔ اس لیے اگر نظیر کی شاعری کی ابتدا بیس سال سے مانی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے میرزا مظہر، شاہ حاتم، سودا، میر، سوز، قایم، حسرت، (استاد جرات) رنگین، شاہ نصیر، ممنون، موٴمن، غالب، ذوق، جرات، انشاء، مصحفی، اور ناسخ سب کا زمانہ دیکھا ہے۔ جن میں سے کچھ اس سے قبل مر گئے اور کچھ اس کے بعد بھی زندہ رہے۔ اور اس لیے اگر اس کے کلام میں وہ سب کچھ پائیں جو اس کے ہم عصر شعراء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ تو تعجب نہ کرنا چاہیے۔ گو نظیر کا وہ انفرادی رنگ جس کا ذکر ہم آئندہ کریں گے، ایسا تھا کہ جس کی ہوا بھی ان کے ہم عصر شعراء کو نہ لگی تھی۔

ذیل کے اشعار اس بات کا ثبوت ہیں کہ نظیر کا عہد ان سب شاعروں کا عہد تھا۔
اور وہ بیک وقت متقدمین، متاخرین ،متوسطین تمام شعراء کی صف میں جگہ پا سکتا تھا۔

شرمندہ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب
کس باغبان نے گل کا گریبان سلا دیا

تمھاری زلف کا اے یار ہم سے بل نہ گیا
ہمارے دل سیتی اک بال بھر خلل نہ گیا
ہمیں ہیں دیکھ جو قدموں میں گر رہے ہیں ترے
وگرنہ یاں سے ہاتھ کون مل نہ گیا
جلا کے پر جو لگن میں پڑا سلگتا ہے
پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا
بہار آئی کیا ہر شاخ پر گل نے مکان اپنا
بنا تو بھی اے بلبل چمن میں آشنا اپنا
ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوئے
کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا
ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر
کام مشکل تھا پر اللہ نے آساں کیا
جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر
خانہ خراب تجھ سے رہی کام رہ گیا
اسکے چہرہ پہ نہیں کاکلیں مشکیں کی نمود
یہ پٹاری کے تئیں توڑ کے کالا نکلا

مٹ گئے شور وفغاں جی کے نکلتے ہی نظیر
پھر نہ سینہ سے اٹھی آہ نہ نالہ نکلا

میرا اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر وبرق
اس نے مجھے رلا دیا میں نے اسے ہنسا دیا
تیشہ کی کیا مجال تھی جو یہ تراشے بے ستون
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا
سن کے ہمارا عرض حال یار نے یک بیک نظیر
ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرا دیا

خط کے آنے پر بھی کافر مجھ کو ترساتا رہا
جیسا شرماتا تھا جب ویسا ہی شرماتا رہا
آہ کے ،نالہ کے، ٹھنڈی سانس کے، یا اشک کے
اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا

آج دیکھ اس نے میری چاہ کی چتون یارو
منھ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا
دیکھ لے اس چمن دہر کو جی بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

تمہارے ہاتھ سے ہم کل بھی رو لیے صاحب
جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش
کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب

کچھ اسے شرم، کچھ ہے ہم کو حجاب
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے
یار مہہ چہرہ اور شب مہتاب

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں
نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں
جو نگہ سے چاہ کے دیکھوں ٹک تو چڑھا کے تیوری یہ کہتا ہے
تری اس نگہ کی سزا ہے یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

مجھے مدتوں سے ہے جو درد دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر
تو کہا کہ اس کی دوا ہے یہ تو کہا کرے میں سنا کروں
کوئی بولا تم نے نظیر کو نہ جھڑک دیا تو کہاں میاں
دل وجان سے مجھ پہ ہے وہ فدا،اسے کس طرح میں خفا کروں

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں
بھر آرہی ہے ترے غم سے اب آنکھوں میں
جدھر وہ دیکھے صف کی صف الٹ دے
بھری ہے شوخ کی ایسی شراب آنکھوں میں
تھما نہ اشک نہ نیند آئی نہ پلک جھپکی
بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں
شتابی آن کے محبوبو پگڑیاں رنگ لو
نظیر لایا ہے بھر کر شباب آنکھوں میں

جام نہ رکھ ساقیا شب ہے پڑی اور بھی
پہر جہاں کٹ گئی چار گھڑی اور بھی
پہلے ہی ساغر میں ہم تو پڑے تھے لوٹتے
اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی

سر شک چشم سے موتی بہت پروئے گئے
ولے یہ داغ جگر سے کبھی نہ دھوئے گئے
غرور نے تو ہمارا بہت ہی کھینچا سر
پر اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملوئے گئے
نظیر کیا ہی مزہ تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے سو آپ ہی کھوئے گئے

یوں کارواں شباب کی اگزرا کہ گوشترہ
آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیر ایک نے کل شکل وصل یار
ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہیئے کیا ہوئی
جو شکل دور باش تھی روز نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

دل ٹھہرا ایک تبسم پر کچھ اور بہا اے جان نہیں
گر ہنس دیجے اور لے لیجے تو فائدہ ہی ہے نقصان نہیں
جب سنتا ہے احوال میرا یوں کہتا ہے عیاری سے
ہے کون وہ ،اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں
کچھ بن نہیں آتا کیا کیجئے کس طور سے ملیئے اے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو چین اک آن نہیں

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا
کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال
اے ہم نے گو نشہ بھی پیا پھر کسی کو کیا
آپ ہی کیا ہے اپنے گریبان کو ہم نے چاک
آپ ہی سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

نظیر کی خصوصیات اس کا مطالعہ جزئیات ہیں ۔ جو اس کی بعض غزلوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے ۔اور جس وقت وہ کسی منظر کی تصویر کھینچنے پر آتا ہے ۔تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک ذرہ کا حساب لے رہا ہے ۔ایک غزل میں ہولی کا سماں پیش کرتا ہے ۔

ہولی کی رنگ فشانی سے ہے رنگ یہ کچھ پیرہن کا
جوں رنگا رنگ بہاروں میں ہو صحن چمن اور گلشن کا

جس خوبیاور رنگینی سے گلزار کھلے ہیں عالم میں
ہر آن چھڑکواں جوڑوں سے ہے حسن کچھ ایسا ہی تن کا
لے جام لبالب بھر دینا پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
یہ ساغر پہنچے دست تلک یا ہاتھ لپک لے دشمن کا
ہر محفل میں رقاصوں کا کیا سحر دلوں پر کرتا ہے
وہ حسن جتانا گانے کا اور جوش دکھانا جوبن کا
ہے روپ بھیروں کا مہوش اور رنگ گلالوں کا گل گوں
ہیں بھرتے جس رنگ بنا ہے رنگ عجب اس برتن کا
اس گلرو نے ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی ہے
نا دھیان ہمیں کچھ چولی کا نا ہوش تمہیں کچھ دامن کا
جب ہم نے نظیر اس گل رو سے یہ بات کہی ہنس کر اس دم
پوچھے ہے اے رنگ بھری ہے مست مہینا پھاگن کا

ایک محبوب کا ذکر غزل میں یوں کرتے ہیں:۔

اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کرے آہ
ختم اس کے یاوپر گل رخی وسیم تنی ہے
منھ چاند کا ٹکڑا ہے بدن چاندی کی تختی
دنداں ہیں گہر، ہونٹ عقیق یمنی ہے
بلور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ

یا چین میں چینی کی مورت یہ بنی ہے
نرمی میں صفائی میں نزاکت میں تن اس کا
ریشم ہے نہ گلبرگ نہ برگ سمنی ہے
گر پھول کی پتی کی بنا، پہنے وہ پوشاک
چھل جاوے بدن اس کا یہ نازک بدنی ہے
کل میں نے کسی شخص سے نام اس کا جو پوچھا
یعنی یہ پری یا غزال ختنی ہے
وہ بولا کہ اس شوخ کتیں کہتے ہیں ہیرا
کام اس کا سدا دلبری و دل شکنی ہے
تب میں نے وہیں ہنس کر کہا اس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہے

نظیر کی ایک اور خصوصیت ہے جو بہت کم آپ کو کسی اور شاعر کے ہاں نظر آئے گی ۔ یہ ہے کہ وہ موقع محل کے لحاظ سے ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ سامعہ پر بھی اس کا خاص اثر پڑتا ہے ۔ اور سننے والا خوف و ہراس، یا لطف و انبساط کی تمام کیفیات الفاظ میں محسوس کرنے لگتا ہے ۔ برسات کی رنگ رلیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے:۔

روز مزوں سے رات کو برسے تھا مینھ جھمک جھمک
بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑا جھپک جھپک
جام رہے چھلک چھلک شیشے رہے بھبک بھبک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک لوٹتے تھے بہک بہک

نظیر کی ایک اور خصوصیت ہے جو بہت کم آپ کو کسی اور شاعر کے یہاں نظر آئے گی ۔ یہ ہے کہ وہ موقع محل کے لحاظ سے الفاظ ایسے استعمال کرتا ہے کہ سامعہ پر بھی

اس کا خاص اثر پڑتا ہے۔ اور سننے والا خوف و ہراس یا لطف و انبساط کی تمام کیفیات الفاظ میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ برسات کی رنگ رلیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے:۔

نظیر کو اختراع الفاظ کا خاص سلیقہ حاصل تھا۔ اور موضوع کے لحاظ سے ان کا اتنا صحیح صرف کرتا تھا، کہ الفاظ خود معنی ہو کر رہ جاتے تھے۔ اس مثال میں آپ نے دیکھا کہ مستی و سرخوشی ظاہر کرنے کے لئے جو الفاظ اس نے استعمال کیے ہیں، کہ ان میں کتنی موسیقی پائی جاتی ہے۔

جدت و اختراع

نظیر میں جذبات و اختراع کا مادہ بہت تھا۔ جس کی مثالیں اس کے کلام میں بہت مل سکتی ہیں۔ اس زمانہ میں مسلسل غزل کہنے کا رواج تھا۔ خاص کر ظفر اس کا بہت شائق تھا۔ لیکن صرف ایک محاورے یا ضرب المثل کے لئے پوری غزل کہہ ڈالنا نظیر ہی کی جدت تھی۔ مثالاً دو غزلیں ملاحظہ ہوں:۔

گلہ لکھوں میں اگر تیرے غم کے جھلوں کا
تو ہو نباہ نہ پچھلوں کا اور نہ پہلوں کا
سنے سے نام محبت کا تھرتھراتے ہیں
یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں کا
کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے
طریق جیسے ہے عشرت کے اہلے گہلوں کا
مکان ہو اک سنہرا، دھرے ہوں شیشہ و جام
بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ روپہلوں کا
کھلی ہوئی چاندی بکھرے ہوئے ڈھیر پھولوں کے

پلنگ بھی ہو بہت نرم روئی کے پہلوں کا
یہ سن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیر
کہ سوویں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

جہاں میں جو نہ ہوا،اس پری کا دیوانہ
تو اس نے آہ مزہ عاشقی کا کیا جانا
کہا یہ شوخ نے تو ہم کو چاہتا ہے نظیر
یہ پوچھا ہم نے بھلا تم نے کس طرح جانا
تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں
کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دم بدم آنا
جو ہم نہ ہوویں تو آکر ہمارے کوچہ میں
یہ جم کے بیٹھنا پہروں تلک نہ گھبرانا
جو ہم خفا ہوں تو آکر ہزار منت سے
خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا
پس ایسی باتوں سے کیوں کر نہ چاہ ثابت ہو
خدا کو دیکھا نہیں عقل سے ہے پہچانا

نظیر نے مستہزاد بھی کہے ہیں،لیکن تھوڑی سی جدت کے ساتھ بعض شعر ملاحظہ ہوں:۔

یہ مہر فزا رخ کرتا ہے نگاہوں کو ترا مطلع انوار
اب تیرے سوا رخ کس کا ہے بتا نام خدا ایسا جھمکدار
فرقت کے الم سے دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں دن رات

دیکھیں گے ترا رخ وہ کون سا دن ہوگا مبارک جو ہم اے یار

تضمینوں میں ان کی اپچ دیکھیے: ۔

رہوں کاہے کو دم خستہ پھروں کاہے کو آوارہ

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

خدا گر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارہ

بحال ہندوش بخشم سمر قند وبخارا را

پوری غزل اس طرح سے تضمین کی ہے۔

بعض غزلیں انہوں نے اردو فارسی دونوں میں لکھی ہیں۔یعنی بعض شعراء اردو کے ہیں بعض فارسی کے،اسی قسم کی ایک غزل کے آخری اشعار سنیے:

نظیر ایک دن اس تند خو سے میں نے کہا

یہ فارسی میں کہ "اے مہہ عذرا زہرہ جبیں"

چہ کردہ ام کہ نگاہے بہ حال من نہ کنی

چہ گفتہ ام کہ نگوئی دمے بیا بنشیں"

بجز جفا وتعدی نمی کنی بہ من

نظر عتاب قریں داری وجبیں پرچیں

دلم برائے ہمیں بردہ کہ ظلم کنی

شنید وگفت" بلے بردہ ام برائے ہمیں"

ایک بار انہوں نے اپنے پنجابی محبوب سے پنجابی میں بھی گفتگو کی تھی۔ملاحظہ ہو:

کل نظیر اس نے یہ پوچھا بزبان پنجاب

نہیہ رچ مینڈی ہے کے حال تسا راوے میاں

یعنی ہماری محبت میں میاں جی تمہارا کیا حال ہے؟۔

جوڑ ہتھ ہم نے کہا حال اساں ڈے دل دا
تسی سب جاندی ہو جی اسے کے عرج کراں
یعنی ہمارے دل کا حال تم خود خوب جانتی ہو ہم کیا بتائیں؟۔

اس میں شک نہیں کہ نظیر اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ہندوستان کا عجیب وغریب شاعر تھا۔ جس میں کبیر کے اخلاق اور خسرو کی ذہانت کا نہایت دلکش امتزاج پایا جاتا تھا ۔اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو شاعری میں تغزل سے ہٹ کر سب سے پہلے اسی نے نظمیں لکھنے کی ابتدا کی۔اور سچ پوچھیے تو انتہا بھی کر دی۔لیکن افسوس ہے کہ وہ بہت قبل از وقت پیدا ہوا۔وہ اس زمانے کا شاعر تھا۔اور اسے اسی زمانہ میں ہونا چاہیئے تھا۔

(۱۹) علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم نے اپنے ایک مضمون کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

شیخ ولی محمد نظیر اکبرآبادی دور چہارم کے شاعر تھے۔اور یہ وہ دور تھا کہ لکھنو میں جرات وانشاء اور مصحفی اور رنگین کا طوطی بول رہا تھا۔اور ان سے پہلے ولی دکنی۔شاہ مبارک آبرو،شرف الدین مضمون محمد شاکر ناجی،غلام مصطفےٰ خان یک رنگ،میرتقی میر، میر حسن،میر سوز وغیرہ شعراء اردو شاعری کی بساط پر انگڑائیاں لے چکے تھے۔نظیر اکبر آبادی کے سامنے ان ہی کے فرمودات تھے۔اور ان ہی کا اسلوب بیان تھا۔ان کے علاوہ فارسی شعراء کا کلام بھی ہندوستان میں صدیوں سے موجود تھا۔اور بطور علوم متداولہ اور ان کی منظوم ومنثور کتابیں مکاتب میں شریک درس وتدریس تھیں۔ سعدی،حافظ،صائب،نظیری،وحشی،آصفی،خسرو اور بیدل کا فارسی کلام عام طور پر مطبوع ومقبول سمجھا جاتا تھا۔

میاں نظیر ان ہی دیسی وبدیسی باغوں کے خوشہ چین تھے۔عربی فارسی اچھی جانتے تھے۔چنانچہ ان کے کلام میں جابجا ایسے الفاظ اور ایسی ترکیبیں پائی جاتی ہیں جن سے ان کے علوم متداولہ شرقیہ پر عبور کا پتا چلتا ہے۔مثلاً نیاسازیاں،ترانداز یاں،تشنید،

سخن دل کشا، فسوں نگار، کنارہ گیر، عجز و انتباہ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی معلم تھے اور یہی شغل ان کا کفیل حیات تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ اردو اپنے تمام مصطلحات و محاورات کے ساتھ مکمل ہو چکی تھی۔ اور اس میں زیادہ سے زیادہ قوت بیان موجود تھی۔ ہندو تہذیب بھی تشنۂ تکمیل نہ تھی۔ اور بین الاقوامی قانونی معاشرہ بھی تکمیل ہو چکا تھا۔ ہندوستان کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان باہم متحد تھے۔ مسلمان ہندوؤں کے اور ہندو مسلمانوں کے تہواروں اور میلوں تماشوں میں کشادہ دلی کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ مذہبیات اور معتقدات میں دونوں کو غلو تھا۔ لیکن تعصب دونوں میں نہ تھا۔ اسی خوش گوار ماحول میں میاں نظیر اکبرآبادی کی شاعری پروان چڑھی۔ اور یہی ماحول ان کی شاعری پر محیط رہا۔

فنی اور لسانی درجہ

نظیر کے کلام میں بارے، تئیں، تک، کنے، ہووئے گا، اس کے ہاں، آخرش، زری، ایاں، جایاں، تس، اوپر، آن کے، تلک، مست، پر کچھ، پہناتا، بجا دینا، دوانہ، تب، یاں، واں، دکھلا، بتلا، پر، بجائے، مگر، کرکر (بجائے کرکے) ہے گا، ندان (نادان) چل بچل، ٹھیک ٹھا، جھپ سے ڈھپ، چلیاں، جھمک، جھمک کر، لباس کرنا، بود باش، بود باش، چلون (چلمن، مزور) مزدور۔ جدھر، تدھر، دوالیں (دیواریں) کالیاں، مانگوں ہوں، جاگہ (جگہ) زور تماشا، اکستیاں ہیں وغیرہ الفاظ جا بجا پائے جاتے ہیں، حیرت یہ ہے کہ یہی الفاظ اپنی ترقی یافتہ اصلاحی صورت کے ساتھ بھی ان نظموں میں موجود ہیں۔

نظیر نے جو زمانہ پایا ہے۔ اس میں ان الفاظ کا استعمال کچھ زیادہ قابل اعتراض نہیں ہے۔ مگر بعض لغزشیں ان کے علمی اقتدار کو بنظر شبہ دیکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ یعنی سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص عربی، فارسی میں شعر کہہ سکتا ہو۔ جو بحیثیت معلم عربی

،فارسی کی صرف ونحواور فارسی کے قواعد سے کماحقہ واقف ہو۔اور بقول بعض جس نے مرزا غالب اکبرآبادی کو درس دیا ہو۔وہ ایسی غلطیاں کیوں کر کرسکتا ہے۔

مثلاً اصل بفتح صادمہملہ، ذرا، زرا بقرض خواہ بحرکت رائے مہملہ۔طیوروں بجائے طیور اعصا بجائے عصا، ورنے بجائے ورنہ، زبر بفتح ہوز، جوان ولڑکے، مفلس وجنگال، سارنگی وے لے، جامہ وانگیا، دولت وگھر بار (واؤ عطف کا غلط استعمال) مثل پھول (اضافت کا غیر محل)، گل وریحان، تماشا گلستان تماشا، زلف پریشان تماشا، (بہ اعلان نون بغیر اضافت) سوار (بجائے ناقہ سوار) یہ ایسی غلطیاں ہیں جو عربی فارسی میں تجر رکھنے والے قلم سے کسی طرح متوقع نہیں ہوسکتیں۔مگر نظیر کے یہاں علی حالہ موجود ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ میاں نظیر کی شاعری کا منتہا ہی ''عوام کی ترجمانی زبان عوام میں تھا۔اس لئے وہ عوام کی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ اپنی نظموں میں اسی تلفظ یا لہجے کے ساتھ دانستہ لاتے تھے، جو عوام کا محاورہ تھا۔وہ جسو سائٹی کے شاعر تھے، اس سوسائٹی کے رجحانا تا سی کی زبان اور اسی کے پیرائیہ بیان میں ادا کرنا پسند کرتے تھے ۔، ادبیات میں ''طبقاتی تقسیم'' کا مقصود ومنشا بھی یہی ہے۔کہ ایک ادیب یا شاعر کو تمام طبقات سے اس قدر قریب اور ان کے جذبات کو اتنا اچھوتا ہوا چلنا چاہیئے کہ کوئی طبقہ بعید الفہم اور اچھوت نہ رہ جائے ،اگر میاں نظیر اپنی سوسائٹی کی ترجمانہ اسی ماحول میں رس بس کر نہ کرتے تو یقیناً ان کے کلام کو مقبولیت عام حاصل نہ ہوتی۔

نظیر کی شاعری اسی طبقے کی نمائندگی کرتی ہے۔جسے اس دور کے خاص خاص مشاہیر نے پست سمجھ کر ٹھکرایا تھا۔اور نا قابل توجہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔نظیر کی نگاہ جزئیات زندگی کے ہر ذرے کو کروٹ بدلواتی نظر آتی ہے۔اور وہ ان موضوعات کی گہرائی میں حقائق ومعارف ٹٹولتے ہیں۔جہاں ایک بلند بانگ جذباتی شاعر کی نگاہ صرف سطحی نقش ونگار کی مصوری میں مصروف ہوتی ہے۔گو ان کی بعض نظمیں جذباتی

نقطۂ نگاہ سے مطلق عریاں اور یکسر حیا سوز بھی ہیں۔ تاہم ان کی بیشتر نظموں کا افادی پہلو بہت بلند اور بے نظیر ہے۔

امتیازی گوشے

اگر نظیر کی شاعری لسانی نقطۂ نگاہ سے دیکھی جائے تو اس میں بعض خصوصیات اس زمانہ کے لحاظ سے ممتاز بھی پائی جاتی ہیں۔

مثلاً الفاظ کا ترنم اور کثرت مرادفات کی فراوانی، موسیقی آمیز بحریں، اور ہر موضوع کے متعلق بیش از بیش معلومات، لیکن اس میں شک نہیں کہ میاں نظیر کی شاعری ایک مخصوص ماحول محدود ہے۔ اور اس میں عالم گیر جذبات کے مقابلے پر مقامی رنگ جو صرف اکبر آباد یا آگرہ کی فصیلوں کا پروردہ نظر آتا ہے۔

نظیر نے جتنی نظمیں بحر متدارک مجنون (شانزدہ رکنی) میں کہی ہیں، ان میں ایک مخصوص ترنم اور غیر معمولی موسیقی پائی جاتی ہے۔ ایک مصرع میں بہت سے متوازن اور ہم قافیہ الفاظ رکھ کر وہ ایک ایسا جزرومد پیدا کرتے ہیں کہ الفاظ بجائے خود رقصاں معلوم ہوتے ہیں۔ ذخیرہ الفاظ ان کے پاس بہت زیادہ ہے۔ اس لیے کہ وہ اردو میں بھاشا، سنسکرت، ہندی، عربی، فارسی، پنجابی غرض جس زبان کا لفظ انہیں ملتا ہے۔ اس کو بے تکلف کھپا دیتے ہیں۔ اور موسیقی قائم رکھنے کے لئے اگر انہیں عروض یا لسانی قانون توڑنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

ان کی نظمیں عموماً تفصیلی ہوتی ہیں۔ جن میں زندگی کے ہر گوشے کو بے نقاب کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ نظموں میں افسانویت بھی بطور خاص پائی جاتی ہے۔ مشرقی رسم رواج کی ترجمانی اور مشرقی امیال و عواطف نظیر کی نظموں میں نسبتاً زیادہ ہیں۔ جن کو مغربی احساسات کی ہوا بھی نہیں لگی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کی شاعری موجودہ سوسائٹی کے تہذیب و ارتقا کی آئینہ دار

ہے ۔ آج ادبی رجحانات کی تعمیری بلندیاں انہیں بنیادوں پر قائم نظر آتی ہیں، جو بارہویں صدی عیسوں میں میاں نظیر نے علی الرغم خواص رکھی تھیں ۔ اگر یہ بنیادیں قائم نہ ہوتیں تو شاعری کا تعمیری متعینہ محتاج تکمیل رہ جاتا اور مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچاس سال کے بعد موجودہ سوسائٹی کا رجحان پھر اسی سطح پر آجائے گا۔ جس سطح سے یہ ارتقائی بنیادیں اٹھائی گئی تھیں ۔ ملک کا عام رجحان متحدہ قومیت کی طرف بیش از بیش معلوم ہوتا ہے۔ اور میاں نظیر کی اساس فکر متحدہ قومیت پر ہی تھی ۔

اس ناتمام تجزیئے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لسانیت میں میاں نظیر کی شاعری انہیں شاعرعوام کی صف میں بہت بلند جگہ دیتی ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فطرت نگاری اور مخلوط معاشرت کی ترجمانی میں میاں نظیر اکبرآبادی کے سر پر اولیت کا سہرا باندھا جا چکا ہے۔ نظم مسلسل کی بنیاد میاں نظیر ہی کے ہاتھوں رکھی گئی ہے ۔ اور بھاشا آمیز اردو میں قاآنی کی سی روانی انہیں کی جودت طبع کا حصہ ہے۔

(۲۰) احتشام حسین صاحب رضوی کی ایک کڑی تنقید کے طور پر میاں نظیر کے اوپر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرکزیت ،معیار کی بلندی اور دربار سے وابستگی کی وجہ سے اردو شاعری کا میدان بہت تنگ ہو گیا ہے۔ جو شاعر ان قیود سے کسی طرح بچ سکے۔ وہ البتہ عوام اور عوام کے مسائل سے قریب تر ہے۔ لیکن ایسے شعراء کا نام مثال کے طور پر لکھنے کے لئے بھی نہیں ملتا ۔ اردو شاعری کے دور متقدمین اور دور متوسطین میں لے دے کے میاں نظیر اکبر آبادی کا نام سامنے آتا ہے ۔ ان کا تعلق براہ راست نہ دہلی سے تھا اور نہ لکھنو سے ۔ اردو ادب کی تاریخ میں میاں نظیر کا اپنا ایک الگ دور ہے ۔ وہ کسی دور میں کسی گروہ کے ساتھ شریک نہیں کیے جا سکتے ۔ نظیر کی عمر اکبرآباد میں بسر ہوئی، اگر نکلے تو گردو پیش کے اضلاع متھرا اور بندرابن وغیرہ تک چلے گئے ۔ وہ دلی اور لکھنو دونوں سے اپنی ایک الگ دنیا بنا رہے تھے ۔ اس لیے نہ تو ہم ان کے یہاں وہ معیار شاعری پاتے

ہیں، جو دہلی اور لکھنو میں پایا جاتا ہے۔ نہ زبان کی وہ صفائی نظر آتی ہے۔ جو ان دو مرکزوں کے لئے مخصوص تھی۔ اور نہ کسی دربار سے ان کا تعلق ہی معلوم ہوتا ہے۔ استادی اور شاگردی کا رشتہ بھی بڑا اثر ڈالتا ہے۔ لیکن ہمیں کہیں سے پتا نہیں چلتا کہ دہلی یا لکھنو میں کوئی ان کا استاد رہا ہو۔ یہ چند باتیں میاں نظیر کو دوسرے شعراء سے بہت الگ کرتی ہیں۔

میاں نظیر نے دربار سے علیحدہ رہ کر عوام سے رشتہ جوڑا، ان سے پہلے یا ان کے بعد کوئی ایسا اردو کا شاعر نہیں ملتا کہ جس سے ہم ان کا مقابلہ کریں یا جس میں انہیں رکھیں اسی لئے میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ نظیر کا اپنا ایک علیحدہ دور تھا۔ جو تاریخی حیثیت سے اردو شاعری کے کئی ادوار پر حاوی تھا۔ نظیر کی صحیح تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ ان کا انتقال ۱۸۳۰ء میں ہوا۔ عمر کے متعلق تذکرہ نویسوں اور تاریخ ادب لکھنے والوں کا خیال ہے کہ اسی پچاسی سال سے کم نہیں جیئے۔ اس لئے اگر ہم ان کی تاریخ پیدائش ۱۷۴۰ء یا ۱۷۵۰ء کے درمیان مان لیں تو اس سے کام چل جاتا ہے۔ اردو شاعری کے دور متقدمین کے ابتدائی شعراء کو چھوڑ دیجیے تو بھی عمر کے لحاظ سے نظیر کے ہم عصر کم سے کم بیس مشہور شعرا قرار پاتے ہیں۔ دوسرے درجہ کے بعض صاحبان کمال اور تیسرے درجہ کے شعراء کا ذکر نہیں، جنہیں مورخین نے کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ وہ سب نظیر کے ہم عصر ہیں۔ اس کی پوری اہمیت شاید ناموں سے واضح ہو سکے۔ صرف ان کے نام سنیے جنہوں نے اردو شاعری کے ارتقا میں حصہ لیا ہے۔ حاتم، مضمون، فغان، میر، سودا، سوز، درد، مظہر، تاباں، قایم، یقین، حسرت، رنگین، نصیر، جرات، انشاء، مصحفی، رند، آتش، ناسخ، (سلسلہ کا خیال نہیں کیا گیا ہے) ان میں سے کون نام ایسا ہے، جسے اردو ادب کی خدمت کے سلسلے میں کسی سے نیچے درجہ پر رکھا جا سکتا ہے۔ اور پھر ان میں سے کون ہے جس کی دنیا کی سرحد میاں نظیر کی دنیا سے ملتی ہے۔

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ میاں نظیر دراصل نظم لکھنے والے تھے۔ غزل گو شعراء سے ان کا مقابلہ درست نہیں۔ اس سلسلہ میں شاید یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان ہی میں سے بعض شاعر نظم کے بھی اچھے استاد تھے۔ میر، سودا، حسن، انشا، اور مصحفی نے نظمیں بھی لکھی ہیں، لیکن نظیر کے مقابلہ میں یہ کسی اور دنیا کے بسنے والے معلوم ہوتے ہیں۔ وجہ بالکل ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا تعلق کسی نہ کسی دربار سے تھا۔ اس لئے عوام کے قریب نہ آ سکے۔ ان کی مثنویاں اور دوسری چیزیں زیادہ تر امارات اور اس کے متعلقات یا انفرادی رنج وغم ہجو یا مدح کا تذکرہ کرتی ہیں۔ لیکن میاں نظیر کا کلام پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود عوام میں سے اٹھے اور ان ہی کے دکھ درد، ہنسی، خوشی، افکار و تاثرات میں شریک رہے۔

نظیر کا معیاری مقام

میاں نظیر نے عوام کے جذبات کی ترجمانی کی تو عوام ہی نے میاں نظیر کو زندہ رکھا۔ اردو شاعری کی معیار پرستی نے تو میاں نظیر کو ختم ہی کر دیا تھا۔ اور معمولی لکھے پڑھے لوگوں نے ان کے بنجارہ نامہ، آدمی نامہ اور دوسری نظموں کو یاد نہ رکھا ہوتا۔ ان کے موضوعات ہی کی فہرست ہی پر ایک نظر اس بات کو اچھی طرح واضح کرتی ہے کہ میاں نظیر انسان اور انسانی متعلقات میں سے ان معمولی چیزوں کو نظر انداز نہ کرتے تھے۔ جنہیں بڑے بڑے شعراء نہ دیکھتے تھے اور نہ محسوس کرتے تھے۔ یا اگر محسوس بھی کرتے تھے تو اس پر لکھنا شاعری کے جوہر کو غلط استعمال کرنے کے برابر سمجھتے تھے۔ آٹا، دال، پیسہ، کوڑی، جھونپڑا، تلاش زر، ہولی، مفلسی، روٹیوں کی تعریف، بنجارہ نامہ، آدمی نامہ، اور ایسی ہی دوسری چیزیں ان کا پسندیدہ موضوع تھیں۔ کیونکہ میاں نظیر غریبوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ متھرا اور بندرابن کے تیرتھوں میں جاتے تھے۔ مسلمانوں کے عرس اور ہندوؤں کے میلوں میں شریک ہوتے تھے۔ عید اور شب برات

کے ساتھ ہولی اور دیوالی سے بھی ایک سچے پاکستانی کی طرح لطف اٹھاتے تھے۔

فنی کمال

میاں نظیر کی شاعری میں انسان ایک زندہ متحرک، حساس اور مادی اسباب سے مسرور و دل گیر ہو جانے والی مخلوق کی شکل میں آتا ہے۔ ''آدمی نامہ'' میں انہوں نے مفلس عوام کے زخم پر مرہم لگانے کی کوشش کی ہے۔ جہاں ہر شخص آدمی ہونے کی حیثیت سے ایک ہی کشتی میں سوار نظر آتا ہے۔ انسان کی عظمت کے آگے طبقات کے تفوق اور پستی کا سر جھکتا ہے۔ ہر شخص جو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوا ہے۔ وہ آدمی ہے۔ اور اسی احساس کی تفسیر نظیر کے بہت سے خیالات ہیں۔ مجموعی حیثیت میں نظیر نے آدمی نامہ'' آدمی نامہ'' میں اپنے خالص بیانیہ انداز میں طرح طرح سے یہی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اشراف و کمینہ سے لے کر شاہ و گدا تک ہر شخص آدمی ہے۔ یہ خیال عوام کے دلوں میں نہ جانے کون سی آگ بھڑکا سکتا تھا، لیکن وہ زمانہ طبقاتی اور سیاسی شعور کا نہ تھا۔ نظیر نے اس خیال سے عوام کے دماغ کو بسانا چاہا تھا کہ ان میں بھی خود شناسی کی پیاس پیدا ہو۔ رمال اور نجومی آج بھی جاہل اور نا سمجھ لوگوں کو دھمکا کر اور بہلا کر دوسرے طریقوں سے اپنے فریب میں پھنسا لیتے ہیں۔ اس وقت تو یہ عام بات تھی اور بے چارے عوام بہت جلد ان کا شکار ہو جاتے تھے۔ نظیر نے ان جھوٹے خداؤں کا راز فاش کرنا چاہا تا کہ عوام ان سے بچ سکیں۔

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا بکھانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل، کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت ہزار سیانے

جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عوام کی ہمدردی کا بہترین نظریہ نظیر کے نزدیک یہ تھا کہ وہ ان کے بہت سے بے بنیاد توہمات کو ان کے دل سے نکال کر انہیں بتادیں کہ آدمی ہونے کی حیثیت سے وہ بھی سب کے برابر ہیں۔ اور جذبات و احساسات میں خواص سے مشابہت رکھتے ہیں ۔ مثالوں سے مضمون کی طوالت بڑھتی جائے گی۔ معمولی طور سے کلیات نظیر کا مطالعہ ان خیالات کو اچھی طرح واضح کردے گا۔

جن موضوعات کی جانب آج بھی شعراء پوری طرح متوجہ نہیں ہو سکے۔ انہیں نظیر نے بہت پہلے اپنالیا تھا۔ ''ککڑی اور تل کے لڈو'' اور ''کورے برتن کی تعریف'' اور کوڑی اور مفلسی، آٹے دال کا بیان، پیسہ اور ایسے ہی نہ جانے کتنے موضوعات کا انتخاب ان کے صحیح رجحان کا پتا دیتا ہے۔ اور یہ رجحان رابطہ عوام کے بغیر نہیں بن سکتا تھا۔

زندگی کا ایک روشن پہلو

موضوعات پر ایک نظر ڈالیے تو اور مفلسی، آٹے دال کا بیان، پیسہ اور چپاتیاں، روٹی کی تعریف اور ایسی متعدد نظموں سے ہمارے دل و دماغ پر عجیب اثر پڑتا ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے نظام معاشرت میں ان چیزوں کا بیان صرف اخلاق اور خدا ترسی کے تصور پر مبنی تھا۔ اور نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی ایسے تمدن سے باقاعدہ اختلاف کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اور نہ ہی آج ہمارے شعراء پوری طرح اس صحیح سیاسی اور معاشرتی قوت سے کام لیتے ہیں۔ لیکن نظیر نے عام انسانوں کی صحبت میں رہ کر ایک حساس شاعر کی طرح ان کی زندگی کے تصادمات کو محسوس کیا تھا، وہ اپنے شہر آشوب میں بھی عام لوگوں کی بے کاری اور مفلسی کا رونا روتے ہیں۔ اگر چہ اس میں نہ تو سودا کے انداز بیان کی تلخیاں اور تیزی ہے

اور نہ ہی آج ہمارے شعراء پوری طرح اس صحیح سیاسی اور معاشرتی قوت سے کام لیتے ہیں۔لیکن نظیر نے عام انسانوں کی صحبت میں رہ کر ایک حساس شاعر کی طرح ان کی زندگی کے تصادمات کو محسوس کیا تھا۔وہ اپنے ''شہر آشوب میں'' عام لوگوں کی مفلسی اور بے کاری کا رونا روتے ہیں۔اگر چہ اس میں نہ تو سودا کے انداز بیان کی تلخی اور تیزی ہے اور نہ ہی تمدن پر اتنی سخت تنقید ہے۔لیکن اس بے اطمینانی کا اظہار ضرور ہے۔جو مغلیہ حکومت کے زوال کے زمانہ میں اچھی طرح پیدا ہو چکی تھی۔اور جس کی بنیاد مذہبی نہیں قومی ہے۔مثلاً،

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدراہ
تو نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر وبادشاہ
ساتھ آٹے دال کے ہی حشمت وفوج وسپاہ
جا بجا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں
منشی ومیر ووزیر وبخشی ونواب خان
جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات ہاں
کیا عجب نقشہ پڑا ہے کیا کہیئے یہاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے
حسن کی آن و ادا سب اس کے آگے گرد ہے
عاشقوں کے ابھی اسی کے عشق سے منھ زرد ہے
تا کجا کہیئے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

آج یہ سوال ملک میں برابر اٹھ رہا ہے کہ ایک حسین اور شریف دوشیزہ عصمت فروشی پر کیوں مجبور ہوتی ہے، ایک نیچے طبقے کا آدمی چوری کی طرف کیوں مائل ہوتا ہے؟۔ایک مفلوک الحال بچہ بھیک کیوں مانگتا ہے۔اور جواب کے بے تجزیہ نفس سے لے کر مذہب اور اقتصادیات تک بات جاتی ہے۔تھوڑے سے لوگ جنہوں نے انسانی تمدن کی تاریخ کو انسانی ضروریات اور کشمکش حیات کی صحیح روشنی میں پڑھا ہے۔وہ تو کوئی حکمی جواب دیتے ہیں۔لیکن نظیر نے اس کا وہی جواب دیا ہے جو دنیا کے بہترین ماہر معاشیات دے سکتے ہیں۔اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ نظیر موجودہ دور کے کوئی ترقی یافتہ ڈاکٹر تھے۔مقصد صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اپنے وسیع تجربے کی مدد سے وہی نتائج نکالے جو حکیمانہ اور عالمانہ تجزیہ اسباب کے بعد نکالے جاتے ہیں۔ان کی نظم مفلسی کے بعض حصے ملاحظہ کیجیے۔

مفلس میں ہویں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آکے ملاتی ہے مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر
دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اس کی چاہ
جس طرح کتے لڑتے ہیں ایک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی
جب خوب رو پہ آن کے پڑتا ہے دن سیاہ
پھرتا ہے بوسے دیتا ہر اک کو خواہ مخواہ
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اس کی چاہ

کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مفلسی
چوری پہ لاکے ڈالے ہی مفلس کے دھیان کو
گر حسن ہو ہزار روپے کا تو اس کو آہ
کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مفلسی
چوری پہ لاکے ڈالے ہی مفلس کے دھیان کو
آخر ندان بھیک منگاتی ہے مفلسی

(۲۱) اختر اریئوری صاحب نے نظیر کی شاعری پر ایک مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

شیخ ولی محمد نظیر اکبرآبادی میر تقی میر کا ہم عصر تھا۔ ۱۲۴۶ (۱۸۳۰ء) میں انتقال کیا۔ یہ سلطنت مغلیہ کے زوال کا زمانہ تھا۔ سارے ہندوستان میں اضطراب وابہام کا دوردورہ تھا۔ سماج میں یاس وقنوطیا خودفریبانہ تعیش پایا جاتا تھا۔ یا پھر انفعالی روحانیت ومذہبیت، اس دور کی اردو شاعری پر یہی اثرات کارفرما ہیں۔ لیکن غیر معمولی طور پر نظیر کی شاعری میں زندگی اور زندگی کی امنگوں کی روشنی بھی نظر آتی ہے۔ نظیر کو یہ روشنی عوام الناس یعنی ''پرولیتاریات'' کی صحبت سے ملی تھی۔ خلاقت عامہ زندگی اور مسرت قوت اور امید کا بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ جب تہذیب وتمدن اپنی بدنظمی کی وجہ سے مہلک اور خطرناک ہوجاتا ہے۔ تو زندگی اپنی نشاۃ اوراحیا کے لئے جنتا کی طرف نظر کرتی ہے۔ انسانیت کے مستقبل پر ایمان، عمل وسعی، اعتماد اور ارادہ میں استحکام عوام الناس کے وسیع قلب سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سرچشمہ امید پر کتنی ہی پابندیاں عائد کی جائیں۔ اس بجلی کے خزانے کو کتنا ہی مقید کیا جائے۔ مگر پھر بھی بجلی تڑپ ہی اٹھتی ہے۔ اور امید کی کرنیں پھوٹ ہی پڑتی ہیں۔ نظیر اکبرآبادی نے جنتا کے سورج سے اپنی بدا ماں زندگی شاعری کا دیا جلایا۔ میر، سوز، درد، سودا، وغیرہ بے جا انفرادیت کی بھول بھلیوں میں چکر کھاتے رہے۔ اور نظیر اجتماعی زندگی کے وسیع سبزہ زار میں کلیلیں کرتا پھرا۔ نظیر

کی شاعری کے مطالعہ سے زندگی کے ممکنات پیش نظر ہو جاتے ہیں ۔نظیر کی شاعری اس عہد کی متصفیانہ شاعری کے ریگستان میں ایک شاداب نخلستان ہے ۔نظیر جاگیردارانہ عہد کا شاعر ہے ۔ اس دور میں ادب یا تو دربار میں رقص کرتا تھا ۔ یا پسپاہ و مضمحل انفرادی کے قید خانہ میں کراہتا تھا ۔مگر نظیر ان دونوں باتوں سے محفوظ ہے ۔نظیر نے زندگی کی وسعتوں کا مشاہدہ کیا ہے ۔اجتماعیت کے ساگر میں تیراکی کی اور وہ آزادی کے آکاش کی طرف اڑا۔

نظیر کی ہمہ گیری

نظیر شب برات ،ہولی ،دیوالی ، برسات ،طفلی ، جوانی ،اور بڑھاپا سب سے واقف ہے ۔اور ان کی تصویریں واقعیت کے ساتھ پیش کرتا ہے ۔وہ زندہ رہنے کی مسرت سے آشنا ہے ۔وہ اس بات کا قائل ہے کہ دنیا میں سب کچھ انسان ہی کے لئے ہے ۔وہ ''ریچھ اور گلہری'' سے بھی دل چسپی رکھتا ہے ۔ کیونکہ مظاہر حیات مسرت آفرین ہے ۔ وہ لالہ ، وگل ،نسرین وسمن ، نیلوفر وسوسن ،چنبیلی ، مدھ مالتی ،مولسری وکنول ،موگرا ،کیتکی ،موتیا اور سرسوں کی بہار پر مفتوں ہے ۔کہتا ہے:۔

دنیا نہ کہو اس کو یہ ہے باغ سربستہ
کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

نظیر کا متصفیانہ رخ:۔

''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا''

سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظیر کہتا ہے کہ:۔

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آ کر کام پڑا سب قصے قضیئے پاک ہوئے
اور دکھ پا کے مر گیا ،کوئی سکھ پا کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مر گیا

نظیر کا سب سے رچا ہوا رنگ قلندرانہ لطف اندوزی میں نظر آتا ہے۔ اس کی نظمیں من موجی، "بے خبری کا عالم" "کوڑی نہ رکھ کفن کو" اور ہر حال میں خوش" شاعر کی اصلی شخصیت کو نمایاں کرتی ہے۔ اور یوں تا باہمہ و بے ہمہ کی روح نظیر کی شاعری میں ہر جگہ نظر آتی ہے۔ کہتا ہے:۔

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دل گیری ہے بابا
اور دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال ودھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

پھر کہتا ہے:۔

افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

نظیر "غم روزگار" کا علاج "غم عشق" میں نہیں بلکہ کیف عشق، بہجت عشق میں ڈھونڈتا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہر وقت علاج و معالجہ ہی کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے۔ بلکہ وہ زندگی کی حقیقتوں میں ڈوب ڈوب کر امرت اور بس کے تجربے کرتا ہے۔ زندگی کی مسرت زندگی کے وسیع تجربے میں پنہاں ہے۔ جینے کا احساس سب سے بڑی مسرت ہے۔ نظیر کے یہاں غم حیات کہ تہہ میں غم انجام کی تلخی کا احساس بھی موجود ہے۔ لیکن وہ اس احساس کو من کی موج اور بے خبری و بے خودی کی ترنگ میں بھول جانا چاہتا ہے۔

نظیر بہت بڑا حقیقت نگار ہے۔ وہ زندگی کے ہر رخ کو نمایاں کرتا ہے۔ اور تنقید کی حقیقت نگاری پیش کرتا ہے۔ لیکن کہیں پر بھی وہ انقلابی نہیں ہے۔ وہ جہاد و مقابلہ کی روح سے ناآشنا ہے۔ وہ پرولیتاری تو ہے لیکن "پرولیتاریات" میں جذبۂ عمل پیدا نہیں

کرتا وہ تو یہ کہتا ہے کہ:

مشک تتار و مشک ختن بھی تجھی میں ہے
یاقوت سرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے
نسرین و موتیا ومن بھی تجھی میں ہے
القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

☆☆☆

تنقید نگاری

نظیر کے یہاں تنقیدی حقیقت نگاری کی مثالیں بھی ملتی ہیں "ہائے رے افلاس" "مفلسی" "جوانی اور بڑھاپے کی لڑائی" وغیرہ نظموں میں اس کا رنگ جھلکتا ہے۔

ملاحظہ ہو:

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یار تا فقیر
خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر
کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر
وہ جانے جس کے دل جو جاتی ہے مفلسی

ایک مزاحیہ مگر لطیف تنقیدی حقیقت نگاری کی مثال دیکھئے:

رکھ بوجھ سر پہ گٹھا، اشتر ملا تو ایسا
گھیرا خرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا
مفلس کا زرد چہرہ جو زر ملا تو ایسا
آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

ایک آپ بیتی کی مثال سن لیجئے نظیر معلّمی کر کے پیٹ پالتا تھا۔

جو اہل فضل عالم و فاضل کہلاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
ان کی عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

تجزیاتی نقطے

اگر نظیر کا فطرت کا تجزیہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل عناصر اس میں پائے جائیں گے۔

1 دل کا گداز:

نظیر ایک گداز دل کا مالک تھا۔ وہ انسانی کمزوریوں اور حماقتوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا پھر بھی وہ انسانیت سے محبت رکھتا تھا۔ وہ انسانی شان وشوکت کی فنا کا راز داں تھا۔ وہ زندگی کی بخششوں اور نا انصافیوں سے آشنا تھا۔ نظیر کا دل بہت ہی حساس تھا اور اس کی آنکھیں بیک وقت مسرور و گریاں رہتی تھیں۔ نظیر کی شاعری میں درد و سوز پایا جاتا ہے۔

2 راز زندگی سے واقفیت:

نظیر ایک حقیقت آگاہ شاعر تھا، زندگی اس سے سرگوشیاں کرتی تھی اور وہ مآل حیات کو جانتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ زندگی کا لطف زندگی کو آزادانہ و ہمدردانہ برتنے ہی میں پوشیدہ ہے۔

3 رواداری:

نظیر کے مال کا گداز اور اس کی حقیقت آگاہی اسے رواداری اور محبت سکھاتی تھی۔ اس کی رواداری اتنی وسیع تھی کہ وہ انسانی غلطیوں سے بھی مسکراتا ہوا چشم پوشی کر لیتا تھا۔

4 نظیر کی ہمدردیاں

بہت وسیع تھیں۔غریب، امیر، زاہد و رند، تاجر و حاکم، بوڑھے بچے، عورت مرد، انسان حیوان، ہندو مسلمان سبھی اس کے دل میں جگہ رکھتے تھے اس نے اپنی وسیع ہمدردیوں کو اپنے آرٹ میں کامیابی کے ساتھ منعکس بھی کیا ہے۔

5 خندہ پیشانی اور صبر،

عارف شاعر، غم روزگار کو ہنسی خوشی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔وہ المناک " انجام" حیات کو سمجھتے ہوئے بھی "دنیا کے چمن" سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ جیون کی اونچ نیچ اور فنا و بقا کو جانتے ہوئے بھی کہتا ہے کہ:

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں
ہر کام میں ہر دام میں ہر حال میں خوش ہیں

6 ظرافت و مزاح لطیف:

نظیر کی طبیعت میں ظرافت کا مادہ بہت نمایاں تھا۔اس ظرافت کا اثر اس کے فن میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔وہ ظریف و صاحب مزاح ہے لیکن مضحک اور مسخرہ نہیں، نظیر کے فن میں عریانی حد سے زیادہ واقعیت پسندی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔اس کا مقصد بھانڈ پن یا پھکڑ پن نہیں۔مثلاً "بچپن" کی نظم میں کہتے ہیں:

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے
آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے

یاں یوں بھی واہ وا ہے اور دوں بھی واہ وا ہے



درداور مزاح کی ہم آہنگی ملاحظہ ہو:

دریا کے تماشے کو اگر جاویں تو یارو
کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بدخو
کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو
سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا

نظیر کی ظرافت کی ایک نوع ہمدردانہ طنز بھی ہے مثلاً "ہائے رے افلاس" اور "دنیا بھی کیا تماشا ہے" اس کی مثالیں بہ کثرت ملیں گی۔

نظیر کی ظرافت تنقید سے زیادہ محض انکشاف حقیقت سے پیدا ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"امیر فقیر، اچھے برے آدمی ہی ہیں" شاعر کہتا ہے:

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

7 نظیر میں تخیل اور تجربہ بہت کافی نظر آتا ہے۔



ڈرامہ نگاری کے نمونے

نظیر کے اس فن کے مطالعہ سے ایک اور اہم صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔اس کے اندر ایک کامیاب ڈرامہ نویس کی خوبیاں بھی موجود ہیں زندگی کی وسیع واقفیت اور دوسری مذکورۂ بالا خصوصیات کے علاوہ نظیر میں مندرجہ ذیل باتیں ایسی ہیں جو ایک ہوشمندانہ ڈرامہ نگار میں پائی جاتی ہیں۔

نظیر نے زندگی کا مطالعہ خصہ مختلف زاویوں سے کیا ہے۔مشاہدہ حیات کے وقت اس پر اکثر غیر جانبداری اور بے خودی کا عالم طاری رہتا ہے۔نظیر مختلف طبائع اور نوع بہ نوع ادوار و کیفیات حیات کو پیش کرتا ہے ہستی کا مرقع دیکھنا ہو تو ''طفلی''، ''بچپن''، ''بڑھاپا''''جوانی''''فقراء کی شان''''من موجی'' ''بے خبری کا عالم''''کوڑی نہ رکھ کفن کو'''' پیسہ ہی سب کچھ کرتا ہے''''ہر حال میں خوش''''مفلسی''''ہائے رے افلاس''وغیرہ نظمیں ملاحظہ فرمائیں۔ان نظموں میں کردار نگاری کی بہت سی خام و پختہ مثالیں آپ کو ملیں گی۔اگر نظیر ڈرامہ لکھتا تو اسی مواد سے بہت سے مشخص کردار پیدا کر لیتا۔

ڈرامہ نگار کے لئے اشیاء کی وسیع واقفیت بھی ضروری بات ہے۔نظیر بھی دنیا بھر کی چیزوں اور ان کی قسموں سے واقف ہے۔جانوروں، پرندوں، پھلوں، پھولوں، کھیل تماشہ کی چیزوں، سواریوں کی قسموں، لوازم خانہ داری، بازار کے سامان، رشتہ داریوں، متوسلین کی قسموں، لوازم خانہ داری، بازار کے سامان، رشتہ داریوں، متوسلین کی قسموں، پیشہ وروں وغیرہ سے نظیر کی واقفیت حیرت انگیز ہے۔اس لحاظ سے وہ شیکسپیئر کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے۔

نظیر کی شاعری کی موسیقیت سے ہم آغوش ہے اس کے یہاں داخلی اور خارجی دونوں قسم کی موسیقی پائی جاتی ہے۔وہ مترنم بحور استعمال کرتا ہے اور بے ساختگی کے

ذریعہ روانی پیدا کرتا ہے۔ اسے الفاظ اور جملوں کے استعمال کا ایک خاص سلیقہ ہے۔ اس کے علاوہ نظیر کی شاعری میں ایک داخلی شیریں گداز اور ایک پر کیف اندرونی ترنم پایا جاتا ہے۔ اس کی شاعری زندگی کے زیر و بم پر رقص کرتی معلوم ہوتی ہے۔ ہر چند کہ نظیر سادہ اور عام فہم زبان کے استعمال کے ساتھ ساتھ قواعدو املا کی غلطی بھی کرتا ہے اور برجستگی وصفائی کے باوجود فن عروض کے برتنے میں خامیوں کی مثالیں بھی پیش کرتا ہے تاہم اس کی بنیادی موسیقیت و ترنم میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی۔

الغرض نظیر کی شاعری بہت ہی بلند مقام رکھتی ہے اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ زندگی کی تہوں میں اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے ہے۔

مذکورۂ بالا افراد کے علاوہ علامہ شبلی مرحوم، حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی مرحوم، مولانا جالب دہلوی مرحوم، پروفیسر الیاس برنی، ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ مرحوم، حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری مصنف تجر الفصاحت، مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم، مولانا حسرت موہانی (جو ابھی کل 14 مئی 1951ء کی دوپہر تک اس دنیا میں تشریف فرما تھے اور شام کو بعد مغرب سپرد خاک ہو کر علی علیین میں طیور جنت کے ساتھ غزلخوانی کرنے کے لئے ہم سے رخصت ہوئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون) رام بابو سکسینہ کلکٹر مولف تاریخ ادب اردو مولوی لطیف الدین احمد صاحب، مجنوں گورکھپوری صاحب وغیرہ ہم نظیر کے متعلق وقتاً فوقتاً بہت ہی وزنی اور گرانقدر خیالات کے ساتھ اس کے کلام پر حسن قبول کا مارکہ لگائے جانے کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں۔



نظیر کی قلمی خدمات

تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق اللسان ہیں کہ نظیر نے بہت کافی عمر پائی، دماغ کی قوت ومضبوطی، نظر کی تیزی و دوررسی اور جذبات وخیالات کی وسعت و فراوانی میں وہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، ساری عمر درس وتدریس، شعر وشاعری اور لکھنے پڑھنے ہی میں صرف ہوئی چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ان کا صرف کلام منظوم ہی کسی طرح اکٹھا ہو جائے تو دو لاکھ اشعار سے کم نہ نکلیں گے مگر باوجود اس قدر کثرت شعر گوئی کے آج ان کے کلام کا سب سے بڑا ذخیرہ جس کے متعلق فخر کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تیج کمار بکڈپو لکھنو کے اس مجموعے سے جو آپ کے ہاتھ میں ہے صرف پندرہ سولہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے زائد نہیں ہے۔ اس کثرت کے مقابلے میں اس قلت کی سب سے بڑی وجہ تو خود نظیر کی لاپروائی اور وارفتہ مزاجی تھی یعنی خود انہوں نے کبھی اپنے کلام اور تصنیفات نظم و نثر کو جمع اور محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کی، نہ معلوم کتنی چیزیں ضائع ہو گئیں، نہ معلوم کتنی دوسروں کو بانٹ دیں اور نہ معلوم کتنی ایسی چیزیں آج بھی متفرق طور سے لوگوں کے کتب خانوں اور سینوں، سفینوں میں محفوظ ہوں گی جسے لوگ بروقت حاصل کر کے اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے۔

مشہور فرانسیسی محقق گارساں دی تاسی کا بیان ہے کہ نظیر کا سب سے پہلا دیوان 1820ء میں لیتھو کے ذریعہ سے ناگری حروف میں شائع ہوا تھا، اس کے بعد فارسی خط میں دوسرا ایک مجموعہ اور شائع ہوا جسے خود نظیر نے مرتب کیا تھا، اس پر ان کی قلمی تصویر بھی چسپیدہ تھی اس کے علاوہ دیوان کے اندر نظموں سے متعلق ہندوؤں کے اوتاروں کی بھی متعدد تصویریں شامل تھیں۔ شہباز صاحب نے ''زندگانی بے نظیر'' میں لکھا ہے کہ میں نے انہیں بہت تلاش کیا، ان کے عزیزوں اور ورثا وغیرہ سے بھی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کسی طرح کامیابی نہ ہوئی، مرزا فرحت اللہ بیگ چغتائی کو

اتفاقاً یہ دونوں مجموعے آغا حیدر حسن دہلوی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد کے یہاں مل گئے جو انہیں ان کے نانا عبدالرحمٰن خاں احسان دہلوی کے کتب خانہ سے 1857ء کی دست و برد کے بعد بچ بچا کر ہاتھ لگ گئے تھے۔

مرزا صاحب نے نظیر کا جو مجموعہ کلام شائع کیا ہے اس میں زیادہ تر اسی دیوان کے اشعار ہیں، مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ یہ دونوں دیوان کشمیری کاغذ پر چھپے ہوئے ہیں اور قیاس ظاہر کیا ہے کہ اسے نظیر کے کسی ہندو شاگرد نے جمع کیا ہوگا اور وہ غالباً مہاراجہ بلونت سنگھ راجہ ہوں گے۔

ان دونوں مجموعوں کے علاوہ سات ہزار اشعار پر مشتمل ایک اور کلیات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو نظیر کے نہایت محبوب و مخلص شاگرد بلاس رائے کے لڑکوں کے اہتمام سے شائع ہوا تھا مگر یہ بھی مکمل نہیں تھا بلکہ یہ لڑکے اپنی تعلیم کے زمانے میں استاد کا رطب و یابس کلام جو کچھ مل جاتا تھا کہیں لکھ لیا کرتے تھے اسی کو مطبع الٰہی کمبوہ دروازہ میرٹھ نے شائع کر دیا، نظیر کے قریبی عزیز مرزا نوازش علی کا بیان ہے کہ ان سب کے ماسوا نظیر کا ایک اور دیوان ردیف وار مرتب تھا، قطب الدین خاں باطن (شاگرد نظیر مولف گلستاں بے خزاں) نے جو اشعار اپنی کتاب میں درج کئے ہیں ان سے بھی کچھ اس کے اوپر روشنی پڑتی ہے۔

راجہ بلاس کے لڑکوں کا شائع کیا ہوا یہی دیوان 1882ء میں مطبع احمدی چار سو دروازہ میرٹھ میں شائع ہوا پھر اس کو اور مطبع الٰہی والے ایڈیشن کو سامنے رکھ کر فحش اور متبذل کلام کا ذخیرہ خارج کر کے مطبع نولکشور نے شائع کیا اس زمانے میں کلام نظیر پر نولکشور کا یہی ایڈیشن آخری اور مجموعی ذخیرہ کلام خیال کیا جاتا تھا۔ پھر مولوی عبدالغفور صاحب شہباز کو ادھر توجہ ہوئی اور انہوں نے بڑی تلاش و تحقیق کے بعد ایک سوانح عمری مع نمونہ کلام کے اور ایک کلیات مرتب کر کے شائع کی، ان دونوں کتابوں کی نشر و اشاعت بھی مطبع نولکشور ہی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچی اور مرزا فرحت اللہ بیگ اور

مخمور صاحب اکبرآبادی کے بعد آج پھر یہ ساڑھے نو سو صفحات سے متجاوز اور شاندار و عظیم ترین ذخیرہ منشی نولکشور کے پرپوتے کنور تیج کمار صاحب کی سعی و کوشش سے ملک وقوم کے سامنے پیش ہو رہا ہے۔

معرفین نظیر کا کہنا ہے کہ نظیر کے تین مکمل دیوان اور تھے دو اردو میں اور ایک فارسی میں اور تصنیفات نثر کے بارے میں باطن صاحب نے تشریح کی ہے کہ۔

''جس وقت مزاج حالی تحریر نثر پر ملتفت ہوا مضمون انشا بائے نزمی گزین قدر متین، فہم قرین، بزم عیش، رعنا زیبا، حسن بازار، طرز تقریر وغیرہ نو عدد مثال نورتن زیب بازوئے شاہد مدعا ہو کر دست بستہ آن پہنچا۔''

ان میں سے پانچ عدد قلمی تصنیفات شہباز صاحب کی نظر سے گذر چکی ہیں اور ان کے جستہ جستہ کچھ ٹکڑے بھی اپنی تالیف میں انہوں نے شریک اشاعت کئے ہیں، مگر ان تمام تصریحات و حقائق کے بعد لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا ہے کہ وہ معمولی تعلیم اور محض مکتبی زندگی کے آدمی تھے اس کی وجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ بیان کی جائے یہ تسلیم کئے بغیر رہا بھی نہیں جا سکتا کہ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری خود نظیر کے اوپر اور نظیر کے اب ان کے شاگردوں اور خاندانی ورثاء کے اوپر عائد ہوتی ہے ورنہ جیسا ان کے بعض کلام اور مخالف تذکرہ نگاروں نے مشہور کر رکھا ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، اس کا ثبوت سطور ماسبق میں ملاحظہ فرمایئے۔

فارسی تصنیفات میں سے ایک تصنیف کا نام ''طرز تقریر'' ہے۔ اس میں انہوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ معشوقوں سے چھیڑ چھاڑ کیونکر کی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں کہیں کہیں ضلع جگت سے بھی کام لیا ہے ہر چند ان کی یہ تصنیف فارسی کی کوئی سنجیدہ تصنیف نہیں ہے، لیکن یہ اس وقت کا رنگ تھا ورنہ اب تو فارسی میں اس قسم کا لٹریچر بکثرت پایا جاتا ہے۔

طرز تقریر میں تقریباً دو سو علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہیں، جن میں سے اکثر ''نازنینے راو یدم'' یا اس کے ہم معنی فقرہ سے شروع ہوتے ہیں اور پھر اس نازنین سے ان کی بات چیت شروع ہوتی ہے، جس میں کبھی یہ معشوق کو بناتے ہیں اور کبھی وہ انہیں بناتا ہے اور آخر میں نظیر ایک شعر پڑھ کر اس صحبت کو ختم کر دیتے ہیں مثلاً۔

ایک بار کسی نازنین کے پاس گئے اس نے پوچھا ''چہ کسی'' (تو کون ہے) انہوں نے کہا ''پروانہ شمع رویاں'' اس نے کہا ''مانع پر افشانی'' کہا ''اجازت؟'' اس نے جواب دیا ''پروانہ پروانگی نخواہد'' اور انہوں نے یہ شعر پڑھ کر اپنی ہار مان لی:

گفتم کہ درست گفتی اے شمع
پروانہ خام بایدم گفت

ایک اور واقعہ انہیں کی زبان سے سنئے:

''بروئے نازنینے شرگیں نگاہ، نگاہ کردم، عرق بہ رخش پدید آمد، گفتم، گو بر بحر شرم؟'' گفت ''کرم نگاہ گرم''

گفتم اے نازنین شرم آگیں
حسن را شرم خوبی دگرست

یہ کتاب اسی طرح کے سوال و جواب سے بھری ہوئی ہے اور اکثر جگہ صرف ایک ایک لفظ سے مدعا ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو:

''پیش محبوبے رفتم، دیدم کہ انجیر نہادہ است و زلف گرہگیر کشادہ، بہ قدر تفاوت نشستم، گفت ''اگر دلپذیر چندے ازیں بگیر دانستم عزم تسخیر، گفتم ''کجا ایں توقیر، اگر لطف ست ہمیں جا عنایت تاثیر، گفت'' این چہ تقریر'' گفتم ''از دو انجیر و نزد یک زنجیر، ترک انجیر از بیم زنجیر خوش تدبیر'' گفت ''چساں؟'' گفتم

صید رم دارد و صیاد فسوں می خواہد

ہر کسے مصلحت خویش نکوی داند

اس سلسلے میں انہوں نے اپنی پیرانہ سالی کو سامنے رکھ کر بھی بعض نمونے ''طرز تقریر'' کے پیش کئے ہیں اور کافی ''پیر افشانی'' کا ثبوت دیتا ہے، چنانچہ ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

''نازنینے نسیرن بدن، حمایل من در گلویم انداخت، گفتم ''ریش من نسترن ست نجات آرد'' گفت 'ہمر نگ ضر رند ارد

این سخن چوں بت سمنبر گفت
شد دل من سمن سمن

اب دو چار مثالیں ضلع جگت کی بھی سن لیجئے:

برائے شوخے ظرافت شعار حمایل گل بردم، گفت ہندی ایں؟ گفتم ہار گفت زنہار از اصطلاح قمار



نزد نازنینے سیمیں ذقن رفتم و گفتم سیب خوش رسیدہ است گفت بیار گفتم اگر دستم بہ سیب رسد گفت بے آسیب نخواہد رسید

اس کتاب میں جتنے واقعات درج ہیں وہ سب فرضی ہیں چنانچہ مصنف نے خوف کتاب کے اخیر میں لکھا ہے کہ

''نظیر حقیر، نثر مسرت مشحون و نظم مناسب مضمون بہ لطف ہمنشینی و ہمراہی نازنیناں تحریر نمودہ و خاطر خود را فرحت و انبساط بر افزودہ''

قدر متین میاں نظیر کے فارسی خطوط کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر انشاء کی حیثیت سے لکھے گئے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض ان کے وہ خطوط بھی ہوں جو واقعی انہوں نے اپنے احباب کو لکھے تھے۔

یہ کتاب بہ لحاظ انشاء و مطالب ''طرز تقریر'' سے بہتر ہے اور اس کا انداز تحریر بھی اس سے بالکل مختلف ہے اس میں مختصر نویسی یا اشارات سے کام نہیں لیا گیا بلکہ پورے جملے لکھ کر تسلسل کو قائم رکھا گیا ہے اور اس میں اشعار بھی اچھے نظر آتے ہیں بعض منظوم خطوط ہیں اور فارسی کی چند غزلیں اور رباعیاں بھی ہیں نظیر کی فارسی دانی کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

اس مجموعہ میں 134 رقعات ہیں اور ان میں سے شاید چند وہ رقعات جو پھلوں وغیرہ کی رسید میں لکھے گئے ہیں اصلی ہوں تو ہوں ورنہ سب انشائی حیثیت رکھتے ہیں

''تخم گل مہندی'' کی رسید میں لکھتے ہیں:

قدرداں، قدر فزا، از گل الطاف تو ہست
رونق رنگ حنا در کف دست چمنم

بلطف تخم گل مہندی ندرت نگار، ہمرنگ خیال رنگین ادایان گلبن تمنا تازہ گردید، شگفانی آن بتا بے کہ نا کاشتہ ہجوم شاخ و برگ و جوش غنچہ و گل پیش نگاہ جلوہ نما۔ دوست بہار حنا بستہ گلزمین خیاباں رابنت بر فرق نہاد تشریف گل کار سید ہد، گلشن خاطر شگفتہ باد!

کسی اور صاحب کو آئینہ کی رسید میں شکریہ کا خط لکھتے ہیں!

خوشدلی ز آئینہ شد ایں مخلص دیرینہ را
ہمچناں کز عکس روئے مہ رخاں آئینہ را

از توجہ آئینہ خوشنما خورسندی رو نمود و خیال چندیں انشراح جرأت خاطر افزود حاب را بوجود آں شہرت و پرداز نمود ش مفاخرت

ایک منظوم رقعہ ملاحظہ ہو جس میں غالباً انہوں نے تیرا کی کا میلہ دیکھنے کے لئے رتھ طلب کی ہے:

محیط بخشش و بذل استقامت
ملا ذومنبع احساں سلامت
چوں شوق صحبت رنگیں نگارم
بہانا موج دریا درشمارم
مگر بعداز سلام الفت آرا
بنوک خامہ آرم مدعارا
کہ امروز از برائے سیر دریا
جہانے حاضر و حلقے ست یکجا
نظر تامیر سد یکسر بہارست
چمن بر ساحل دریا نثارست
زغسل مرومان و بازی آب
بہر سو شوخی گرداب بیتاب
زعکس گلعذاواں آپ دریا
برنگ نہر گلشن در نظر ہا
بہ ساحل بسکہ مہ رویاں عیاں اند
شکار دام الفت ماہیان اند
بفرحت قطرہ زن ہر موج آب ست
مئے مقصود در جارم حباب ست
بہار حسن و آب بحر در جوش
ہم پہلو بہ پہلو دوش بر دوش
چو بر دریا چنیں رنگیں بہارست
دلم از بہرآں بس بیقرار ست

دریں صورت نظر بہ بے قراری
عطا ساز ندرتھ بہر سواری
چوزاں مجمع ہمہ شاوند امروز
کنم من ہم دل خود عشرت اندوز
کہ باشد دیدن عالم غنیمت
اگر یک لحظہ باشد دم غنیمت
نظیر اکنوں ندارد غیر ازیں یاد
کہ باشد خانہ الطاف آباد



اس رقعہکے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی الفاظ کا صحیح صرف کر سکتے تھے اور منظری نگاری کے لئے وہ اچھے الفاظ اور اچھی ترکیبیں استعمال کرنے سے عاری نہ تھے۔

چند رقعات میں رباعیاں بھی نظر آتی ہیں، لیکن ان میں سے بعض میں یہ جدت کی گئی ہے کہ چوتھا مصرعہ ایک ہی رکھا اور اس طرح ان کو ایک مسلسل نظم بنادیا ہے مثلاً

دل بردز من چوناز نبے زیبا
پر حیلہ و پر فریب و پر ناز و ادا
گفتم کہ دلم دو بہ تبسم فرمود
البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا



چوں روز دگر بہ آں بت عشوہ نما
گفتم کہ نشد وعدۂ دیر و زوفا
بشنید و بخندید و بفرمود، امروز!
البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا



اس کے بعد نظیر پھر گئے، کئی بار گئے اور ہمیشہ یہی جواب ملا کہ
''البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا''
یہاں تک کہ ساتویں رباعی میں یہ صورت پیدا ہو گئی کہ
ناچار زروئے عجز گفتم اورا
آں ''لحظہ'' بفرما کہ چہ باشد، گفتا
چنداں نظیر خواہم بتو، گفت
البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا



ایک رقعہ میں مستزاد رباعی بھی پائی جاتی ہے:
ظاہرز سرائے تو باصد تزئین
اے باغ جمال
ریحان و گل و نرگس و سرو و نسرین
رنگیں تمثال
اسرار چمن در چمن از فہم تو اے یاد

بکشاید ویر

یک لحظہ دریں باغ بیاد بنشیں

واکن فی الحال

اسی طرح ''حسن بازار'' ہے جو بالکل ''مینا بازار'' کے انداز پر لکھی گئی ہے، جس میں اکبرآباد کے بعض دکانداروں کی صفت بیان کی گئی ہے اور ہر اس مبالغہ سے کام لیا گیا ہے جس سے اس نوع کے انشاء میں متقدمین کام لیا کرتے تھے۔ عبارت کی رنگینی، تعبیرات کی ندرت، تشبیہات کی جدت، رعایت الفاظ وغیرہ سب وہی ہے اور اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ نظیر نے کم لکھا ہے اور دوسروں نے زیادہ، یا یہ کہ نظیر کے یہاں صرف تفنن ہے اور دوسروں کے یہاں اصل مقصود۔

گلفروشوں کا حال بیان کرتے ہیں:

''نشستن گلفروش در دوکان بر خسار گلگوں ولب خنداں ونزاکت، ہر تار پیرہن رگ نسریں نشان از رنگینی دوکان چمن در بازار جلوہ گردو گلشن پیش نظر تحریک ساعد سمن رنگ متحرک دست ساقی بہ ساغر مل و تمثیل بہتر ازیں جنبش شاخ گل بہ مس باد مل۔۔۔۔۔''

یہ رسالہ بہت مختصر ہے، لیکن اس میں ان کی فارسی دانی پر کافی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم عربی فارسی کی بہت اچھی ہوئی تھی۔

اردو انشاء میں بھی لکھی جس کا نام فہم قرین ہے۔ یہ دستور الصبیاں کی وضع کی مختصر سی کتاب ہے اور اس میں مبتدیوں کے لیے آسان اور عام فہم عبارت عبارت میں رقعات لکھے گئے ہیں۔ صرف ایک رقعہ کی عبارت میں کسی قدر رنگینی نظر آتی ہے۔ یہ رقعے مرشد، باپ، چچا، خالو، ماموں، پھوپھا، بھائی اور ماں کے نام ہیں۔ ان کا مقصود، مبتدی طالب علموں کو خط و کتابت سکھانا ہے، ان میں عام القاب، آداب، خط کے شروع کرنے اور ختم کرنے کے اس زمانہ کے مروج طریقے درج ہیں۔ ان کے

مضامین میں روزمرہ کام آنے والی چیزیں مثلاً تقاضائے خرچ ارسال زر، طلب خیریت، تلاش روزگار، معذرت وغیرہ شامل ہیں۔

نثر فارسی میں بقول باطن انہوں نے نو نثریں لکھی تھیں لیکن پروفیسر شہباز کو صرف پانچ کی زیارت ہوئی۔ ان میں سب سے بہتر بزم عیش ہے، جس میں انہوں نے آگرہ کے میلوں کو خوب تفصیل سے لکھا ہے ان میلوں کا حال تفصیل کے ساتھ ان کے منظوم کلام میں بھی ہے۔ یہ نثریں چھپی نہیں ان کے قلمی نسخے شہباز صاحب کی نگاہ سے گذرے تھے ان کے دیکھے ہوئے ایک نسخہ کے بارے میں ان سے یہ بتایا گیا کہ یہ خود میاں نظیر نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، لیکن پروفیسر شہباز اس کو اس بنا پر صحیح تسلیم نہیں کرتے کہ کتاب میں ایسی فاش غلطیاں موجود ہیں جو مصنف کے قلم سے سرزد نہیں ہو سکتیں۔

پروفیسر شہباز کا حسن عقیدت بجا و درست لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ نظیر کے یہاں اس قسم کی غلطیاں تو اکثر پائی جاتی ہیں اور لطف یہ ہے کہ برسوں سے ناقدین و مبصرین سب ان کو اسی طرح غلط لکھتے اور پڑھتے ہی چلے آرہے ہیں، کوئی اصلاح یا حذف کی طرف توجہ نہیں کرتے مثلاً عربی کا حسب ذیل شعر جو کلیات ہذا کے ص 233 پر مرقوم ہے۔

قداح وجھک عشی شرقا و موع نھرا ومن فراقک
کثیر حزن نامع الھموم ثقیل ھجرا وکالجبالا

بہر حال طرز تقریر میں پہلوں کے اوپر کافی اظہار خیال کیا گیا ہے شریفے کے اوپر لکھتے ہیں:

"شوخ لطیفہ پرداز شریفہ طلبید، چوں پیش رسید، گفتم شریف تر گردید، گفت دلت بکفایت دوید، گفتم جائے کہ بہتر و زودتر رسد مشرف باید گردید، وحصول دوفرحت باید گردانید، یکے شریفہ و دیگر لطیفہ

عنایت کرد گفت دلت خوش گردید، گفتم وقتے کہ از دست ناز خواہد رسید''

چوں زدست ناز ہم آمد بدست
گفتم اکنون خاطر من شاد شد

جامن کے اوپر لکھتے ہیں:

''نزد نازنینے رفتم و گفتم جامن خوب تر آمدہ است''

گویم بے تکلف طرفہ جامن
تواں کردن بیانش تا کجا من

گفت بر دامن خوش دارم رفتم و زود آوردم قدرے بمن داد و گفت دیگر، گفتم ہمیں ایں جامن چوں خود تناول ساخت دو سہ تخمش بر من انداخت، خوش وقت شدم و گفتم

ایں جامن ہمینم آرزو بود
ز لطف نازنیں خوباں برآمد

آم کے اوپر تحریر ہوتا ہے:

''دراصل انبہ کہ پسند خاطر خاص و عام ہست و شہد و شکر بے قدرے الیتام پیش نازنینے رفتم گفتم انبہ ذائقہ فریب دیدہ آمدہ ام، گفت چہ انبا وردی گفتم اکنوں چہ درنگ، مگر رنج انامل نزاکت شامل نہ شود، تبسم کرد و گفت خوب، رفتم و زود آوردم، گفت چہ قسم است، گفتم ہمہ بہ ترشی ورشت، گفت اگر برآید، گفتم یک مشت ہر رخ سرخ روئی پسند و سرسبزی نگاہ نیازمند، و رزدہم ایں کہ بخورند و روے گرفتم رز دنہ کند، بہنگام تناول ہماں قسم، گفت ہر چہ ازیں خوش آید باید گرفت، شیرہ گرفتہ گرفتم، گفت چرا گفتم باطاعت، حکم ہمیں خوش آمد بخندید، زیادہ مسرور شدم و گفتم''

لذت انبہ خوردن ایں طور
پیش من بہ ازیں نمی باشد

کہا جاتا ہے کہ نظیر ایک درجن سے زائد زبانوں کا عالم تھا اور جتنی زبانیں وہ جانتا تھا تقریباً سب میں کچھ نہ کچھ اپنے جذبات بھی نظم کر دیتا تھا مثلاً ذیل کی ایک غزل ملاحظہ فرمایئے اور سوچیے کہ اس میں اس نے کتنی زبانیں استعمال کی ہیں:

وہ زلفیں اس کی سیاہ پرخم کہ ان کے بل اور شکن کو یارو
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا
ادائیں بانکی عجب طرح کی وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھویں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
پری رخ من، شکر لب من دمے تو باز آبہ پیش چشم
بیاد سرو تو بیقرارم، نہال عشقت شدہ است بالا
تساوے ملن توں دل ہے بے کل ایہی اوہ کلاں نت آکھدا ہے
سدا لے میتوں دے اپنے گروچ نہیں تو اتھے اسا دے مال آ
تہاری آسا لگی ہے تس دن، تہارے درشن کو ترسیں نیناں
دلارے سندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
چھن کہ من کو جو چھنوں تھی اے کار کائیں لگائی اتی
پھر ابھین آ کر کبھر لو مہان کی پلک کنارا جو تہان نے گالا
اگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تیرے اے من موہنواں
تورے جو نیناں نے موہا مہکونہ جینوں تنکو بھجواو کہالا
جگت سبھا، امت برہمکھ، اٹک کھسوا، ممس کرن کہا
دوانی کینی تمن سریجن، نہ سدھ کی گریہ نہ بدھ کی جھالا
وہ جامہ زیبی وہ دل فریبی وہ سج دھج اس کی، وہ قد زیبا

کہ دیکھ جس پہ فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا

بہت یہ میں نے چاہا پوچھوں میں نام اس کا و لے وہ گلرو

نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا

کبھی تو ہنس کر شتاب آ جا نظیر کی بھی طرف تک اے جاں

بنا کے کج دھج، پھرا کے دامن لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں بھی اس کے کلام سے پیش کی جاسکتی ہیں

جناب مخمور اکبر آبادی صاحب نے روح نظیر کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ 1946ء میں لکھا ہے کہ:

ضیائے عباسی ہاشمی ضیائی بدایونی والا نسخہ، جس سے خود احب روح نظیر نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، بہت سی ایسی غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے جو کہیں اور نہیں ملتیں

-

اس کے علاوہ مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج آگرہ) نے کلام نظیر کا جو ذخیرہ مرتب کیا ہے اس میں اس کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام شامل ہے۔

اسی طرح منشی درگاہ پرشاد مہر ایڈووکیٹ و رئیس پنی گلی آگرہ کے پاس بھی نظیر کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پنڈت کیلاش ناتھ کنزرو وکیل سرکار رئیس اکبر آباد کے قبضہ میں بھی بہت سا غیر مطبوعہ کلام نظیر تھا جن کا بڑا حصہ پورے دیوان حافظ کی تضمینوں پر مشتمل تھا۔

اسی طرح سہارن پور کے ایک ایڈووکیٹ بابو رام گوپال کے پاس بھی کچھ غیر مطبوعہ کلام محفوظ بتایا جاتا ہے، یہ اسی کھتری خاندان سے ہیں جہاں میاں نظیر پڑھانے جایا کرتے تھے۔

اور مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج آگرہ) کے قول کے مطابق بندرابن کے کسی

حلوائی یا کنجڑے کے پاس نظیر کا اچھا خاصہ غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

اور ان سب کے ماسوا نظیر کی جانب منسوب بہت سا کلام لوگوں کو زبانی یاد ہے، جو قید تحریر سے آزاد اور سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، کلام نظیر کے ان حافظوں میں پھیری کرنے والے گداگر، قلندر، خوانچہ والے "چنا جور گرم" بیچنے والے وغیرہ شامل ہیں۔

☆☆☆



نظیر کا مسلک و مذہب

مختصراً نظیر کے مذہب کے متعلق اوپر کچھ لکھا جا چکا ہے اب یہاں ذرا اور تفصیل کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے۔

نظیر مذہباً شیعہ تھے شہباز صاحب نے ان کی نواسی کے حوالے سے اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے یہی لکھا ہے اس کے علاوہ ان کے کلام کے تتبع سے بھی یہی نظر آتا ہے، حضرت علیؑ کے معجزات ومنقبت والے اشعار اس دعوے کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن بظاہر ان کے کلام میں مذہبی تنگ نظری اور تعصب کم نظر آتا ہے۔ وہ صوفی منش اور وحدت الوجود کے قائل تھے۔ بزرگان دین سے گہری عقیدت رکھتے تھے، سنی بزرگ مثلاً شیخ سلیم چشتیؒ وغیرہ کی شان میں ان کا کلام ان کے حسن عقیدت کا مظہر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مذہب والا ان کو اپنے میں شامل کہتا تھا ان کی وفات پر سنیوں اور شیعوں دونوں نے اپنے اپنے طریقے پر نماز جنازہ ادا کی، اور جنازے کی چادر ان کے ہندو شاگرد تبرکاً لے گئے۔ شاگردوں ہی نے ان کی قبر پختہ بنوائی۔ ہندو شاگردوں نے سوئم کے دن قبر پر میلہ کیا اس سلسلہ میں غلام رسول کی مسجد میں قرآن خوانی بھی ہوئی۔ قبر اب بھی موجود ہے۔ مگر لوح مزار غائب ہو چکی ہے۔ انتقال کی تاریخ اس مصرع سے نکلتی ہے۔

مخمس بے سروپا، بیت بے دل، فرد بے مرشد

نظیر کی عادات واخلاق کی سب ہی نے تعریف وتوصیف کی ہے۔ ان کے کلام کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو شائد ان کی جوانی کا کلام ہے، اور جس میں شوخی ورندی زیادہ نمایاں ہے، باقی کلام سے ان کے بہترین اخلاق پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ وہ طبعاً آزاد اور وارستہ تھے، تمام عمر نہ کسی کی مدح سرائی کی نہ ہجو سے اپنی زبان وقلم کو گندہ کیا۔ ہر شخص سے بکشادہ پیشانی ملتے۔ خلاف مزاج باتوں پر بھی برہمی کے آثار چہرے سے

ظاہر نہ ہوتے۔ ان کی خوش مذاقی پر انجمن کو شگفتہ بنادیتی۔ حاجت مندوں کے ساتھ اپنی حیثیت سے بڑھ کر سلوک کرتے اور حتی الامکان کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی نہ واپس کرتے دوستی کا پاس ولحاظ حد درجہ کرتے۔ بچوں، جوانوں، بوڑھوں سب ہی سے بےتکلف بات چیت کرتے۔

سطور بالا میں نظیر کی مذہبیت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک عام رائے کے ماتحت تھا، خود راقم الحروف نے جہاں تک ان کے کلام کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نظیر بھی غالب وغیرہ کی طرح خالی شیعہ تھے جیسا کہ ان کے مندرجہ ذیل اشعار سے کچھ مترشح بھی ہوتا ہے، امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شان میں کہتے ہیں:

علیؑ کو جو کوئی پہچانتا ہے
برابر مصطفےٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے
وہ اپنے خاک سر پر چھانتا ہے
لگائی اس نے دوزخ کی مگر تاک



پڑھوں جس دم مناقب علےؑ کا
پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اڑ جائے ہر اک ناصبی کا
دھڑک جاوے کلیجہ مدعی
عدو کا دم میں ہو جاوے جگر چاک



اسی طرح کئی جگہ انہوں نے ائمہ اثناعشر اور حضرت پنجتن رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی بطور خاص تذکرہ کیا ہے، میرے نزدیک ایک شخص کے شیعہ ہونے کے لئے اس قسم کے عقائد کا اظہار کر دینا ہی اس کے خالی ہونے کے لئے کافی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ آج کل کے عام شیعوں کی طرح شاید تبرائی نہ ہوں گے۔

نظیر کی نواسی کا بیان زندگانی بےنظیر میں یوں درج ہے:

> ''نانا جان بڑے ہی تخی مزاج کے آدمی تھے۔ انہوں نے تمام عمر اپنے ہاتھ سے روپیہ نہیں چھوا، جہاں کہیں سے روپیہ آیا، روپیہ لانے والے سے کہا کہ اس کو رومال میں باندھ دو۔ پھر اس رومال کا ایک سرا پکڑ کر جیسے کوئی نجس چیز ہو، گھر میں ڈال جاتے یا کسی آدمی سے کہتے کہ گھر بھجوا دو۔ نانی کا جس طرح جی چاہتا، خرچ کرتیں۔ وہ پوچھتے بھی نہیں کہ کیا ہوا اور کدھر گیا۔''

بہر حال کچھ بھی ہو نظیر کو بزرگوں سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں کافی عقیدت تھی اسی بناء پر ان کے کلام میں تصوف کے اثرات کثرت سے نمایاں ہیں، لیکن دقیق و غامض مسائل میں نہایت آسان عام فہم اور عوام پسند زبان میں ادا کیا ہے، اور اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کہا، محض قال نہیں حال ہے، ہر قسم کے شاعرانہ غلو و مبالغہ سے خالی۔ شہباز صاحب نظیر کے اس رنگ طبیعت پر لکھتے ہیں:

> ''صوفیوں میں بیٹھتے بیٹھتے اس پر عام جلوۂ باری کی حقیقت روشن ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ وحدت الوجود کا آفتاب کس طرح ہر ذرہ کے مطلع سے چمک رہا ہے۔ اس یقین کے ساتھ بھی اس کی زبان گستاخ نہیں۔ وہ ادب کے قرینے ملحوظ رکھتا ہے۔ منصور کی طرح انا الحق کے

شور سے توحید کی روئی نہیں دھنکتا۔ عرفان کی عینک چڑھی ہوئی ہے۔
غور کے تال ادب کی سمائی میں جھمک رہے ہیں۔ نگاہیں کہاں سے
کہاں پہنچتی ہیں۔ کہتا ہے۔"

تنہا نہ اسے اپنے دل تنگ میں پہچان
ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان
بے رنگ میں، بارنگ میں، نیرنگ میں پہچان
منزل میں، مقامات میں، فرسنگ میں پہچان
نت روم، نت ہند میں، اورنگ میں پہچان
ہر راہ میں، ہر ساتھ میں، ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم و ارادے میں ہر آہنگ میں پہچان
ہر دھوم میں، ہر صلح میں، ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں، ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان



اس کا ایک اور بند ملاحظہ ہو

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار
کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سما چار
پہونچا ہے کوئی پار، بھٹکا ہے کوئی وار
بیٹھا ہے کوئی عیش میں، پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز کوئی بے کس، کوئی ظالم، کوئی لٹھ مار
مفلس کوئی، ناچار، تونگر کوئی زردار

زخمی کوئی ماندا کوئی، اچھا کوئی بدکار
جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں سب اسرار
ہر آن میں، ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان



اسی مسلک ''ہمہ اوست'' پر نظیر زندگی بھر جمے رہے، دونوں مذاہب کے پیرو، ان کا احترام کرتے اور ان کے کلام کی قدر کرتے تھے۔ پروفیسر شہباز نے مرحوم کی نواسی سے ان کے مذہبی عقائد کے بارے میں بتایا کہ اگرچہ وہ شیعہ عقائد رکھتے تھے، لیکن کسی فرقہ والے سے جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ صلح کل آدمی تھے۔ تعزیہ داری بھی کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشائخ سے خاص ربط رکھتے تھے، ہندوؤں کے یہاں معلّمی کے سلسلہ میں ملازمتیں کیں اور ان کی فرمائش پر کنھیا جی کے جنم، اور مہادیو وغیرہ کے بیاہ پر معرکۃ الآرا خلوص میں ڈوبی ہوئی نظمیں لکھیں جو ہندو عوام میں بہت مقبول ہوئیں، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے مزاج میں تعصب نام کو نہ تھا۔

آگرہ میں ایک بزرگ حضرت میر ابو العلا کا مزار ہے۔ اس کا عرس نویں صفر کو ہوتا ہے اس عرس میں نظیر نہایت پابندی سے شرکت کرتے تھے۔

اگرچہ شبدیزِ قلم ابھی اپنی منزل تمام کرنے کے لئے تیار نہیں ہے مگر کیا کروں وقت کا تقاضا ہے کہ اگر وہ خود نہ رکے تو زبردستی اسے روک دیا جائے اس لئے مجبوراً نظیر ہی کے چند شعروں کو جو بار بار دل کے پردوں اور دماغ کی چلمنوں سے آ آ کے ٹکرا رہے ہیں آپ کی خدمت میں پیش کرکے رخصت ہوتا ہوں۔ وہ کہہ رہا ہے:

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی، پہ قہر و آفت غضب خدا کا

جو شکل دیکھو تو بھولی بھالی، جو باتیں سنیے تو میٹھی میٹھی
یہ دل وہ پتھر، کہ سر اڑا دے جو نام لیجئے کبھی وفا کا

جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پہ
کسی کو ٹھوکر، کسی کو جھٹکا، کسی کو گالی، نپٹ لڑا کا

یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے
کہاں کا اونچا، کہاں کا نیچا، خیال کس کو قدم کی جا کا

یہ چنچلاہٹ، یہ چلبلاہٹ، خبر نہ سر کی، نہ تن کی سدھ بدھ
جو چیرا بکھرا، بال سے بکھرا، نہ بند باندھا کبھی قبا کا

گے لپٹنے میں یوں شتابی کہ مثل بجلی کے اضطرابی
کہیں جو چمکا چمک کر، کہیں جو لکا تو پھر جھپا کا

نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے، نہ وہ منائے منے کسی کے
جو قتل عاشق پہ آ کے مچلے تو غیر کا پھر نہ آشنا کا



ادھر اس کی نگہ کا ناز سے آ کر لپٹ جانا
ادھر رونا، تڑپنا، غش میں آنا، دم الٹ جانا

یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی
بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا

یہ یکتائی یہ یک رنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے
نہ کم ہونا، نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا

نظیر ایسا جو چنچل، دلربا بہروپیا ہووے

تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا



تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب، رخ سے رخ، نور سے نور، ظل سے ظل
یوسف مصر سے مگر ملتے ہیں سب تیرے نشاں
زلف سے زلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تل سے تل
جتنے ہیں کشتگان عشق ان کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک، نم سے نم، خوں سے خوں، گل سے گل
جب سے موا ہے کوہکن، کرتے ہیں اس کا غم سدا
کوہ سے کوہ، جو سے جو، سنگ سے سنگ، سل سے سل
یار ملا جب اے نظیرؔ میرے گلے، تو مل گئے
جسم سے جسم، جاں سے جاں، روح سے روح، دل سے دل



واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

سیہ کار
عبدالمؤمن الفاروقی غزلہ
مورخہ 25 مئی 1951ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات دیوان نظیر اردو

ردیف الف

(1)

دل ہوا جس روز بسمل ابروئے دلخواہ کا
تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

جس نے دیکھا وہ رخ انور تو اس کو عمر بھر
پھر نہ روئے مہر خوش آیا نہ چہرہ ماہ کا

ایک دن آگے خلیل اللہ کے اک شخص نے
یک بیک آ کر لیا منہ سے جو نام اللہ

اس خلیل اللہ نے سنتے ہی آ کر شوق میں
سب دیا اس کو جو تھا اسباب عزو جاہ کا

اور کہا اے شخص پھر بہر خدا یہ نام لے
میں بجاں مشتاق ہوں اس اسم خاطر خواہ کا

گر وہ لیتا نام پھر اللہ کا تو بالیقیں

جی نکل جاتا وہیں حضرت خلیل اللہ کا

حاصل اس کہنے کی اس کی چاہ کچھ آساں نہیں

جب کوئی ایسا ہو جب لے نام اس کی چاہ کا

دی ہمیں اس نے نفخت 1 فیہ من روحی سے جان

مال بھی ہم کو دیا عرفاں کی رسم و راہ کا

اس میں کای طاقت جو مالک ہو کوئی بت اے نظیر

جان بھی اللہ کی اور مال بھی اللہ کا

(2)

دل کو چشم یار نے جب جام مے اپنا دیا

ان سے خوش ہو کر لیا اور کہہ کے بسم اللہ پیا

دیکھ اس کی جامہ زیبی گل نے اپنا پیرہن

اس قدر پھاڑا کہ بلبل سے نہیں جاتا سیا

بے قراری نے نگاہ سیمبر پھیری ادھر

کی عنایت ہم کو اس سیماب 2 یہ کیمیا

اس کے کوچے میں جسے جا بیٹھنے کو مل گئی

مسند زر باف پہ غالب ہے اس کو بوریا

دل چھپا بیٹھا تو اس زلف مسلسل سے نظیر

اے اسیر دام نافہمی یہ تو نے کیا کیا

(3)

خوباں 1 کو جب اس کا رخ زیبا نظر آیا
کہتے ہیں جسے حسن وہ کیا کیا نظر آیا
محبوب قمر شکل جسے رشک سے دیکھیں
اس چہرۂ انور میں وہ نقشا نظر آیا
دیکھا نگہ مہ نے ادھر شام کو کیا کیا
خورشید سحر کو اسے تکتا نظر آیا
ہر قطرۂ شبنم سے لگا منہ کو چھپانے
جب گل کو گلستاں میں وہ مکھڑا نظر آیا
ہم کیا ہیں نظیر اس سے تو ہر آئینہ رو کو
حیرت کا اثر آئینہ آسا نظر آیا

(4)

تجھے کچھ بھی خدا کا ترس ہے اے سنگدل ترسا
ہمارا دل بہت ترسا ارے ترسا نہ اب ترسا
میں اس پر مبتلا وہ غریب مذہب شوخ اب ترسا
قیامت ہے مسلماں عاشق اور معشوق ہے ترسا
فقط تیر نگہ سے تو نہ دل کی آرزو نکلی
ترے قرباں لگا اب کے کوئی اس سے بھی بہتر سا
نہ جاؤں میں تو اس کے پاس لیکن کیا کروں یارو
یکا یک کچھ جگر میں آ کے لگ جاتا ہے نشتر سا
پکارا دور سے دے کر صفیر اس نے تو کیا میرا
دھڑک کر یک بیک سینے میں دل لوٹا کبوتر سا

ہوا بیمار تیرے عشق میں جو چرخ چارم پہ
مسیحا پڑھ رہا ہے کچھ بچھا کر اپنا بستر سا
نظیر اک دو گلے کرنے بہت ہوتے ہیں خوباں سے
چلو اب چپ رہو بس کھول بیٹھے تم تو دفتر سا

(5)

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا
یا رب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا
لے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ
ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا
افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات
اور روئے زمیں پر گل و ریحان 2 تماشا
جنات، پری، دیو، ملک، حور بھی نادر
انسان عجوبہ ہیں تو حیوان تماشا
جب حسن، کے جاتی ہے مرقع پہ نظر آہ
کیا کیا نظر آتا ہے ہر اک آن تماشا
چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں
رکھتی ہے کہیں زلف پریشان تماشا
گر عشق کے کوچے میں گزر کیجئے تو واں بھی
ہر وقت نئی سیر ہے ہر آن تماشا
منہ زرد، بدن خشک، جگر چاک، المناک
غل، شور، تپش، نالہ و افغان تماشا

ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر آہ
سب ارض و سما کی ہے گلستان تماشا

(6)

مجھے اس جھمک سے آیا نظر اک نگار رعنا
کہ خود اس کے حسن رخ کو لگا تکنے ذرہ آسا
خدہ خال خوبی آگیں، لب لعل پاں سے رنگیں
نظر آفت دل و دیں، مژہ صد مضرت افزا
پڑی رخ پہ زلف پرخم، مسی رشک رنگ نیلم
غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اہاہا!
کہا ہم نے "اے سمن بر، پری چہرہ مہر پیکر"
جو چلی ہو یوں جھمک کر، کہو عزم ہے کدھر کا
ہے یہ وقت سیر بستاں چلیں، ہم بھی ساتھ اے جاں
کہا سن کے یہ "ارے میاں، کوئی تم نہ ہو تماشا"
ہے یہ آشنائی اگلی، نہ شناخت اک دو دن کی
جو ہے دل وہی کی مرضی، تو ہے لوچ پھر یہ کیسا
کہا جب نظیر ہم نے "یہی دل ہیں ہم تو رکھتے"
تو کہا "جو نیکی ہووے تو پھر اس کا پوچھنا کیا"

(7)

شور انگیز جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا

رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبط آہ کرنا
جانا بھی آگے اس کے اکثر پئے نظارہ
باعث بھی بہر اخفا پھر رہ براہ کرنا
ماننا بھی اس روش سے جس میں گمان الفت
گر کچھ بھی ہو تو ووں ہیں دور اشتباہ کرنا
پوچھا گر اس صنم نے "ہم حسن میں ہیں کیسے؟"
تو بے شعوری اپنی، ہنس کر، گواہ کرنا
کیا کیا نظیر تجھ میں مکر و فریب ہیں، جو
اس رمز آشنا سے اس ڈھب کی چاہ کرنا

(8)

وہ رشک چمن کل جو زیب چمن تھا
چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اس بن چمن میں، تو ہر گل
مجھے اس گھڑی اخگر پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بے درد گل چیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا
تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو، جس سے مزین یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کو
مشین بدن تھا، معطر کفن تھا
جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا

نہ عضو بدن تھا، نہ تار کفن تھا
نظیر 1 آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

(9)

وہ مجھ کو دیکھ کچھ اس ڈھب سے شرمسار ہوا
کہ میں حیا ہی پہ اس کی فقط نثار ہوا
سبھوں کو بوسے دیے ہنس کے، اور ہمیں گالی
ہزار شکر! بھلا اس قدر تو پیار ہوا
ہمارے مرنے کو، ہاں، تم تو جھوٹ سمجھے تھے
کہا رقیب نے، لو، اب تو اعتبار ہوا
قرار کر کے نہ آیا وہ سنگدل کافر
پڑیں قرار پہ پتھر، یہ کچھ قرار ہوا
گلے کا ہار جو اس گلبدن کا ٹوٹ پڑا
تو ڈر نظر کا وہیں اس کو ایک بار ہوا
کسی سے اور تو کچھ بس چلا نہ اس کا نظیر
ندان 2 میرے ہی آ کر گلے کا ہار ہوا

(10)

جوش نشاط و عیش ہے ہر جابسنت کا
ہے طرفہ روزگار طرب زا بسنت کا

باغوں میں لطف نشوونما کی ہیں کثرتیں
بزموں میں نغمہ خوشدلی افزا بسنت کا
پھرتے ہیں کر لباس بسنتی وہ دلبراں
ہے جن سے زرنگار سراپا بسنت کا
جا در پہ یار کے یہ کہا ہم نے صبحدم
اے جاں، ہے اب تو ہر کہیں چرچا بسنت کا
تشریف تم نہ لائے جو کر کر بسنتی پوش
کہیے، گناہ ہم نے کیا کیا بسنت کا
سنتے ہی اس بہار سے نکلا، کہ جس کے تئیں
دل دیکھتے ہی ہو گیا شیدا بسنت کا
اپنا وہ خوش لباس بسنتی دکھا، نظیر
چمکایا حسن یار نے کیا کیا بسنت کا

(11)

بتوں کے زرد پیراہن میں عطر چنپا جب مہکا
ہوا نقشا عیاں ہولی کی کیا کیا رسم اور رہ کا
گلال آلودہ گل چہروں کے وصف رخ میں نکلے ہے
مزا کیا کیا صریر کلک سے بلبل کی چہ چہ کا
گلابی انگشریوں کی ہر نگہ سے جام مل پی کر
کوئی سر خوش، کوئی بیخود، کوئی لوٹا، کوئی بہکا
چھڑکنا رنگ، خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے
کبھی کچھ ناز کی وہ وہ، کبھی انداز رہ رہ کا

بھگویا دلبروں نے جب نظیر اپنے کو ہولی میں
تو کیا کای تالیوں کا غل ہوا، اور شورقہ قہ کا

(12)

گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا
اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا
جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈا بھی نہ پایا
قصوں میں رہے حرف و حکایات تو پھر کیا
حد بوس و کنار اور جو تھا اس کے سوا آہ
گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا
دو دن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں، مری جاں،
کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا
پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شان
لے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا
اسپ و شتر و فیل و خرو نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا
جب آئی اجل پھر وہیں اٹھ بھاگے شتابی
رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا
دو دن کو جو تعویذ و فتیلہ و عمل سے
تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا
اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سموات تو پھر کیا

اک دم میں ہوا ہو گئے سب عملی و نظری
تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

اس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا

آخر کو جو دیکھا تو ہوئے خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف و کرامات تو پھر کیا

جب آئی اجل ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوشش و طاعات تو پھر کیا

جب آئی اجل آہ تو اک دم میں گئے مر
گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

(13)

سحر آیا جو خیمیں میں کلبہ احزاں میں بیچارا
وہیں اک بارگی جوش جنوں نے دل کو للکارا

پڑا ہے کیا فسرہ مثل برف، اے شعلہ آتش
بہار آئی، دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا،

اڑا کر گرد، مل کر خاک، نکلا گھر سے پھر باہر
چڑھا یہ بند، اور ہو کر کے، نالہ آہ کا مارا

ہجوم محشرم، ہنگامہ ام، دیوانہ ام، مستم
نہ از پا مے شناسم سر، نمی دانم زسر پارا

قضائے لا وہیں اک اس قدر زنجیر پہنائی
کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا 1
کھنکتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغان سے وہ
مگر گرجا زمیں کے رعد کی نوبت کا نقارا
محلے میں پڑا غل دوڑیو، چلیو، غضب آیا
دوانہ ہو گیا ہے پہلواں، یارو جنوں مارا
گیا اک دیر میں اوروں جو لعبت گر اٹھے ہاں ہاں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پشتارا
مصلا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اس جا
کئی زاہد کچل ڈالے گیا واعظ کا سر پارا
خم و قرابہ و مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کردی خون کا گارا
جو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یکباری
بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا
تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں
کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا
جو لڑیاں بن کے کافر ہر سر مژگاں سے یوں اچھلا
گویا چھوٹا ہزارا ساون اور بھادوں کا فوارا
لگا یوں مینھ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا
نقیب آہ کہتا پڑھے جانا تک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا

ہوا سنائے لیتی تھی فلک کو آ گیا چکر
تماشا دیکھیں تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا
کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں
جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا کیا سنگ کیا خارا
تو لے بھاگا جنوں واں سے گلے میں ڈال کر باہیں
لے آیا واں کہ تھا جس جا وہ برج حسن کا تارا
نظر آیا جو نہیں پھر ہوش میں، تو کہنے یہ بولا
کہ "آخر ہر کمالے راز والے می شود یارا 2"

(14)

رہوں کاہے کو دلخستہ پھروں کاہے کو آوارا
اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
خدا گر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو
بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
ہم اپنا تو بہشت و چشمہ کوثر سمجھتے ہیں
کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلےٰ را
زمیں پر آیا جب یوسف اسی دن آسماں رویا
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخارا
یہ ظالم سنگدل محبوب جادوگر ستم پیشہ
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغمارا
جو صاحب حسن ہیں ہرگز نہیں محتاج زینت کے
بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

بتوں کی گالیوں میں بھی عجب لذت نکلتی ہے
جو اب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

تو ہستی کی گرہ پر عقل کے ناخن نہ توڑ اے دل
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمارا

نصیحت کیمیا ہے جب تو گوش دل سے سنتے ہیں
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

نظیر اس لطف سے تضمیں کر تو مصرع حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

(15)

دیکھ لے جو عالم اس کے حسن بالا دست کا
حوصلا اتنا کہاں اپنی نگاہ پست کا

نیست رہتے ہم تو یہ سیریں کہاں سے دیکھتے
یہ فقط احسان ہے اس ذات پاک ہست کا

بے صدا آ کر لگا اور ہو گیا سینے کے پار
یہ خدنگ صاف تھا کس بے نشاں کی شست 1 کا

پنجہ خورشید رنگیں خون حسرت کے سوا
برق ساں چمکا جو رنگ اس کے حنائی دست کا

بات کچھ کہتا ہے اور نکلے ہے منہ سے کچھ نظیر
یہ نشہ تجھ کو ہوا کس کی نگاہ مست کا

(16)

دیا دل تو پھر عہد و پیمان کیا
لیا جس نے اس کا احسان کیا
جہاں زلف کافر میں دل پھنس گیا ہے
تو واں دین کیا اور ایمان کیا
ادا نے کیا دل کو پہلو میں بیکل
کرے گی ستم دیکھئے آن کے کیا
ادھر کاجل آنکھوں میں کیا کیا کھلا ہے
ملا ہے مسی سے ادھر پان کیا
نظیر اس سے ہم نے چھپایا جو دل کو
تو ہنس کر کہا "ہیں یہ انسان کیا"

(17)

کیا دن تھے وہ جو واں کرم دلبرانہ تھا
اپنا بھی اس طرف گزر عاشقانہ تھا
مل بیٹھنے کے واسطے آپس میں ہر گھڑی
تھا کچھ فریب واں تو ادھر کچھ بہانہ تھا
چاہت ہماری تاڑتے ہیں واں کے تاڑ باز
تس پہ ہنوز خوب طرح دل لگانہ تھا
کیا کیا دلوں میں ہوتی تھی بن دیکھے بیکلی
ہے کل کی بات حیف کہ ایسا زمانہ تھا
اب اس قدر ہوا وہ فراموش اے نظیر

کیا جانے وہ معاملہ کچھ تھا بھی یا نہ تھا

(18)

نگہ کے سامنے اس کا جونہی جمال ہوا
وہ دل ہی جانے ہے اس دم جو دل کا حال ہوا
اگر کہوں میں کہ چمکا وہ برق کی مانند
تو کب مثل ہے یہ اس کی جو بے مثال ہوا
قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے
غرض پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
ادھر سے بھر دیا مے نے نگاہ کا ساغر
ادھر سے زلف کا حلقہ گلے کا جال ہوا
بہار حسن وہ آئی نظر جو اس کی نظیر
تو دل وہیں چمن عشق میں نہال ہوا

(19)

لطف تشریف جو عشق اس کے نے آغاز کیا
ہم نے تعظیم کی اور جھپ 1 در دل باز کیا
دیکھ کر اس کو بتاں، بحر سب اپنا بھولے
اس شہ حسن کے عالم نے یہ اعجاز کیا
لطف سے جس کی طرف ایک نگہ کی اس نے
اس کو سو قدر و شرف سے وہیں ممتاز کیا

جس کے ہاں پاؤں رکھا اس نے تو کیا کیا اس کو
عالم ظاہر و باطن میں سر افراز کیا
ہم تو کس گنتی میں ہیں حسن نے اس کے تو نظیر
ہیں جو معشوق انہیں عاشق جانباز کیا

(20)

مرا خط ہے جہاں یارو وہ رشک حور لیجانا
کسی صورت سے تم وہاں تک مرا مذکور لیجانا
اگر وہ شعلہ رو پوچھے مرے دل کے پھپولوں کو
تو اس کے سامنے اک خوشہ انگور لیجانا
جو یہ پوچھے کہ اب کتنی ہے اس کے رنگ پر زردی
تو یارو تم گل صد برگ با کافور لیجانا
اگر پوچھے مرے سینے کے زخموں کو تو اے یارو
کہیں سے ڈھونڈھ کر اک خانہ زنبور لیجانا
رقیب روسیہ کے حال کا گر ماجرا پوچھے
تو اس کے سامنے جنگل سے اک لنگور لیجانا
نظیر اک دن خوشی سے یار نے ہنس کر کہا مجھ کو
کہ تو بھی ایک بوسہ ہم سے اے رنجور لیجانا

(21)

بتوں کی مجلس میں شب کو مہرو جو اور تک بھی قیام کرتا

کنشت ویراں، صنم کو بندہ، برہمنوں کو غلام کرتا
خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے میری میں نام کرتا
کروڑوں دل جو موے پڑے ہیں، نکلتے خونیں کفن سے نالاں
قیامت آ جاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا
نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتی، پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپی سے زہر کھانے جو وصل کا تو پیام 2 کرتا
وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا تو مسکرا کر
تڑپتی بلبل، سسکتی قمری، گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا
بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے ہے پری رو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر تنہ میں آ کر مقام کرتا
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا، نہ شب بتاتا، نہ صبح لاتا نہ شام کرتا
وہ بزم اپنی تھی میخوری کی، فرشتے ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا
نظیر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو اس سے آ کر کلام کرتا

(22)

کلال 1 گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کو جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب یہ عیش مدام کرتا
جو پاتا لذت بسان مستاں ے محبت سے تیری زاہد

تو صومعے 2 سے نکل کے اپنے وہ میکدے میں مقام کرتا

وہ بزم اپنی تھی میکشی کے فرشتے ہو جاتے مست بیخود

جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں

نہ دن دکھاتا، نہ شب بتاتا، نہ صبح لاتا، نہ شام کرتا

نظیر آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے

تماشا ہوتا جو لے کے مجھ کو وہ شوخ اپنا غلام کرتا

(23)

شانے 2 سے اس کے کل جو ہمیں درد شانہ تھا

وہ درد شانہ کا ہے کو تھا رشک شانہ تھا

ترچھی نگاہ سے کبھی جو دیکھا تو وہ خدنگ

واں ہی لگا غرض جہاں اس کا نشانہ تھا

زریں مباف کا بھی دکھاتا کمر کو موڑ

لبی 1 کو اسپ شوق کے اک تازیانہ تھا

لیلٰے ہی اس کے ہوش سے واقف تھی ورنہ یہاں

اکثر یہ جانتے ہیں کہ مجنوں دیوانہ تھا

اقرار کر کے وہ جو نہ آیا میاں نظیر

وہ پر فسوں ہے یہ بھی اک اس کا بہانہ تھا

(24)

جب سر زلف تا کمر پہونچا
اس کمر کو بہت ضرر پہونچا
ہلکی پہونچی سے بھی لچکتا ہے
نازک اس کا ہے اس قدر پہونچا
اے نسیم سحر تو اس گل کو
بیکلی کی مری خبر، پہونچا
کہیو، اے جاں نظیر کو تیرے
رنج ہجر اب تو بیشتر پہونچا
یا بلا لے اسے ادھر اے جاں
یا تو ہی آپ کو ادھر پہونچا
نامہ یار جو سحر پہونچا
خوش رقم خوب وقت پر پہونچا
تھا لکھا یوں کہ اے نظیر اب تک
کس سبب تو نہیں ادھر پہونچا
میں نے اس کو کہا کہ اے محبوب
اس لیے میں نہیں ادھر پہونچا
یوں سنا تھا تم آپ آتے ہو
اس میں نامہ یہ پر گہر پہونچا
مجھ کو پہونچا ہی جانو اپنے پاس
آج، کل، شام یا سحر پہونچا

ساقی ظہور صبح و ترشح ہے نور کا
دے مے یہی تو وقت ہے نور و 1 ظہور کا
کوچہ میں اس کے جس کو جگہ مل گئی وہ پھر
مائل ہوا نہ صحن چمن کے سرور کا
یہ گل 2 جو ہم نے ہاتھ پہ کھائے ہیں روبرو
ہم کو یہی ملا ہے تبرک حضور کا
سیماب جس کو کہتے ہیں سیماب یہ نہیں
دل آب ہو گیا ہے کسی ناصبور کا
مے پی کے عاشق کے خرابات میں نظیر
نے ڈر ہے محتسب 3 کا نہ صدار الصدور کا

(26)

جہاں میں جو نہ ہوا اس پری کا دیوانہ
تو اس نے آہ مزا عاشقی کا کیا جانا
کہا یہ شوخ نے ہم کو تو چاہتا ہے نظیر
یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا
تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں
کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا
جو ہم نہ ہوویں تو آ کر ہمارے کوچے میں
یہ جم کے بیٹھنا پہروں تلک نہ گھبرانا
جو ہم خفا ہوں تو آ کر ہزار منت سے
خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا

پس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو
خدا کو دیکھا نہیں عقل سے تو پہچانا

(27)

ہوئی صبح جب گھر سے وہ یار نکلا
کہا خلق نے رشک گلزار نکلا
کئی آ گئے پیچ میں زلف کے واں
مری چشموں سے جو گہر بار نکلا
قضا تیری کافر ادھر آ گئی جو
بھلی لٹ پٹی باندھ دستار نکلا
عجب پھیر قسمت کا ہے میری یارو
جسے یار سمجھا وہ اغیار نکلا
خفا ہم سے شب کو صنم ہو نشے میں
سرے مجھ کو لے کر وہ بازار نکلا
بہت چاہا دل بیچ دیجے صنم کو
میرے دل کا وہ نا خریدار نکلا
صراحی سے ساقی نے مے جو پلائی
نظیر اس قدر ہو کے سرشار نکلا

(28)

کیا جو یار نے ہم سے پیام رخصت کا

تو دم نکل گیا سنتے ہی نام رخصت کا
مثال شمع کے جھٹ پٹ ٹپک پڑے آنسو
سنا جو شوخ کے منہ سے کلام رخصت کا
چلا ہوں یار کی مجلس سے اٹھ کے اے ساقی
مجھے پلا دے تو اب ایک جام رخصت کا
میاں جو شکل ستم کی تھی سو تو سب دیکھی
امیدوار ہے اب یہ غلام رخصت کا
تم اپنے ظلم سے ہرگز نہ باز آؤ گے
چلا، نظیر سے لیجئے سلام رخصت کا

(29)

کل مرے قتل کو اس ڈھب سے وہ بانکا نکلا
منہ سے جلاد فلک کے بھی اہاہا نکلا
آگے آہوں کے نشاں سمجھے مرے اشکوں کے
آج اس دھوم سے ظالم ترا شیدا نکلا
یوں تو ہم کچھ نہ تھے پر مثل انار و مہتاب
جب ہمیں آگ لگائی تو تماشا نکلا
کیا غلط فہمی ہے صد حیف کہ مرتے دم تک
جس کو ہم سمجھے تھے قاتل وہ مسیحا نکلا
غم میں ہم بھان 1 متی بن کے جہاں بیٹھے تھے
اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آ نکلا
سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے میرے

شعلے پہ شعلہ بھبھوکے پہ بھبھوکا نکلا
شور آہوں کا اٹھا نالہ فلک سا نکلا
آج اس دھوم سے ظالم تیرا شیدا نکلا
مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پہ بے نظیر
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(30)

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی، پہ قہر و آفت غضب خدا کا
جو شکل دیکھو تو بھولی بھولی جو باتیں سنئے تو میٹھی میٹھی
یہ دل وہ پتھر، کہ سر اڑا دے جو نام لیجئے کبھی وفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پہ
کسی کو ٹھوکر، کسی کو چھکڑ، کسی کو گالی، نپٹ لڑا کا
یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے
کہاں کا اونچا، کہاں کا نیچا، خیال کس کو قدم کی جا کا
لڑا دے آنکھیں وہ بے حجابی کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے
نظر جو نیچی کرے تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا
یہ چنچل ہٹ، یہ اچپلاہٹ، خبر نہ سر کی، نہ تن کی سدھ بدھ
جو چیرا بکھرا، بلا سے بکھرا، نہ بند باندھا کبھو قبا کا
گے لپٹنے میں یوں شتابی، کہ مثل بجلی کے اضطرابی
کہیں جو چپکا چمک چمک کر، کہیں جو لپکا تو جھپا کا
نہ وہ سنبھالا کسی کے سنبھلے، نہ وہ منایا منے کسی کے

جو قتل عاشق پہ آ کے مچلے، تو غیر کا پھر نہ آشنا کا
یہ رم یہ نفرت یہ دور کھنچنا یہ ننگ عاشق کے دیکھنے سے
جو پتا کھٹکے ہوا سے لگ کر تو سمجھے کھٹکا نگہ کے پا کا
جتاوے الفت چڑھاوے ابرو ادھر لگاوٹ ادھر تغافل
کرے تبسم جھڑک دے ہر دم روش، ہٹیلی چلن دغا کا
نظیر ہٹ جا پرے سرک جا، بدل لے صورت چھپا لے منہ کو
جو دیکھ لیوے گا وہ ستمگر، تو یار ہو گا ابھی جھگڑا کا 3

(31)

کہنے اس شوخ سے دل کا جو میں احوال ہو گیا
واں نہ تفصیل گئی پیش نہ اجمال گیا
دام کا کل سے گلا کیا یہ جو ہے طائر دل
آپ اپنے یہ پھنسانے کو پروبال گیا
دل بے تاب کی جانے ہوئی کیا صورت
پیچھے اس شوخ ستمگر کے جو فی الحال گیا
لے گیا ساتھ لگا وہ بات قاتل گھر تک
یا اسے مار کے رستے میں کہیں ڈال گیا
خیر وہ حال ہوا یا یہ ہوئی شکل نظیر
کچھ تاسف نہ کرو، جانے دو، جنجال گیا

(32)

دل لگا کر قرار کھونا تھا
ہم کو سیماب وار ہونا تھا

دل کو اس سِتمگر کے کوچے میں
عاشقوں کی طرح جو سونا تھا

جب وہ سویا تو چاؤ تھا تکیہ
حاصل مدعا بچھونا تھا

جوں ملی چشم ترکِ پا سے
وہیں واں آبلے کا ہونا تھا

اشک تھا گرم تر نظیر اسے
کچھ دم سرد سے سمونا تھا

(33)

عشق میں عقل و ہوش کھونا تھا
کیجئے کیا اب ہوا جو ہونا تھا

شب کو آ کر وہ پھر گیا ہیہات
کیا اسی رات ہم کو سونا تھا

کھول دی چاہ دیدۂ تر نے
یاں نہ لازم پلک بھگونا تھا

اور جو ایسا ہی تھا تو گوہر اشک
ہٹ کے اغیار سے پرونا تھا

یا چھپانا نظیر تھا بہتر

یا تعشق سے ہاتھ دھونا تھا

(34)

عاشق ہو دم کے لینے کو جنجال کر دیا
دل نے ہمارے جی کا یہ احوال کر دیا
سینہ سپر بنا کے ہوا اس کے روبرو
مژگاں نے اس سپر کو بھی غربال کر دیا
مہندی بھرے جو ہاتھ سے انکا تو اس نے بھی
ایسے طمانچے مارے کہ منھ لال کر دیا
ہنس کر کہا تمہارے طرف کل ہم آئیں گے
ہم کو یہ کہہ کے یار نے خوشحال کر دیا
پھر پاؤں در پہ آ کے رکھا اس نے جب نظیر
جتنے تھے رنج و غم انہیں پامال کر دیا

(35)

کر لیتے الگ ہم تو دل اس شوخ سے کب کا
گر اور بھی ہوتا کوئی اس طور کی چھب کا
بوسہ کی عوض ہوتے ہیں دشنام سے مسرور
اتنا تو کرم ہم پہ بھی ہے یار کے لب کا
اس کان کے جھمکے کی لٹک دیکھ لی شاید
ہر خوشہ اسی تاک میں رہتا ہے عنب کا

دیکھا جو بڑی دیر تلک اس نے منھ اپنا
لے دست حنا بستہ میں آئینہ حلب کا
جب ہم نے کہا رکھیے اب آئینہ کو، یہ تو
حصہ ہے کسی اور بھی دیدار طلب کا
یہ سن کے ادھر اس نے کیا غصے میں منھ سرخ
بھبکا ادھر آئینہ بھی ہمسر ہو غضب کا
تم ربط کے ڈھب جس سے لڑاتے ہو نظیر آہ
وہ دلبر عیار ہے کچھ اور ہی ڈھب کا

(36)

حسن اس شوخ کا اہاہاہا
جن نے دیکھا کہا اہاہاہا
زلف ڈالے ہے گردن دل میں
دام کیا کیا بڑھا اہاہاہا
تیغ ابرو بھی کرتی ہے دل پہ
وار کیا کیا نیا اہاہاہا
آن پہ آن وہ اجی او ہو
اور ادا پہ ادا اہاہاہا
ناز سے جو نہ ہو وہ کرتی ہے
چپکے چپکے حیا اہاہاہا
طائر دل پہ اس کا باز نگاہ
جس گھڑی آ پڑا اہاہاہا

اس کی پھرتی اور اس کی لپ جھپ کا
کیا تماشا ہوا اہاہاہا
بزم خوباں میں جب گیا وہ شوخ
اپنی سج دھج بنا اہاہاہا
کی "اوہوہو" کسی نے دیکھ نظیر
کوئی کہنے لگا اہاہاہا

(37)

کان میں اس شوخ چنچل کے جو جھمکیں بالا پڑا
آ گئی چکر میں برق اور ماہ پہ ہالا پڑا
دیکھنا ہمدم یہ اترا سنبلاں میں قمر
یا یہ کاکل میں کسی کے چمکے ہے بالا پڑا
دیکھ نقش تن مرا اپنی گلی کی خاک پر
یوں کہا یہاں تو او دیوانہ نہ تو آتا پڑا
عیش سے بھر نیند سونے کے لیے اس جا مگر
رات تھا کوئی ہمارا چاہنے والا پڑا
جب گل لالہ سے پوچھا میں نے اے دل سوختہ
کس طرح سینے میں تیرے داغ یہ کالا پڑا
سن کے بولا جس سے تو جلتا ہوا آیا ہے یاں
یار مجھ پر بھی اسی آتش کا پرکالا پڑا
لائق اس بالے کے گوہر یاں تو ہاتھ آیا نہ ایک
دیکھنا ہم کو مگر اب عالم بالا پڑا

گوہر مقصود سمجھے ہم وہی اس راہ میں
پاشنہ سے تا سرانگشت جو چھالا پڑا
سنگدل، محبوب کو کہنا غلط تھا اے نظیر
ہم نے جب جانا جب اس بیدرد سے پالا 1 پڑا

(38)

پردہ 2 اٹھا کر رخ کو عیاں اس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول ادھر یاں عشق نے دل کا کام کیا
آ گئے جب صیاد کے سب میں سوچ کیے پھر حاصل کیا
اب تو اسی کی ٹھہری مرضی جن نے اسیر دام کیا
چشم نے چھینا پلکوں نے چھیدا زلف نے باندھا دل کو آہ
ابرو نے ایسی تیغ جڑی جو قصہ ہی سب اتمام کیا
سخت خجل ہیں اور شرمندہ رہ رہ کر پچھتاتے ہیں
خواب میں اس سے رات لڑے ہم کیا ہی خیال خام کیا
چھوڑ دیا جب ہم نے غنیم کے کوچے میں آنے جانے کو
پھر تو ادھر اس شوخ نے ہم سے شکوہ بھرا پیغام کیا
اور ادھر سے چاہت بھی یوں ہنس کر بولی واہ جی واہ
اچھے چلیے یار سے ملیے اب تو بہت آرام کیا
یار کی مے گوں چشم نے اپنی ایک نگہ سے ہم کو نظیر
مست کیا، اوباش بنایا، رند کیا، بدنام کیا

(39)

جب میں سنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ الٹ گیا

فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب
لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ 1 گیا

میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اکھٹ 2 گیا

اتنا کوئی کہے کہ دوانے، پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی ادھر کوئی پریوں کا غٹ 3 گیا

چھینا تھا دل کو چشم نے، لیکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اس صف مژگاں میں بٹ گیا

کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ 4 گیا

آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اس پری کے جو پردہ الٹ گیا

سن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنیں
"کیا بولیں، چل، ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ 5 گیا"

جب میں نے اس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا
جس سے یہ دل اداس ہوا جی اچٹ گیا

آنکھیں تمہاری کیا پھریں اس وقت میری جان
سچ پوچھئے تو مجھ سے زمانہ الٹ گیا

عشاق جاں نثاروں میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں جو اس کے گلے سے لپٹ گیا
کتنا ہی اس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی 6 باندھ کے ایسا چمٹ گیا
یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر
ٹکڑے ہوا، اور اس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا
آخر اسی بہانے ملا یار سے نظیر
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(40)

مرا دل ہے مشتاق اس گلبدن کا
کہ یہ باغ اک گل ہے جس کے چمن کا
وہی زلف ہے جس کی نکہت سے اب تک
پڑا خون سوکھے ہے مشک ختن کا
وہی لعل لب ہے کہ حسرت سے جس کے
جگر آج تک خوں ہے لعل یمن کا
عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا
ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل
ابھی تھا بہم جوش سرو و سمن کا
ابھی چہچہے بلبلوں کے عیاں تھے
ابھی شور تھا قمری نعرہ زن کا

گھڑی بھر کے ہی بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ واں تھا چمن کا

(41)

ملا مجھ سے وہ آج چنچل چھبیلا
ہوا رنگ سن کر رقیبوں کا نیلا
کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ
سنلقی علیھم عذابا شقیلا
نکل اس کی زلفوں کے کوچے سے اے دل
تو پڑھتا، قم الیل الا قلیلا
کہستاں میں ماروں اگر آہ کا دم
فکانت 1 جبال کثیبا مہیلا
نظیر اس کے فضل و کرم پہ نظر رکھ
فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

(42)

آن رکھتا ہے عجب یار کا لڑ کر چلنا
ہر قدم ناز کے غصے میں اکڑ کر چلنا
جتنے بن بن کے نکلتے ہیں صنم نام خدا
سب میں بھاتا ہے مجھے اس کا بگڑ کر چلنا
ناتوانی کا بھلا ہو جو ہوا مجھ کو نصیب

اس کی دیوار کی اینٹوں کو رگڑ کر چلنا
اس کی کاکل ہے بری مان کہا اے افعی
دیکھیو اس سے تو کاندھا نہ رگڑ کر چلنا
چلتے چلتے نہ خلش کر فلک دوں سے نظیر
فائدہ کیا ہے کمینے سے جھگڑ کر چلنا

(43)

سحر 2 جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اجالا
وہ زلفیں اس کی سیاہ پرخم کہ ان کے بل اور شکن کو یارو
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا
ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھنویں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
وہ آنکھیں مست اور گلابی اس کی کہ ان کو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اس کی دل کو ہو کیا ہی گہرا نشہ دوبالا
لبوں پہ سرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا
وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ کج وہ دھج اس کی، وہ قد زیبا
کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا
نگہ لڑائی ہے اس نے جس دم، جھٹک لیا جھپ تو دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر دبوچا پلک پلک نے ادھر اچھالا
جو لے لیا دل کو میرے یارو تو اس نے لی راہ اپنے گھر کی

پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا
بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اس کا وے لے وہ گل رو
بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اس کا وے لے وہ گل رو

پری رخ من، شکر لب من، دمے تو باز آبہ پیش چشم
بیاد سرو تو بے قرارم، نہال عشقت شدہ است بالا
فدائے 1 وجہک، عشی شرقا، دموع نہرا و من فراقک
کثیر حزن تامع الہموم ثقیل ہجرا و کالجبالا
تساڈے ملنے نوں دل ہے بے کل ایہی اور کاں نت آکھدا ہے
سدا لے مینوں دے اپنے گھر وچ نہیں تو اتھے اسا دے نال آ
تہاری آسا لگی ہے تس دن، تہارے درشن کو ترسیں نیناں
دلارے سندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
چہن کے من کو جو چھوں تھی اے یار کائیں لگائی اتی
بھر ہتیں آ کر کھبر لوبھاں کی پلک کنارا جو تھان نے گھارا
اگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تیرے اے من موہنواں
تورے جو نیناں نے موہا مجھکو نہ جینوں تنکو بھوا دکھالا
جگت سبھا، امت برہمکھر، انگ کھوا، ممن کرن کہا
دوانی کینی تمن سریجن، نہ سدھ کی گر پر، نہ بدھ کی جھالا
کبھی تو ہنس کر شتاپ آ جا نظیر کی بھی طرف تک اے جاں
بنا کے سج دھج، پھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

(24)

ادھر یار جب مہربانی کرے گا

تو اپنا بھی جی شادمانی کرے گا
دیا دل نظیر اس کو یوں کہ کے اے جاں
کہو گے تو یہ پاسبانی کرے گا
پڑھے گا یہ اشعار بیٹھو گے جب تک
جو لیٹو گے افسانہ خوانی کرے گا
بٹھاؤ گے در پر تو ہو گا یہ درباں
لڑاؤ گے تو پہلوانی کرے گا
اطاعت میں، خدمت میں، فرمانبرداری میں
غرض ہر طرح جانفشانی کرے گا

(45)

جو دل دے کے کچھ شاد کامی کرے گا
تو اپنی یہاں نیک نامی کرے گا
جسے چاہ کی یاد ہے پختہ کاری
وہ کاہے کو الفت میں خامی کرے گا
کہا یوں نظیر ایک دن دل سے میں نے
وہ بت تجھ پہ کیا لطف سامی کرے گا
بڑی دوڑ یہ، تلخ دشنام دے کر
ذرا ہنس کے شیریں کلامی کرے گا
جہاں دیکھتا ہوں وہ آگے تو پیچھے
میاں کیا تو اس کی غلامی کرے گا

(46)

ڈر ہم کو نظر کا ہے، وہ گھر سے چلا ہو گا
کچھ ہار پڑے ہوں گے کچھ عطر ملا ہو گا
بالی کو ہلا ہم سے کتنوں کو دیا چکر
چھلوں سے بھی کیا جانے کس کس کو چھلا ہو گا
محفل میں ہوئی ہو گی یاد اس کو بہت میری
جب شمع کے شعلے سے پروانہ جلا ہو گا
اس لب سے ملی ہو گی دشنام بھی اک جس کو
شکر کی طرف اس کا پھر دل نہ چلا ہو گا
مت دیکھ نظیر اس کی ہر دم خم ابرو کو
اک روز یہی شمشیر اور دل کا گلا ہو گا

(47)

وہ غنچہ دہن جس کو اک دم بھی ملا ہو گا
دل گل کی طرح اس کا پہلو بھی کھلا ہو گا
ہاتھ اس کے حنا بستہ ایسے ہیں کہ دیکھ ان کو
سینہ کئی عاشق کا ناخن سے چھلا ہو گا
کوچے میں نظیر اس کے دل جا تو پڑا لیکن
ہر دم کا ستم اس سے کاہے کو جھلا 1 ہو گا
ابرو نے کیا ہو گا جس وقت اسے بسمل
وہ ضعف زدہ ہرگز تڑپا نہ ہلا ہو گا

پلکیں تو جھکی ہوں گی آنکھوں پہ نقاہت سے
اور چشم کے جادو سے منھ بھی تو کالا ہو گا

(48)

بیٹھو یاں بھی کوئی پل کیا ہو گا
ہم بھی عاشق ہیں خلل کیا ہو گا
دل ہی ہو سکتا ہے، اور اس کے بغیر
جان من دل کا بدل کیا ہو گا
حسن کے ناز اٹھانے کے سوا
ہم سے اور حسن عمل کیا ہو گا
کل کا اقرار جو میں کر کے اٹھا
بولا بیٹھ اور بھی چل کیا ہو گا
تو جو کل آنے کو کہتا ہے نظیر
تجھ کو معلوم ہے کل کیا ہو گا

(49)

سنا تھا شور قاتل کی اکڑ کا
نظر آیا تو دل سینے میں دھڑکا
نگہ کا تیر وہ مارا کہ دل سے
نہ صدمہ اٹھ سکا جس کی رگڑ کا
فرو کچھ ہو چلا تھا شعلہ دل

دیا جھپکوں نے پھر مژگاں کی بھڑکا
ہوئی ہم کو میسر جب شب وصل
رہا جی میں سحر ہونے کا دھڑکا
پلک جھپکی تھی کچھ اس میں نظیر آہ
جو آنکھیں کھل گئیں دیکھا تو تڑکا

(50)

کل اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا
تو اس نے پڑھ کے وہ نامہ بہت عتاب لکھا
جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چیں بہ جبیں
یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا
چمکتے دانتوں کو گوہر لکھا تو ہنس کے کہا
ستارے اڑ گئے تھے جو در خوش آب لکھا
لکھا جو مشک خطا زلف کو تو بل کھا کر
کہا خطا کی جو یہ حرف ناصواب لکھا
گلاب عرق کو لکھا تو بولا ناک چڑھا
اسے نہ عطر میسر تھا جو گلاب لکھا
جگر کباب لکھا اپنا، تو کہا جل کر
بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا
حساب شوق کا دفتر لکھا تو جھنجھلا کر
کہاں میں کیا متصدی تھا جو حساب لکھا
جو بے حساب لکھا اشتیاق دل تو کہا

وہ کس حساب میں ہے یہ بھی بے حساب لکھا
ہوئی جو رد و بدل ایسی کتنی بار نظیر
تو اس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا

(51)

رخ و جبیں، مژۂ تیز و چشم و ابرو کو
سنان و بدر و مہ و نرگس و ہلال، لکھا
تن و دل و لب و دنداں کو روئے فکرت سے
عقیق و سیم و در و سنگ کے مثال، لکھا
ذقن کو، چاہ، زنخداں کو، گوش و گردن کو
صراحی، سیب و گل و چشمہ زلال، لکھا
کف حنائی و انگشت ساعد و قد کو
شاک و برگ گل و غنچہ و نہال لکھا

(52)

اپنے کوچے میں جس کو جا دینا
اس کو لازم نہیں اٹھا دینا
لے چلا تھا نظیر وہ جس دن
تھا ہمیں دل کو یہ جتا دینا
جب یہ کھینچیں نگہ کی تجھ پہ تیغ
تو سر اپنا وہیں جھکا دینا

اور یہ اس شوخ سے بھی کہنا تھا

اس کی تم یاد مت بھلا دیا

ہو جو کچھ کام کا تو رکھ لیجو

ورنہ اس کو ہوا بتا دیا

(53)

ایسا ہی جو وہ خفا ہے رکا

تو چاہ میں کیا مزا رہے گا

مت ربط کر اس سے ورنہ اے دل

اپنے تو کیے کو پا رہے گا

دیکھیں گے ہم اک نگاہ اس کو

کچھ ہوش اگر بجا رہے گا

خوباں پہ میاں نظیر اپنا

ایسا ہی جو دل فدا رہے گا

پہلو سے نکل کے آخر اک دن

کوچے میں بتوں کے جا رہے گا

(54)

نہ آیا آج بھی کل کی طرح وہ گلعذار اپنا

گلے کا ہار پھر ہو گا دل امیدوار اپنا

نہیں پھر چھوڑتا یارو وہ آخر لے ہی جاتا ہے

جہاں صیاد نے تاڑا کہ ہے اس جاشکار اپنا
جھڑک لو، مار بیٹھو، گالیاں دو، نازنیں لوگو!

نیاز ناز خوباں ہم تو کھو بیٹھے وقار اپنا
ہنسی میں لے لیا بوسہ جو اس محبوب کا ہم نے

تو یوں بولا، کیا تم نے بھی کیا اب یہ شعار اپنا
تمہیں تو بوجہ 1 کا سمجھے تھے ہم لیکن اب آگے کو

نظیر اس ہلکے پن سے تم نے کھویا اعتبار اپنا

(55)

منتظر اس کے دلا تابہ کجا بیٹھنا
شام ہوئی اب چلو صبح پھر آ بیٹھنا

ہوش رہا نے قرار، دین رہا اور نہ دل
پاس بتوں کے ہمیں خوب نہ تھا بیٹھنا

لطف سے اے دل تجھے اس کے جو ابرو بٹھائے
بیٹھیو لیکن بہت پاس نہ جا بیٹھنا

دل کی ہماری غرض باندھے ہے کیا بند بند
شوخ کا وہ کھول کر بند قبا بیٹھا

کوچے میں اس شوخ کے جاتے تو ہو اے نظیر
جل میں کہیں اپنی چاہ تم نہ جتا بیٹھنا

(56)

سامنے ہے اس صف مژگاں کے میں کل جاؤں گا
چھد تو جاؤں گا پر آگے سے نہ ٹل جاؤں گا

تیغ اس ابرو کی جب معرکہ آرا ہو گی
اپنی جانبازی کے گوہر میں اگل جاؤں گا

ہے کف پا وہ مصفا کہ جسے دھیان میں لا
پائے نظارہ یہ کہتا ہے پھسل جاؤں گا

مجھ کو دیتے ہو عبث خانہ زنجیر میں جا
جوں صدا میں ابھی اس گھر سے نکل جاؤں گا

آپ سے چاہوں تو اٹھ جاؤں گا اس بزم سے میں
اور اک "ہوں" بھی کرو گے تو مچل جاؤں گا

گرچہ ہوں بے حرکت ضعف سے جوں آتش سنگ
پر جو چھیڑا تو شرر ساں میں اچھل جاؤں گا

موم ہوں میں تو بتاں مجھ کو نہ سمجھو آہن
ٹک بھی تم گرم ہوئے تو میں پگھل جاؤں گا

غصہ ہو کر تم اگر لاکھ طرح بدلو رنگ
میں وہ یک رنگ نہیں ہوں جو بدل جاؤں گا

بیکلی آج ہی واں سے گئی مجھ کو تو نظیر
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

(57)

ترے بیمار کو تجھ بن شفا ممکن نہ تھی ہوئی
فلاطوں کیا اگر خود عیسی گردوں نشیں آتا

عجب احوال ہے کچھ اضطراب دل سے کیا کہئے
غرض اک دم قرار اس بن نہیں آتا نہیں آتا

مری بیتابیوں کی اس تک اس کو بدگمانی ہے
اگر وہ بھی کہیں پھنستا تو اس کو بھی یقیں آتا

مجھے یاں تک خوشی تھی اس کے آنے کی کہ میں خوش تھا
اگر وہ قتل کو میرے چڑھائے آستیں آتا

بڑے حظ لوٹتے گر اس شب مہتاب میں یارو
ادھر ساقی ادھر مطرب ادھر وہ مہ جبیں آتا

(58)

گلزار ہے داغوں سے یہاں تن بدن اپنا
کچھ خوف خزاں کا نہیں رکھتا چمن اپنا

اشکوں کے تسلسل نے چھپایا تن عریاں
یہ آب 1 رواں کا ہے نئی اپیرہن اپنا

کس طرح بنے ایسے سے انصاف تو ہے شرط
یہ وضع مری دیکھو وہ دیکھو چلن اپنا

انکار نہیں آپ کے گھر چلنے سے مجھ کو
میں چلنے کو موجود جو چھوڑو چلن اپنا

مسکن کا پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو
جس جا پہ کہ بس گر رہے وہ ہے وطن اپنا

(59)

گلہ لکھوں میں اگر تیرے غم کے جھلوں 2 کا
تو ہو نباہ نہ پچھلوں کا اور نہ پہلوں کا

سنے سے نام محبت کا تھرتھراتے ہیں
یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں 3 کا

کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے
طریق جیسے ہے عشرت کے اہلے گہلوں 4 کا

مکاں ہو ایک سنہرا، دھرے ہوں شیشہ و جام
بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ 5 رو پہلوں کا

یہ سن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیر
کہ سوئیں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

(60)

اس کے شرار حسن نے شعلہ جو اک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اسی کے روبرو
اس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابرو برق
اس نے مجھے رلا دیا میں نے اسے ہنسا دیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اس کے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا دیا چاہا ادھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ جو تراشے بے ستوں 6
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت بروں سے کس لیے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا
سن کے یہ میرا عرض حال یار نے یوں کہا نظیر
چل بے زیادہ اب نہ بک تو نے تو سر پھرا دیا

(61)

نہ آیا رات بھی کتنا ہی انتظار کیا
قرار کر مجھے کافر نے بیقرار کیا
چمن میں اس گل رنگیں کی جامہ زیبی نے
ہر ایک گل کے گریباں کو تار تار کیا
کیاہے کیا مہ کنعاں پہ حسن نے احساں
کہ اس کے دور میں تجھ کو نہ آ شکار کیا
وہ کیا ہنر تھا کہ مجنوں نے رام کی لیلی
ہنر تو اس نے کیا جس نے تجھ کو یار کیا
بہار دیکھو اسے رشک سے یہ کہتی ہے
کہ تھا یہ حسن تو پھر مجھ کو کیوں بہار کیا
نظیر آج تصدق کو کچھ نہ تھا ہم پاس
وہی جو باقی تھا اک جی وہی نثار کیا

(62)

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا

المنتہ للہ تقدس و تعالے

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا

ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالے

دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی آہ

"پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"

"مرمر" مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں یارو

اب لاؤ، کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا؟

بن تختہ گل آخرش اس خاک چمن سے

نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

قاصد تو مرا نام تو لیجیو نہ، ولیکن

کہنا! "کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"

کیا خاک اڑانے کو چلیں، آہ! چمن میں

نہ یار، نہ ساقی، نہ صراحی، نہ پیالا

جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا

اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے

ہے یہ تو اسی چاند سی صورت کا اجالا

لے لے کے بلائیں مجھے یہ کہتی ہیں آنکھیں

"صدقے ترے، پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا"

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا

گر پھوٹ کے رویا، تو مرے پاؤں کا چھالا

اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام

ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا
ہم تجھ سے اسی روز کو روتے تھے، نظیر آہ؟
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(63)

پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
اے داغ، مبارک ہو تجھے منصب والا
شیریں کے در اوپر یہ جوئے شیر نہ جانو
فرہاد کے لوہو کا چھلکتا ہے پیالا
کیا جانیے کس حال میں ہووےگا، عزیزو،
دل آج مرا سلمہ، اللہ تعالے
بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے "چل دور"
اور دل کو کہا لے تو وہیں ہنس کے کہا "لا"
رگ رگ میں ترے ہجر میں اے رشک مسیحا
مرتا ہوں، مرے اب کوئی جینے کی دوا لا
مجھ زلف کے مارے کو نہ زنجیر پنھاؤ
کافی ہے مرے قید کو اک مکڑی کا جالا
شاید کہ ہوا رات کو سینے میں مرا دل
نے آہ، نہ زاری، نہ دم سرد، نہ نالا
یہ سیل کے اشکوں کی بیاباں میں نہیں نہر
پھوٹا کوئی مجنوں کے مگر پاؤں کا چھالا
گر بس ہو مرا تو میں کسی چور سے کہدوں

جا آج پلنگ اس کے تو سونے کا اٹھا لا
وہ آپ سے روٹھا نہیں مننے کا، نظیر آہ!
کیا دیکھے ہے، چل، پاؤں پڑا اور اس کو منا لا

(64)

آتے ادھر جو ہم نے وہ کجکلاہ دیکھا
بہر نثار دل کو بے دستگاہ دیکھا
بھولے گھمنڈ اپنے رخ کی چمک جھمک کا
جب مہ رخوں نے یاروں وہ رشک ماہ دیکھا
دل جا رہا تھا اس کی زلف سیہ میں لیکن
پہلو میں پھر جو ہم نے آج اس کو آہ دیکھا
پوچھا نظیر اس سے کیا یاں تو آپ آیا
یا کچھ خطا کی چلتے واں تجھ کو راہ دیکھا
بولا میں بے گنہ ہوں، ہم نے کہا غلط ہے
چھوڑا تجھے جو اس نے کچھ تو گناہ دیکھا

(65)

اس شوخ کا جو ہم نے رخ بھر نگاہ دیکھا
ہم نے کہا کہ دیکھا بولا کہ واہ دیکھا
کوچے میں اس صنم کے بیخود جو دل پڑا ہے
کیا جانے کیا جھمکڑا 1 جادو پناہ دیکھا

آزردہ دیکھ ہم کو اک شخص نے یہ پوچھا
تم نے نظیر اس کو وہ دن ہی چاہ دیکھا
سن کر کہا یہ اس سے اے یار اس صنم کو
ہر لحظہ ہم نے دیکھا یا گاہ گاہ دیکھا
چاہیں تو اب بھی جا کر دیکھیں ہم اس کو لیکن
بے بیچ تو یوں کہ دیکھا جب تک نباہ دیکھا

(66)

اس کا مکھڑا جو بے نقاب ہوا
حیرت چشم آفتاب ہوا
اس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت
منفعل ساغر شراب ہوا
دل ادھر سے خجل پھرا جو نظیر
جی میں اندوہ بے حساب ہوا
سر جھکا بیٹھنا وہ اس کا دیکھ
ہم کو معلوم یوں شتاب ہوا
یہ تو یوں بیٹھتا نہ تھا شاید
بہر تنبیہہ کچھ عتاب ہوا

(67)

چاہ میں دل بہت خراب ہوا

جب وہ گل ہم سے بے حجاب ہوا
سختیاں ہجر کی کہیں جس نے
وصل سے جب وہ کامیاب ہوا
خانہ زیں میں دیکھ کر اس کو
خیل عشاق ہمرکاب ہوا
رات آیا نہ وہ تو کیا کیا کچھ
اہل محفل کو اضطراب ہوا
مے ہوئی خون دل صراحی میں
جام سے دیدۂ پر آب ہوا

(68)

وہ رشک چمن کل جو زیب چمن تھا
چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اس بن چمن میں تو ہر گل
مجھے ہر گھڑی اخگر پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بیدرد گلچیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا
نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا
تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا ہے جن کا

مشکیں کفن تھا معطر بدن تھا
جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

(69)

ہو کے مہ وہ تو کسی اور کا ہالا نکلا
ہم نے سمجھا تھا گل سو وہ لالا نکلا
لینے خیرات ترے چہرۂ پر نور سے رات
بدر چاندی کا لیے ہاتھ میں پیالا نکلا
اس کے چہرے پہ نہیں کاکل مشکیں کی نمود
یہ پٹارے کے تئیں توڑ کے کالا نکلا
تھا ارادہ تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی کم بخت شوخ تیرا چاہنے والا نکلا
رات کوٹھے پہ چڑھا وہ، تو کہوں کیا یارو
منظر بام سے اس کے،وہ اجالا نکلا
برق جوں چمکے ہے یا چھوٹے ہے جیسے مہتاب
وہ اجالا تو کچھ اس سے بھی نرالا نکلا
جی کے سب دھوم تھی جس تن سے وہ نکلا تو نظیر
پھر نہ سینے سے اٹھی آہ نہ نالا نکلا

(70)

لے کے دل مہر سے پھر رسم جفا کاری کیا
تم دل آرام ہو کرتے ہو دل آزاری کیا

تم سے جو ہو سو کرو ہم نہیں ہونے کے خفا
کچھ ہمیں اور سے کرنی ہے نئی یاری کیا

جوں حباب آئے ہیں ملنے کو نہ ہو چیں بہ جبیں
ہم سے اک دم کے لیے کرتے ہو بیزاری کیا

تیغ ابرو کی تو الفت نے کیا دل کو دو نیم
دیکھیں اب کرتی ہے کاکل کی گرفتاری کیا

پھر سنان مژہ دل پہ وہ اٹھاتا ہے نظیر
زخم شمشیر نگہ آہ نہیں کاری کیا

(71)

اس نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا
ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا

آن کیا کیا دلبری نے دی دکھا
شوخ نے جب پان کھا کر ہنس دیا

ایک بوسے کی طلب کی ہم نے جب
پاس لا منہ پھر ہٹا کر ہنس دیا

ہم نے پوچھا کل نہ آئے کس لیے
پاؤں کی مہندی دکھا کر ہنس دیا

ایک دن اس نے بوقت اختلاط
خوب ہم کو گد گدا کر ہنس دیا

ہم نے جب کی گد گدی اس کے نظیر
پھر تو کیا کیا کھل کھلا کر ہنس دیا

(72)

خرام ناز سے اس شوخ نے دامن کو جب جھٹکا
ہماری خاک نے کیا کیا ہوا کے ساتھ سر پٹکا
نہیں گھٹا 1 عبادت کا ترے ماتھے پہ اے زاہد
نشاں ہے یہ کسی محبوب بے پروا کی چوکھٹ کا
عبث محنت ہے کچھ حاصل نہیں پتھر تراشی سے
یہی مضمون تھا فرہاد کے تیشے کی کھٹ کھٹ کا
نظیر آرام سے گر تجھ کو اس دنیا میں رہنا ہے
سوا اللہ کے ہرگز کسی سے دل کو مت اٹکا

(73)

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا
کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال
اے ہم نے گو نشہ بھی پیا، پھر کسی کو کیا
اس بے وفا نے ہم کو اگر اپنے عشق میں
رسوا کیا، خراب کیا، پھر کسی کو کیا
آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک

آپی سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا
دنیا میں آ کے ہم سے برا یا بھلا نظیر
جو کچھ کہ ہو سکا سو کیا پھر کسی کو کیا

(74)

آغوش تصور میں جب ہم نے اسے مسکا
لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا
اس تن کو نہیں طاقت شبنم کی تلبس کی
اے دست ہوس اس پر تو قصد نہ مس کا
سو بار حریر اس کا مسکا تنہ گل سے
شبنم سے کب اے بلبل پیراہن گل مسکا
ماتی ہے پری آنکھیں اور حور جبیں سا ہے
ہے نقش جہاں پارہ اس پائے مقدس کا
تر رکھیو سدا یا رب تو اس مژۂ تر کو
ہم عطر لگاتے ہیں گرمی میں اسی خس کا
اس گریہ خونی کی دولت سے نظیر اپنی
اب کلبہ احزاں میں کل فرش ہے اطلس کا

(75)

جال میں زر کے اگر موتی کا دانا ہو گا
وہ نہ اس دام میں آوے گا جو دانا ہو گا

دام زلف اور جہاں خال کا دانا ہو گا
پھنس ہی جاوے گا غرض کیسا ہی دانا ہو گا

دل کو ہم لائے تھے مژگاں کی صفیں دکھلانے
یہ نہ سمجھے تھے کہ تیروں کا نشانہ ہو گا

آج دیکھ اس نے مری چاہ کی چتون یارو
منھ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہو گا

پھر نظیر دیکھیں گے اس عہد شکن کی صورت
دیکھئے کون سا یا رب وہ زمانا ہو گا

خوں بہانے کا مرے حشر میں جب ہو گا بہا
دیکھیں کیا اس گھڑی قاتل کو بہانا ہو گا

وہ بھی کچھ ایسی ہی کہدیگا کہ جس سے اس کو
بات کی بات بہانے کا بہانا ہو گا

تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہو گا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہو گا

(76)

مانی 1 نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

اس ابرو خم دار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت، دم شمشیر کا نقشا

مژگاں کو تری دیکھ، یہ کہتے ہیں سپاہی
"تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا"

یہ زلف سیہ عارض قاتل پہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا، آہ!
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

کیا گردش ایام ہے، اے آہ جگر سوز
الٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

دن رات ترے کوچے میں رو دیے ہے ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

میں تو صف محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان
رانجھا 2 کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوئے شیر کا نقشا

یہ تربت مجنوں پہ نہیں گھانس اگی یار
لیلےٰ کی یہ ہے زلف گرہ گیر کا نقشا

تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

''قاصد، صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟''
حرفِ عتاب، یا سخنِ دل کشا کہا؟
تجھ کو قسم ہے، کیجیو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اس نے مجھے برملا کہا
قاصد نے جب تو سن کے کہا کیا ''کہوں میں یار''
پہلے مجھی کو اس نے بہت ناسزا کہا
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجھلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا برا کہا
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بار ہا کہا
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بے جا کہا یہ اس نے مجھے، یا بجا کہا
کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اس کو خط میاں
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا

(78)

ہاتھ اس کا جب نقاب کے گوشے تلک [3] گیا
گوشہ اٹھا تو نور کا بقعہ [4] جھلک گیا
ساقی نے بھر کے جام دیا ہم کو اس طرح
جب لب تک آتے آتے کئی جا چھلک گیا
آیا نظر وہ حسن جو اس کا تو دم بدم
گھر تک میں اس جھلک سے جھپکتا پلک گیا

نالہ شب فراق میں نکلا تو اس کا شور
ایسا ہوا کہ تاسر بام فلک گیا
اشک اس قدر ڈھلا کہ ہر اک قطرہ اے نظیرؔ
اک پل مژہ کے پاس نہ ٹھہرا ڈھلک گیا

(79)

ہوش و خرد کو کر دیا ترک اور شغل جو کچھ تھا چھوڑ دیا
ہم نے تمہاری چاہ میں اے جاں دیکھو تو کیا کیا چھوڑ دیا
کوچے میں اس رشک چمن کے جا کچھو بیٹھا پھر اس نے
باغ و چمن یاں جتنے ہیں سب کا سیر و تماشا چھوڑ دیا
لوٹا ہوش اور لوٹا دیں کو دل بھی کچلا کیا کیا واہ
ناز کو اس نے آج تو کچھ بیداد پہ ایسا چھوڑ دیا
دن کو ہمارے پاس وہ چنچل کاہے کو آوے گا اے دل
رات کو اک دم خواب میں آنا جس نے ادھر کا چھوڑ دیا
طائر دل جب ہم سے گیا پھر فائدہ کیا جو پوچھیں نظیرؔ
شوخ نے اس کو ذبح کیا یا قید رکھا یا چھوڑ دیا

(80)

نیچی نگہ کی ہم نے تو اس نے منہ کا چھپانا چھوڑ دیا
کچھ جو ہوئی پھر اونچی تو رخ سے پردہ اٹھانا چھوڑ دیا
زلف سے جکڑا پہلے تو دل پھر اس کا تماشا دیکھنے کو

نظروں کا اس پہ سحر کیا اور کر کے دوانا چھوڑ دیا

اس نے اٹھایا ہم پہ طمانچہ، ہم نے ہٹایا منھ کو جو آہ

شوخ نے ہم کو اس دن سے پھر ناز دکھانا چھوڑ دیا

بیٹھ کے نزدیک اس کے جو اک دن پاؤں کو ہم نے چوم لیا

اس نے ہمیں بے باک سمجھ کر لطف جتانا چھوڑ دیا

پھر جو گئے ہم ملنے کو اس کے، دیکھ کے اس نے ہم کو نظیر

یوں تو کہا "ہاں آؤ جی" لیکن پاس بٹھانا چھوڑ دیا

(81)

ڈر اس کے دل کو ہجر میں کب یاس کا لگا

ہے دھیان جس کو وصل کی یاں آس کا لگا

صبح گلو کے نور سے کیا کیا جھلک گیا

تکمہ جو اس کی جیب میں الماس کا لگا

اے زلف یار کیا ہمیں سنبل کی بو سے کام

ہے یاں تو دل کو عشق تیری باس 1 کا لگا

دیکھا تو ہم نے چھپ کے اسے تو بھی جی کو خوف

ہے اس کے تاڑ جانے کے وسواس کا لگا

زخم اس نگہ کی تیغ کا دل پہ میاں نظیر

صد حیف ایک تو لگا اور پاس 2 کا لگا

(82)

دل میں جب چاہ نے قیام کیا
عقل کی پختگی کو خام کیا
چپکے چپکے ہی لے لیا دل کو
نگہ شرگیں نے کام کیا
منع تھا اشک کا بہا دینا
پر جفا نے جو ازدحام 1 کیا
اٹھ چلے دل سے آنسو جب تو نظیر
چاہ نے رکنے کا پیام کیا
جب یہ دیکھا تو ہو کے پھر لاچار
خانہ چشم نے قیام کیا

(83)

دن کتنے ہم میں اور اس میں ہر وقت یہی ایراد 2 رہا
ہم کرتے ادھر سے چاہ رہے وہ کرتا ادھر بیداد رہا
صحرائے جنوں کے پھرنے سے جو خار چبھے تھے پاؤں میں
ہر چند نکالے مدت تک پر تو بھی اور ایک آد رہا
وہ چشم گلابی دیکھی جب یوں بادہ کشی کو بھولے ہم
تھے کہتے مے کا جام جسے پھر نام نہ اس کا یاد رہا
گو ناز اٹھائے ظلم سہے یا کھینچے رنج بہت لیکن
شمشاد قدوں کی چاہت میں ہاں دل تو ہمارا شاد رہا
کہنے کو نظیر البتہ الگ یہاں چاہ سے تھا پر دل اس کا

تھا زلف بتاں کے پھندے میں گو ظاہر میں آزاد رہا

(84)

دل نہ لو، دل کا یہ لینا ہے نہ اخفا ہو گا
اس کو دل کہتے ہیں بس لیتے ہی چرچا ہو گا
تم کو ہر آن ادھر ہووے گی حسن آرائی
ہم کو ہر لحظہ ادھر ذوق تماشا ہو گا
ہم بھی سوچا ہے دیکھیں گے تمہاری جانب
تم سے بھی ضبط تبسم نہ پھر اصلا ہو گا
جونہی ہم دیکھیں گے تم اور متبسم ہو گے
چاہ کا غنچہ سر بستہ وہیں وا ہو گا
گفتگو ہووے گی باہم جو اشارات 3 کے ساتھ
متن اس کا بھی حریفوں میں محشی ہو گا
پاؤں تک ہاتھ جو لاویں گے کسی عذر سے ہم
تاڑنے والوں میں شور اس کا بھی برپا ہو گا
جب یہ تقریر سنی اس شہ خوباں نے نظیر
ہم سے دل لے لیا اور ہنس کے کہا کیا ہو گا

(85)

کل جو رخ عرق فشاں یار نے تک دکھا دیا
پانی چھڑک کے خواب سے فتنے کو پھر جگا دیا

گزرے جو سوے خانقاہ واں بھی بشکل جانماز

اہل 4 صلاح و زہد کو فرش کیا بچھا دیا

نکلے جو راہ دیر سے اک ہی نگاہ مست میں

گبر کا صبر کھو دیا بت کو بھی بت بنا دیا

سن کے ہمارے حال کا یار نے اک سخن نظیر

ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرا دیا

(86)

سبھوں کو مے ہمیں خوناب دل پلانا تھا

فلک مجھی پہ تجھے کیا یہ زہر 5 کھانا تھا

لگی تھی آگ جگر میں بجھائی اشکوں نے

اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا

نگہ سے اس کی بچانا میں کس طرح دل کو

ازل سے یہ تو اسی تیر کا نشانا تھا

نہ کرتا خوں میں ہمیں کس طرح وہ رنگیں آہ

اسے تو ساتھ ہمارے یہ رنگ لانا تھا

شب فراق کی ادنیٰ سی اک یہ حالت ہے

کہ تھا جو گھر سو ہمارا وہ قید خانا تھا

جو کروٹیں تھیں سو وہ بیکلی کی شدت تھی

جو خواب تھا سو وہ دل غش میں ڈوب جانا تھا

غرض نہ سر کی خبر تھی نہ پا کا ہوش نظیر

سرھانا پائینتی اور پائینتی سرھانا تھا

(87)

شہر دل آباد تھا جب تک وہ شہر 1 آرا رہا
جب وہ شہر آرا گیا پھر شہر دل میں کیا رہا
کیا رہا پھر شہر دل میں جز ہجوم درد و غم
تھی جہاں فوج طرب، واں لشکر غم آ رہا
آ رہا آنکھوں میں دم، تو بھی نہ آیا وہ صنم
حیف کس سے پوچھیے جا کر کہ وہ کس جا رہا

(88)

عیسیٰ کی قم سے حکم نہیں کم فقیر کا
ارنیٰ 2 پکارتا ہے صدا دم فقیر کا
خوبی بھری ہے جس میں دو عالم کی کوٹ سب
اللہ نے کیا ہے وہ عالم فقیر کا
سب جھوٹ ہے کہ تم کو ہمارا ہو غم میاں
بابا کسے خدا کے سوا غم فقیر کا
ہم کیوں نہ اپنے آپ کو رو لیویں جیتے جی
اے دوست کون پھر کرے ماتم فقیر کا
مر جاویں ہم تو پر نہ خبر ہو یہ تم کو آہ
کیا جانے کب جہاں سے گیا دم فقیر کا

اب ہم پہ کیا گزرتی ہے اور کیا گزر گئی
کس سے کہیں وہ یار ہے محرم فقیر کا

جب جیتے جی کسی نے نہ پوچھا کہ مہرباں
پھر بعد مرگ کس کو رہا غم فقیر کا

ہو کیوں نہ اس کو فقر کی باتوں میں دستگاہ
ہے بالکا نظیر پہ آتم فقیر کا

(89)

کدھر ہے آج الٰہی وہ شوخ چھل 3 بلیا
کہ جس کے غم سے مرا دل ہوا ہے باولیا

تمام گوروں کے حیرت سے رنگ اڑ جاتے
جو گھر سے آج نکلتا وہ مرا سانولیا 4

تجھے خبر نہیں بلبل کے باغ سے گل چیں
بڑی سی پھولوں کی اک بھر کے لے گیا ڈلیا

نظیر یار کی ہم نے جو کل ضیافت کی
پکایا قرض منگا کر پلاؤ اور قلیا

سو یار آپ نہ آیا رقیب کو بھیجا
ہزار حیف ہم ایسے نصیب کے بلیا 5

خدا کے واسطے سمجھو نہ اس کو کوٹھے وال
فریب دیتا ہے تم کو یہ بو الہوس ٹلیا

ادھر تو قرض ہوا اور ادھر نہ آیا یار

پکائی کھیر تھی قسمت سے ہو گیا دلیا 6

(90)

ترے جمال کی سورج، جھلک نہ دیکھ سکا
کھلی نقاب رہی جب تلک، نہ دیکھ سکا
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
بشر تو کیا ہے، مری جاں، ملک نہ دیکھ سکا
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے
ہمیں تو، آہ؟ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا
یہ ناتواں ہوں، کہ آیا جو یار ملنے کو
تو صورت اس کی، اٹھا کر پلک، نہ دیکھ سکا
گھڑی تو دل کو پرویا، گھڑی جگر چھیدا،
کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا
لگا گھٹانے جو آب میکو دمبدم ساقی
ہمارے جام کی، شاید، چھلک نہ دیکھ سکا
نظیر تم سے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے،
یہ کیا کرے، کہ یہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(91)

عشق کا جو گل زخم دم شمشیر کھلا
رہ گیا جسم پہ مثل گل تصویر کھلا

طفل اشک، اے مژہ، چاہے کہ رہے تک تو اسے
پیار سے، مہر سے، الفت سے، بہ تدبیر، کھلا
محو تدبیر ہیں ہم، ایک خدا ہی جانے
کون سا گل ہے پس پردۂ تقدیر کھلا

(92)

ادھر اس کی نگہ کا ناز سے آ کر پلٹ جانا
ادھر مرنا تڑپنا غش میں آنا، دم الٹ جانا
کہوں کیا کیا میں نقشے اس کی ناگن زلف کے یارو
لپٹنا، اڑ کے آنا، کاٹ کھانا پھر پلٹ جانا
اگر ملنے کا ارادہ ہو تو یہ عیاریاں دیکھو
ہمکنا، آگے بڑھنا، پاس آنا اور ہٹ جانا
یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی
بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی، یہ یک رنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے
نہ کم ہونا نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ 1 میں بٹ جانا
نظیر ایسا جو چنچل، دلربا بہروپیا ہووے
تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

(93)

رخ تو وہ ماہتاب سا دیکھا

تن بھی موتی کی آب سا دیکھا
کی نگہ چشم پر تو اس کو بھی
ساغر پر شراب سا دیکھا
پیرہن برگ گل پہ جوں شبنم
عرق تن گلاب سا دیکھا
تھے کبھی ہم جواں نظیر اور اب
رنگ مویم ناب سا دیکھا
شام کی صبح ہو گئی دم میں
یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

(94)

جاہ میں اس کی دل نے ہمارے نام کو چھوڑا نام کیا
شغل میں اس کے شوق بڑھا کر کام کو چھوڑا کام کیا
زلف دوپٹہ دھانی میں کر کے پنہاں مرا دل باندھ لیا
صید نہ کھاوے کیونکر جلدے 2 جب سبزے میں پنہاں دام کیا
رم 1 اپنے ہووے دل کو غرہ نہایت تھا لیکن
چنچل آہو چشم نے اس کو ایک نگہ میں رام کیا
سمجھے تھے یوں ہم دل کو لگا کر پاویں گے یاں آرام بہت
حیف اس فہمید 2 نے ہم کو کیا کیا بے آرام کیا
ہم نے کہا جب ناز بتاں کے تم تو بہت کام آئے نظیر
سن کے کہا کیا آئے جی ہاں کچھ بت کے موافق کام کیا

(95)

چشم ساقی سے جس نے جام لیا
اس نے پھر نشہ مدام لیا
دل تغافل سے گر چلا جس دم
دست لطف صنم نے تھام لیا
صبح بہر سلام ہم نے نظیر
پہلے اک پر ادب مقام لیا
سر جھکا رکھ کے ہاتھ ماتھے پہ
وہ گھڑی جھک کے خم سے کام لیا
جب ذرا چشم کی اشارت سے
اس گل اندام نے سلام لیا

(96)

کسی کو بتا دھج 3 دکھا جا رہے گا
کسی کو دل اس سے لگا رہے گا
کسی چشم سے تیر مژگاں لگیں گے
کسی کا دل ان کا نشانا رہے گا
کہیں دل کو لے کر ہنسیں گے خوشی ہو
کہیں غم میں آنسو بہاتا رہے گا
کہیں شوخیاں ہوں گی ناز و ادا کی
کہیں دیکھ انہیں غش میں آتا رہے گا

یہ حسن اور نظیر عشق جب تک رہیں گے
میاں یاں یہی کارخانا رہے گا

(97)

جو پیش نظر وہ گل اندام ہو گا
تو دامن نگہ کا شفق فام ہو گا
نہ دیکھ اس کی مژگاں کو اے دل وگرنہ
ابھی چھد کے تو رشک بادام ہو گا
اگر چل گئی تیغ ابرو کی تجھ پر
تو بس ایک ہی وار میں کام ہو گا
دیا دل نظیر اپنا مدت سے تو نے
مگر دیکھیے کب وہ ہنگام ہو گا
لب جام سے لب لگے ہوں گے تیرے
اور آغوش میں وہ دل آرام ہو گا

(98)

خیال یار سدا چشم نم کے ساتھ رہا
مرا جو چاہ میں دم تھا وہ دم کے ساتھ رہا
گیا جدھر وہ پری رو جدھر جدھر یارو
میں اس کے سایہ صفت ہر قدم کے ساتھ رہا
پھرا جو بھاگتا مجھ سے وہ شوخ آہو چشم

تو میں بھی تھک نہ رہا گو وہ رم کے ساتھ رہا
لیا! اس کو نہ چھوڑا جو گھر سے نکلا وہ
ہر اک بہانے سے میں اس صنم کے ساتھ رہا
نظیر پیرا ہوا تو بھی بار ناز بتاں
کچھ اس کے دوش کے کچھ پشت خم کے ساتھ رہا

(99)

بے جا ہے رہ عشق میں اے گلہ پا
یہ اور ہی منزل ہے نہیں مرحلہ پا
ہنگام خرام اس کے، ہجوم دل عشاق
غش کردہ ہیں ٹھوکر کے بہر فاصلہ پا
کل بوسہ پا ہم نے لیا تھا سو نہ آیا
شاید کہ وہ بوسہ ہی ہوا آبلہ پا
اس پا کی رہ رشک میں نازک قدموں کے
پھرتے ہیں بھٹکتے ہوئے سو قافلہ پا
سو ناز سے ٹھوکر بسر عرش لگانا
اس گل کے سوا کس کا ہے یہ حوصلہ پا
گلبرگ پہ رکھتے ہی قدم ہنس کے جو کھینچا
شاید ہوئی سختی سے رگ گل خلہ 1 پا
دل سے رہ دل بستگی کب طے ہو نظیر آہ
وہ زلف مسلسل جو نہ ہو سلسلہ پا

(100)

ہے عزم کشور دل کی ادا کو غارت کا
فریب دے ہے تبسم ہمیں بشارت کا
بسا جو وادی میں جا کر تو وہ ملا آرام
کہ قیس بھول گیا نام بھی عمارت کا
دل اس کے آگے سے جلدی سرک میں کہتا ہوں
مجھے تو ڈر ہے نہایت تیری جسارت کا
بھویں تو کھنچ چکی ہیں کمان اے غافل
نگہ کا تیر ہے اب منتظر اشارت کا
نظیر سے ہیں جو پیری میں دلربا ملتے
یہ فیض اس کو در دل کی ہے زیارت کا

(101)

گل چیں نہ توڑ گل یہ بعید و قریب کا
بیٹھے بٹھائے دل نہ ستا عندلیب کا
جس کے شمیم زلف بھری ہو مشام میں
کیا رتبہ اس کے سامنے سنبل کی طیب کا
احوال دل جو ہم نے کل ایک دوست سے کہا
آیا سخن یہ گوش میں جب اس حبیب کا
اس کی دوا جو ہو تو کسی نازنیں سے ہو
اے مہرباں یہ کام نہیں ہے طبیب کا

اس کج کلہ کی چاہ کی مت کر ہوس نظیر
کیا اس نے دل قبول کیا تجھ غریب کا

(102)

اٹکا لیا جو زلف نے دل کو اٹک گیا
لٹکا لیا جو باندھ کے چیں سے لٹک گیا
جی ہو گیا اس آتشیں عارض کو دیکھ موم
دل بھی سپند وار ہوا اور چٹک گیا
کیا جانے اس کا پاؤں پڑا کس مژہ پہ آج
کانٹا سا کچھ جو دل ہمارے کھٹک گیا
دل لے گیا تھا شوخ جو کاکل سے باندھ کر
جلدی سے پھر جو زلف ہلا کر جھٹک گیا
آیا وہ ناپسند اسے جب تو اے نظیر
جس کی بلا تھی اس کے ہی سر پر پٹک گیا

(103)

تھا عہد یہ دل اس کو زنہار میں نہ دوں گا
دیکھا اسے تو بھولا ''زنہار میں نہ دوں گا''
بوسہ جو ہم نے مانگا دو چار باز اس سے
بولا کہ تو کیا کر تکرار میں نہ دوں گا
جب اس نے مجھ سے پوچھا تو دل پری کو دیگا

میں نے کہا یہ ہنس کر اے یار میں نہ دوں گا

سلک گہر نے مانگا ہار آنسوؤں کا جس دم

بولا نظیر اس سے زنہار میں نہ دوں گا

قدر اس کی چاہ میں ہے سو درج در سے افزوں

اے سلک در مکنوں یہ ہار میں نہ دوں گا

(104)

دل واں سے جو کل شتاب آیا

دلبر کو بہت عتاب آیا

مدت میں ذرا اٹھا دیا تھا

پھر چہرے پہ اب نقاب آیا

اس چشم کو دیکھ چشم نرگس

ایسی کھلی پھر نہ خواب آیا

پیری میں نظیر اپنے بر میں

وہ شوخ جو بے حجاب آیا

آ کر لگے کہنے اس سحر کو

آغوش میں آفتاب آیا

(105)

محفل میں اس کے پہونچے اور یار کو نہ دیکھا

بھولے ہمیں جو اپنی مقدار کو نہ دیکھا

عارض کے دیکھنے میں یوں محو ہو گئے ہم
جو ابرووں کی ہرگز تلوار کو نہ دیکھا
ایسا چھپایا اس نے زلفوں سے منھ کو ہم سے
چاہا بہت پہ اس کے رخسار کو نہ دیکھا
دل دیکھنے کو آیا یارو تو اس صنم نے
ناطاقتی میں اس کے اطوار کو نہ دیکھا
تیر نگہ لگایا ایسا نظیر جس کی
پیکاں تو کیا کہ ہم نے سوفار کو نہ دیکھا

(106)

اس نے کتابی رخ دکھا ہوش ہمارا کھو دیا
اک جھلک میں حرف صبر صفحۂ دل سے دھو دیا
چہرے کو جب چھپا لیا ناز سے اس کی شرم نے
دیکھی یہ شکل ہم نے جب بس نہ چلا تو رو دیا
مہندی سے ناخن اس کے سرخ دیکھے تو اس مکار نے
چٹکی وہ لی کہ دل میں آہ کیا کہیں کیا چبھو دیا
چھید لیا نگہ سے دل اس نے تو ہم نے دیکھ کر
نوک مژہ سے اشک کے قطروں کو لے پرو دیا
دیکھیں جفائیں اس کی جب، ہم سے کہا یہ جی نے آہ
کیا کہوں تجھ سے اے نظیر تو نے تو دل ڈبو دیا

(107)

ہے اب تو یہ دھن اس سے میں آنکھ لڑا لوں گا
اور چوم کے منھ اس کا سینے سے لگا لوں گا

گر تیر لگاوے گا پیام وہ نگہ کے، تو
میں اس کی جراحت کو ہنس ہنس کے اٹھا لوں گا

دل جاتے ادھر دیکھا جب میں نے نظیر اس کو
روکا ارے وہ تجھ کو لے گا تو میں کیا لوں گا

واں ابرو و مژگاں کے ہیں تیغ و سناں چلتے
ٹک سوچ تو میں تجھ کو کس کس سے بچا لوں گا

پڑ جاوے گی جب شہ 1 وہ اے دل تو بھلا پھر میں
کیا آپ کو تھاموں گا کیا تجھ کو سنبھالوں گا

(108)

اٹھاوے تو گر ناز اس دلستاں کا
نہیں کام اے دل یہ تجھ ناتواں کا

کیا دل کو زیر اک طمانچے میں یارو
زبردست ایسا ہے نازان بتاں کا

ہوئی تیغ ابرو سے دل کی وہ صورت
جو احوال ہوتا ہے مہ سے کتاں 2 کا

نظیر اب سنا ہے کہ اس تند خو نے
کیا بن کے خونخوار پھر قصد یاں کا

جو آتا ہے آنے دو اس تیغ زن کو

ڈرے وہ میاں جس کو خطرہ ہو جاں کا

(109)

ہوا مسکن اپنا در اس دلستاں کا
یہ سر ہو چکا اب اسی آستاں کا
ہمارے تحمل کو وہ جانتا ہے
اٹھاتا ہے جو ناز دل سے بتاں کا
طلب اس کے لب سے جو بوسہ کریں ہم
تو کب ہے یہ مقدور اپنی زباں کا
لگے کہنے جب حال اپنا تو اس نے
کہا طول چھوڑو نظیر اس بیاں کا
کوئی ایک دو بات کہنی ہو کہہ لو
میاں تم نے چھیڑا یہ قصہ کہاں کا

(110)

یہ بھلا ہوا جو اس نے نہ سحر نقاب الٹا
نہیں سوئے تحت 3 پھرتا وہیں آفتاب الٹا
مجھے بیقرار کرتا جو نہ تھا اسے تو پھر کیوں
بصد انتظار آ کر بصد اضطراب الٹا
خجل اس کے آگے ہونے میں لگا تو وہ نگہ کی
کہ پہونچ کے تا در دل وہیں پھر حجاب الٹا

کہا پاؤں داہنے کو میں نے چوم لی کف پا
تو بجائے لطف کیا کیا بسر عتاب الٹا

مری خاک پر جو آیا تو ہنسا کہ لے یہ گل ہیں
یہی گل کھلا کے واں سے وہ صنم شتاب الٹا

بھرے جام چشم کیا کیا مئے اشک سے وہ میکش
جو اخیر بزم دیکھے قدح شراب الٹا

گیا گھر نظیر اس کے بہزار نامرادی
یہ ہزار شکر وہاں سے وہ ہو کامیاب الٹا

(11)

خط بھی آیا تو بھی ظالم مجھ کو ترساتا رہا
جیسے شرماتا تھا جب ویسے ہی شرماتا رہا

آہ کے نالے کے ٹھنڈی سانس کے یا اشک کے
اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا

سہو سے ایک شب جو میرا لگ گیا زلفوں کو ہاتھ
کیا کہوں کیا کیا بلا سر پر مرے لاتا رہا

وہ تو وہ اس پر اس کی کج ذاتی کو دیکھا چاہیے
زلف کافر کا بھی ایک اک بال بل کھاتا رہا

اٹھ گیا پردا جو اس رشک پری کے منھ سے رات
اس قدر دل غش میں آ کر آپ سے جاتا رہا

جو سر اس کا رکھ کے زانو پر میں چشم تر سے آہ
دو گھڑی تک پانی اس کے منھ میں ٹپکاتا رہا

یار سے ہو کر خفا غیروں سے کیا ملنا نظیر
منھ سے ٹھہرا بیر جب پھر دل سے کیا ناتا رہا

(112)

کیا ڈھب ہے دل کو لینا اور اجتناب کرنا
آپ عشرتوں سے رہنا ہم کو خراب کرنا
کیا جانے یاد آئی کس شوخ چلبلے کی
کچھ بے طرح ہے دل کا آج اضطراب کرنا
پیتے ہیں مدتوں سے ناصح جو ہم تو اس کو
کہنے سے تیرے کب ہو ترک شراب کرنا
بھولیں نظیر کیونکر ہم اس معاملے کو
دیکھا جو خواب میں بھی اس کا حجاب کرنا
اپنا وہ پاس جانا، کہنا کہ ملیے اے جاں
اس کا پرے [1] سرکنا، رکنا، عتاب کرنا

(113)

شیوۂ ناز ہوش چھل جانا
طرز رفتار دل کچل جانا
صف مژگاں کے جھوک سے گر کر
ہم سے کب ہو سکا سنبھل جانا
اس نے آنے کہا صبح، اے رشک

تو پلک سے نہ ایک پل جانا
ہم ابھی منتظر ہیں آنے کے
دن ڈھلے گا تو تو بھی ڈھل جانا
دل نے سیکھا ہے بے طرح سے نظیر
بن کہے، بن سنے، نکل جانا

(114)

ہے ناز اسے ہر دم، میں منتظر آنے کا
اب دیکھیے جلوہ ہو کس طرفہ بہانے کا
دیکھ اس صف مژگاں کو وہ شکل ہوئی دل کی
ہو جاتا ہے تیروں سے جو حال نشانے کا
صد چاک ہوا کیا کیا دل رشک کے آرے سے
جب رابطہ نظر آیا اس زلف سے شانے کا
ہر لحظہ نئی چھیڑیں ہر دم خلش تازہ
ہے کام بہت مشکل کچھ ناز اٹھانے کا
ٹھہرا تھا نظیر آنا اور یاں جو نہ آیا وہ
کچھ ناز کیا شاید پھر راہ دکھانے کا

(115)

ادا کے تو سن پر اس صنم کو جو آج ہم نے سوار دیکھا
تو ملتے ہی تک عناں کے کیا کیا کھلتے صبر و قرار دیکھا

جھپک پہ مژگاں کے جب نگہ کی تو اس نے اک پل میں ہوش اڑایا
جو چشم و غمزہ کی طرز دیکھی تو جادو اس کا شعار دیکھا
جو دیکھی اس کی وہ تیغ ابرو تو جی کو ہیبت نے آن گھیرا
نگہ جو کاکل کے دام پر کی تو دل کو اس کا شکار دیکھا
حنا جو ہاتھوں میں اس کے دیکھی تو رنگ دل کا ہوا عجب کچھ
کمر بھی دیکھی تو ایسی نازک کہ مو بھی اس پر نثار دیکھا
وہ دیکھا لیتا ہماری جانب تو اس میں ہوتی کچھ اور بھی
پر اس نے ہرگز ادھر نہ دیکھا نظیر ہم نے ہزار دیکھا

(116)

اگر ہے منظور یہ کہ ہووے ہمارے سینے کا داغ ٹھنڈا
تو آ لپٹ کے گلے سے اے جاں جھمک سے کر جھپ چراغ ٹھنڈا
ہم اور تم ایک جان دو قالب تمہارا میرا ہے ایک تن من
لگایا تم نے جبیں پہ صندل ہوا ہمارا دماغ ٹھنڈا
لبوں سے لگتے ہی ہو گئی تھی تمام سردی دل و جگر میں
دیا تھا ساقی نے رات کو کچھ ایسی مے کا ایاغ ٹھنڈا
درخت بھیگے ہیں کل کے مینہ سے چمن چمن میں بھرا ہے پانی
جو سیر کیجیے تو آج صاحب عجب طرح کا ہے باغ ٹھنڈا
وہی ہے کامل نظیر اس جا، وہی ہے روشن دل اے عزیزو
ہوا سے دنیا کی جس کے دل کا نہ ہووے ہرگز چراغ ٹھنڈا

(117)

شب مہ میں دیکھ اس کا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے یوں چمک چمک کے چلنا
روش ستم میں آنا تو قدم اٹھانا جلدی
جو رہ کرم میں آنا تو ٹھٹھک ٹھٹھک کے چلنا
دھڑک ہو جو نکلنا تو سر خطر پہ ٹھوکر
جو نظر گزر سے ڈرنا تو جھجک جھجک کے چلنا
جو نوازشوں میں آنا تو رگڑ کے دوش جانا
جو سرعتاب ہونا تو پھڑک پھڑک کے چلنا
ہے کھبا نظیر اب تو مرے جی میں اس صنم کا
وہ اکڑ کے دھج دکھانا وہ ہمک ہمک کے چلنا

(118)

آن نے دل لے لیا جیسے کہوں اس آن کیا
اب ادا کی تاب لاؤں ایسی مجھ میں جان کیا
لے کے دل پھر بیٹھا ہے وہ دین لینے وہ بھی ہم
دل دیا جس کو نہ دیں گے اس کو ہم ایمان کیا
جانے پاتا واں نہیں یاں گھر میں دل لگتا نہیں
میں کروں یارو بھلا اس درد کا درمان کیا
کر کے دل خوگر تبسم سے جو لی تیوری چڑھا
تم نے تو یہ طرز کی اب میں کروں اے جان کیا
کیوں ہوس کرتا ہے بیجا ہو کے بیقدر اے نظیر

اس کی محفل میں تجھے گر دخل ہوا مکان کیا

(119)

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کہ وہ کیا چیز تھا ہاں باندھ لیا
ہم نے جب بات کی اس غنچہ دہن سے کھل کر
پہلے جب اس کے رقیبوں کا دہاں 1 باندھ لیا
جنت و خلد و ارم سب نظر آ جاتے ہیں
دھیان محبوب کے کوچے کا جہاں باندھ لیا
گر کہے کوئی کہ ہم زلف سے چھوٹ آئے ہیں
سب غلط، پھر کوئی چھوٹے ہے جہاں باندھ لیا
ہنستے ہنستے یہ کہا میں نے کل اس سے، اے جاں
سچ کہوں تم نے مرے دل کو کہاں باندھ 2 لیا
دل کو خوباں سے مگر ریختے کہہ کہہ کے نظیر
کوئی دن ہم نے بھی خوب اپنا سماں باندھ لیا

(120)

اس نے کہا کہ مجھ سوا غنچہ دہن ہے کون سا
میں نے کہاں کہ واقعی اس میں سخن ہے کون سا
دیکھے ہے کیا چمن کو تو جس کی چمن ہے رنگ و بو
دیکھے تو دیکھ اسے کہ وہ رشک چمن ہے کون سا

قبلہ نما کی طرح سے تکتی ہے جس کو چشم خلق

ایسے تو اب تمہیں ہو اور قبلہ من ہے کون سا

لعل و در اس کے دیکھ کر ہم نے نجانا پھر کے یاں

لعل یمن ہے کون سا در عدن ہے کون سا

اس کی جو بوئے زلف سے رکھے ہے عزم ہمسری

میں بھی تو دیکھوں ٹک اسے مشک ختن ہے کون سا

تو جو نظیر شادماں بیٹھا ہے گھر بنا کے یاں

کچھ تو خیال کر میاں تیرا وطن ہے کون سا

(121)

گرم یہاں یوں تو بڑا حسن کا بازار رہا

میں فقط ایک دکاں ہی کا خریدار رہا

جب سے دیکھا اسے پھر آئینہ چشم کے بیچ

تادم مرگ وہی عکس نمودار رہا

کس طرح دیکھتے ہم جا کے چمن میں سنبل

دل تو اس کا کل مشکیں کا گرفتار رہا

آ پھنسا جو کوئی اس دام گہ ہستی میں

تھا جو دانا تو بہت زیست سے بیزار رہا

بس جو ہوتا تو نہ رہتا کبھی دنیا میں نظیر

تھا جو بے بس کوئی اس دام میں ناچار رہا

(122)

آنے کا عہد اس کے گر یچ نظر میں آتا

تو اشک لخط کیوں چشم تر میں آتا

پہلو میں اپنے ہوتا کیا کیا سرور دل کو

گر ایک دم ہمارے وہ شوخ بر میں آتا

تیر نگاہ چلتا اس کا تو پھر وہ ہمدم

جاتا کہیں نہ ہرگز سیدھا جگر میں آتا

طائر کو دل کے اس نے باندھا نظیر جو تھا

چھٹتا تو وہ ادھر کو اک پہر بھر میں آتا

شہرت جو ہے کہ چھوٹا شاید غلط ہے یارو

گر چھوٹتا تو آخر اپنے ہی گھر میں آتا

(123)

محفل میں اپنی ہم کو جس دم وہ بار دے گا

اپنا نہال الفت اس دن ہی بار دے گا

دست حنائی اس کے مت دیکھ ہر دم اے دل

پھر ہاتھ سے تو اپنا صبر و قرار دے گا

دیکھ اس سے ہم کو ناخوش اک ہمنشیں نے پوچھا

بن دیکھے اس کے تم کو یہ دل قرار دے گا

ہم نے کہا کہ اب تو ہم اس گھڑی ملیں گے

جب ایک بوسہ ہم کو وہ گلعذار دے گا

بولا نظیر تم کو ہے چار دن کی چاہت

وہ تند خو تمہیں تو کیا ایک چار دے گا

(124)

کچھ تو ہو کر وہ بدو کچھ ڈرتے ڈرتے کہہ دیا
دل پہ جو گزرا تھا ہم نے آگے اس کے کہدیا
باتوں باتوں میں جو ہم نے درد دل کا بھی کہا
سن کے بولا تو نے یہ کیا بکتے بکتے کہدیا
اب کہیں کیا اس سے ہمدم دل لگاتے وقت آہ
تھا جو کچھ کہنا سو وہ تو ہم نے پہلے کہدیا
چاہ رکھتے تھے چھپائے ہم تو لیکن اس کا بھید
کچھ تو ہم نے سامنے اک ہمنشیں کے کہدیا
یہ ستم دیکھو ذرا منھ سے نکلتے ہی نظیر
اس نے اس سے، اس نے اس سے اس نے اس سے کہدیا

(125)

کہا تھا ہم نے تجھے تو اے دل کہ چاہ کی مے کو تو نہ پینا
جو اس کو پی کر تو ایسا بہکا کہ ہم کو مشکل ہوا ہے جینا
جو آنکھیں چنچل کی دیکھیں ہم نے تو نوک مژگاں نے دل کو چھیدا
نگہ نے ہوش و خرد کو لوٹا ادا نے صبر و قرار چھینا
کہا جو ہم نے کہ آن لگیے ہمارے سینے سے اس دم اے جاں
تو سن کے اس نے حیا کی ایسی کہ آیا منھ پر وہیں پسینا

کیا ہے غصہ میں ہاتھ لا کر میرا گریبان جو ٹکڑے اس نے
پھٹا ہی رہنا ہے اب تو بہتر نہیں مناسب کچھ اس کو سینا
کہا تھا آؤں گا دو ہی دن میں و لے نہ آیا وہ شوخ اب تک
گنا جو ہم نے نظیر دل میں تو اس سخن کو ہوا مہینا

(126)

صنم کے کوچے میں چھپ کے جانا اگر یوں ہے خیال دل کا
پہ وہ تو جاتے ہی تاڑے گا پھر آنا ہو گا محال دل کا
گہر نے اشکوں کے یاں نکل کر جھمک دکھائی جو اپنی ہر دم
تو ہم نے جانا کہ موتیوں سے بھرا ہے پہلو میں تھال دل کا
کبھی اشارت، کبھی لگاوٹ، کبھی تبسم، کبھی تکلم
یہ طرزیں ٹھہریں تو ہم سے پھر ہو بھلا جی کیونکر سنبھال دل کا
وہ زلف پر پیچ و خم ہے اس کی پھنسا تو نکلے گا پھر نہ ہرگز
ہمارا کہنا ہے سچ ارے جی تو کام اس سے نہ ڈال دل کا
میں لحظہ لحظہ ہوں کھینچ لاتا وہ پھر اسی کی طرف ہے جاتا
کروں نظیر اس کی فکر میں کیا ہے اب تو میرے یہ حال دل کا

(127)

نہ چھوڑے دل کو وہ افسوں نگہ لڑانے کا
جو کچھ ہو دیر تو پھر ڈھب ہے مسکرانے کا
حیا سے وہ تو نہ کرتا نگہ، ولیکن ہے

یہ لطف پنچہ مژگاں کے گد گدانے کا

بتوں کی زلف فراموش دل کو ہو کیونکر

بسیرا بھولے ہے طائر کب آشیانے کا

پڑیں گے پاؤں ہم اس جامہ زیب کے اے دل

جو ہاتھ آ گیا دامن کسی بہانے کا

لیا جو دست حنا بستہ سے دل اس نے نظیر

یہی مآل ہے اس کے حنا لگانے کا

(128)

خوش ہوئی سینہ میں مژگاں کی جھپک تیر لگا

تو بھی اے جنبش ابرو کوئی شمشیر لگا

کیا ہی خوش وقت ہوا گر کے مرے دل کو صید

یعنی کیا خوب مرے ہاتھ یہ نخچیر لگا

ہم تو پھنستے نہ ترے دام میں لیکن ہیہات

لے گئی دل کو تری 1 زلف گرہ گیر لگا

میں کہا کیوں نہیں اس شوخ سے ملتا تو نظیر

سن کے اس بات کو یوں کہنے وہ دلگیر لگا

میں تو کیا پرزے اڑا دے وہ بھی اگر کوئی

اس کی دیوار سے دیوے مری تصویر لگا

(129)

گہ چشم اٹھا رخ پہ مرآت 2 لقا ہوتا
گہ سر بہ گریباں ہو ہم چشم حیا ہوتا
ہے ایک جو وہ کرتی اب تیغ سے ابرو کی
یہ فائدہ ہے یعنی یکتا سے دوتا ہوتا
اس نخلہ 3 قامت کا یہ پھل ہے کہ دیکھ اس کو
جوں نخل خزاں دیدہ بے برگ و نوا ہوتا
کاکل کے رسا کا بھی ہے لطف یہ کچھ جس سے
ہر صبح نسیم آسا زنجیر بپا ہوتا
گو حسن سے فندق کے دل شاد ہوا لیکن
پڑتا ہے کئی دن تک انگشت نما ہوتا
بالفرض سراپا پر ہو کوئی نظیر عاشق
اس سے بھی پھر آخر کو ہے بے سروپا ہوتا

(130)

گرم گلشن کا جو کل وہ رشک مہر و مہ گیا
جب پھرا واں سے تو گل بازار تک ہمرہ گیا
طرۂ آواز خندیدن سے کاہل پہر تک
گل سے زر بلبل سے چہ چہ کبک سے قہ قہ گیا
دیکھ اسے رنگ بہار و سرود گل اور آبجو
اک اڑا اک گر گیا اک جل گیا اک بہ گیا
ہو گیا سنتے ہی بیدم بیقرار و بے حواس
گوش دل میں نامہ بر کیا جانے کیا کچھ کہہ گیا

وائے آخر ہم رہے اور نے وہ سرو گلعذار
قصہ خوانوں کے مگر کہنے کو قصہ رہ گیا
کس توقع پر کرے یاں کی کوئی ثروت بہم
جب کہ خالی ہاتھ اسکندر سا شاہنشہ گیا
غور سے دیکھا تو اس کے طاق ہستی پر نظیر
اتنی حشمت تھی فقط اک آئینہ ہی رہ گیا

(131)

اس سرخ لب سے ہم نے لعل یمن کو دیکھا
جب ہنس دیا تو سلک در عدن کو دیکھا
تا رنگہ ہمارا ہے آج تک بھی رنگیں
کل ہم نے ایک ایسے گل پیرہن کو دیکھا
سنبل 1 ہوئی تصدق دیکھ اس صنم کے کاکل
نسریں 2 نثار لائی جب اس کے تن کو دیکھا
بلبل نے ہو کے نازاں کل یوں کہا جو ہم سے
میں نے تو گل کو تم نے اس گلبدن کو دیکھا
ہم نے نظیر ہنس کر جب اس کو یہ سنایا
تو نے چمن کو ہم نے رشک چمن کو دیکھا

(132)

دل ہم نے جو چشم بت بیباک سے باندھا

پھر نشہ صہبا ہے نہ تریاک 3 سے باندھا
اس زلف سے جب ربط ہوا جی کو تو ہم نے
شانے کا تصور دل صد چاک سے باندھا
دیکھا نہ قد سرو کو پھر ہم نے چمن میں
جس دن سے دل اس قامت چالاک سے باندھا
جو آہوئے دل بھا گیا اس صید فگن کو
جھپ اس نے اسے کاکل پیچاک 4 سے باندھا
اور جو نہ پسند آیا اسے وہ تو نظیر آہ
نے صید کیا اس کو نہ فتراک سے باندھا

(133)

پایا مزا یہ ہم نے اپنی نگہ لڑی کا
جو دیکھنا پڑا ہے غصہ گھڑی گھڑی کا
عقدہ تو نازنیں کے ابرو کا ہم نے کھولا
اب کھولنا ہے اس کی خاطر کی گل جھڑی 5 کا
اس رشک مہ کے آگے کیا قدر ہے پری کی
کب پہونچے حسنا س کو ایسی گری 6 پڑی کا
اس گلبدن نے ہنس کر اک لے کے شاخ نسریں
ہم سے کہا کہ کیجئے کچھ وصف اس چھڑی کا
جب ہم نظیر بولے، اے جاں یہ وہ چھڑی ہے
دل لوٹتا ہے جس پر جوں پھول پھنکھڑی کا

(134)

جن دنوں حسن بتاں کے دل پہ نظارہ تھا
سو بسو ہر دم رواں اور کو بکو آوارہ تھا

مدتوں میں ایک دن ہم دل سے ملنے کو گئے
کس لیے مربوط اس سے اپنا جی ہموارہ تھا

وہ تو لعل بے بہا تھا جا کے دیکھا ہم نے کیا
جور سے سنگیں دلوں کے شیشہ صد پارہ تھا

تھے پڑے پہلو کے نیچے جائے بستر خار و خس
اور بزیر سر عوض بالش کے سنگ خارہ تھا

کھو چکا تھا بیوفاؤں میں جو عمر اپنی نظیرؔ
لب پہ آہ سرد تھی اشکوں سے تر رخسارہ تھا

(135)

ہوا خورشید کے دیکھے سے دونا اضطراب اپنا
کہ یہ نکلا سحر کو اور نہ نکلا آفتاب اپنا

ترے منھ کے جو ہر دم روبرو آنے کو کہتا ہے
ذرا آئینہ لے کر منھ تو دیکھے آفتاب اپنا

نہ اتنا ظلم کر اے چاندنی بہر خدا چھپ جا
تجھے دیکھے سے یاد آتا ہے مجھ کو ماہتاب اپنا

خفا دیکھا ہے اس کو خواب میں دل سخت مضطر ہے
کھلاوے دیکھیے کیا کیا گل تعبیر خواب اپنا

سحر آسا عیاں ہوتے ہی لی راہ عدم ہم نے
ہوا آنا بھی اور جانا بھی ایسا کچھ شتاب اپنا
نظیر اس بحر میں فرصت کم اور عیش و طرب لاکھوں
تو پھر اب حق بجانب ہے، کرے کیا کیا جناب اپنا

(136)

عشق کا مارا نہ صحرا ہی میں کچھ چوپٹ 1 پڑا
ہے جہاں اس کا عمل وہ شہر بھی ہے پٹ پڑا
عاشقوں کے قتل کو کیا تیز ہے ابرو کی تیغ
تک ادھر جنبش ہوئی اور سر ادھر سے کٹ پڑا
اشک کی نوک مژہ پر شیشہ 2 بازی دیکھئے
کیا کلائیں کھیلتا ہے بانس پر یہ نٹ پڑا
شاید اس غنچہ دہن کو ہنستے دیکھا باغ میں
اب تلک غنچہ بلائیں لیتا ہے چٹ چٹ پڑا
دیکھ کر اس کے سراپا کو یہ کہتی ہے پری
سر سے لے کر پاؤں تک یاں حسن آ کر پھٹ پڑا
کیا تماشا ہے کہ وہ چنچل ہٹیلا چلبلا
اور سے تو ہٹ گیا پر میرے دل پر ہٹ 3 پڑا
کیا ہوا گو مر گیا فرہاد لیکن دوستو
بیستوں پر ہو رہا ہے آج تک کھٹ 4 کھٹ پڑا
ہجر کی شب میں جو کھینچی آن کر نالے نے تیغ
کی پٹے بازی ولے تاثیر سے ہٹ ہٹ پڑا

دل بڑھا کر اس میں کھینچا آہ نے پھر نیچہ
اے نظیر آخر وہ اس کا نیچہ بھی پٹ 5پڑا

(137)

کل جو وہ دلربا ادھر آیا
دل کو لینے کو تھا مگر آیا
دوسرے دن بھی شوخ مہر فزا
اس طرف جب ہوئی سحر آیا
پھر گیا دھج دکھا کے پھر دم میں
مسکراتا وہ سیمبر آیا
میں نے جانا یہ دل نہ چھوڑے گا
ہے اسی کی یہ تاک پر آیا
جب یہ دیکھا تو میں نظیر اک دن
خود ہی دل اس کے نذر کر آیا

(137)

جب ہمنشیں ہمارا بھی عہد شباب تھا
کیا کیا نشاط و عیش سے دل کامیاب تھا
حیرت ہے اس کی زود روی کی کہیں ہم آہ
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا
تھا جب وہ جلوہ گر تو دل و جاں میں دمبدم

عشرت کی حد نہ عیش و طرب کا حساب تھا
تھے باغ زندگی کے اسی سے ہی آب و رنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا
اپنی تو فہم میں وہی ہنگام اے نظیر
مجموعہ حیات کا لب لباب تھا

(139)

اگر اس گلبدن کا دل میں کچھ آثار ہو پیدا
تو پھر اپنے ہی سینے میں عجب گلزار ہو پیدا
ہم اپنے قتل ہونے کا بھی جوہر دکھا دیویں
اگر قاتل کی ابرو کی کہیں تلوار ہو پیدا
تجلی طور کی ٹھہری نگاہوں میں ٹھہر جائے
اگر موسیٰ سا کوئی طالب دیدار ہو پیدا
بس آئینے میں یکباری جمال اس کا نظر آوے
تو روز حشر تک اس میں نہ پھر زنگار ہو پیدا
اگر انکار کی لذت کو ہم سمجھیں تو پھر یارو
اسی انکار کے پردے میں پھر اقرار ہو پیدا
کروں زنار اپنی گردن ال کا نظیر اس کو
اگر اس زلف کافر کا کبھی اک تار ہو پیدا

(140)

دل پہ پریوں کی چاہت سے تو ہے مغرور کیا
ان کے دیوانوں میں تنہا ہے تو ہی مشہور کیا

وصف سن حور و پری کا یوں کہا یک یک نہ کر
حسن میں ہم سے زیادہ ہے پری اور حور کیا

جب کہا ہم تو تمہیں اٹھنے نہ دیں گے بزم سے
ہنس کے فرمایا کسی کی تاب کیا مقدور کیا

تم نے دل لیے ہیں پھر رکھتے ہیں اس کو تلخ کام
کیوں جی ان شیریں لبوں کا ہے یہی دستور کیا

منھ بنائے کس لیے بیٹھے ہو دل تو لے چکے
اب جبن کرنے سے پرچیں ہے تمہیں منظور کیا

جاں اگر درکار ہے تم کو تو کہتے کیوں نہیں
اس کا بھی دے ڈالنا اے جاں ہے ہم کو دور کیا

تو جو ہو کر دوبدو آج اس کو دیکھ آیا نظیر
اس کا بدلہ تجھ سے وہ لے گا تو ہے مسرور کیا

(141)

جب اس کے ہی ملنے سے ناکام آیا
تو یا رب یہ دل میرا کس کام آیا

کبھی اس تغافل منش کی طرف سے
نہ قاصد نہ نامہ نہ پیغام آیا

صد افسوس دم اپنا نکلا ہے کس دم
کہ جب گھر سے گھر تک وہ گلفام آیا

مجھے صبح کو قتل کر وہ مسیحا
جو گھر اپنے فرخندہ فرجام آیا
کسی نے مری بات بھی واں نہ پوچھی
اگرچہ ہر اک خاص اور عام آیا
غرض پھر اسی کو جو یاد آئی میری
تو گھبرا کے جس دم ہوئی شام آیا
جلایا اٹھایا گلے سے لگایا
عزیزو پھر آخر وہی کام آیا
گئی بیوفائی نظیر اب جہاں سے
وفاداریوں کا بھی ہنگام آیا

(142)

بحسب عقل تو کوئی نہیں سامان ملنے کا
مگر دنیا سے لے جاویں گے ہم ارمان ملنے کا
عجب مشکل ہے کیا کہیے بغیر از جان دینے کے
کوئی نقشہ نظر آتا نہیں آسان ملنے کا
ہمیں تو خاک میں جا کر بھی کیا کیا بیکلی ہو گی
جب آ جاوے گا اس غنچہ دہن سے دھیان ملنے کا
کسی سے ملنے آئے تھے سویاں بھی ہو 1 چلے اکدم
کہے دیتا ہوں یہ مجھ پر نہیں احسان ملنے کا
نظیر اک عمر ہم اس دلربا کے وصل کی خاطر
بہت روئے بہت چیخے پہ کیا امکان ملنے کا

ہماری بیقراری اضطرابی 2 کچھ نہ کام آئی
وہ خود ہی آملا جب وقت آیا ان ملنے کا

(143)

دریا وہ کوہ و دشت و ہوا ارض اور سما
دیکھا تو ہر مکاں میں وہی ہے رہا سما
ہے کونسی وہ چشم نہیں جس میں اس کا نور
ہے کونسا وہ دل کہ نہیں جس میں اس کی جا
قمری اسی کی یاد میں کو کو کرے ہے یار
بلبل اسی کے شوق میں کرتی ہے چہچہا
مفلس کہیں غریب تونگر کہیں غنی
عاجز کہیں نبل کہیں سلطاں کہیں گدا
بہروپ سا بنا کے ہر اک جا وہ آن آن
کس کس طرح کے روپ بدلتا ہے واہ وا
ملک رضا میں کے کے توکل کی جنس کو
بیٹھیں ہیں سب اسی کی دکانیں لگا لگا
سب کا اسی دکان سے جاری ہے کاروبار
لیتا ہے کوئی حسن کوئی دل ہے بیچتا
دیکھاجو خوب غور سے ہم نے تو یاں نظیر
بازار مصطفٰے ہے خریدار ہے خدا

(144)

لالے کو گو کہ لال کا پیالہ بنا دیا
پر ساتھ اس کے داغ بھی کیسا لگا دیا
گردوں نے ہم کو کیا نہ دیا اور کیا دیا
سب کچھ دیا اگر دل بے مدعا دیا
لے گل سے تابہ خار مرے دل کے باغ کو
اس شعلہ رو نے ایک نظر میں جلا دیا
اے ابر تر ہمارے بھی ابر مژہ نے آج
پل مارنے میں اشک کا دریا بہا دیا
خواب عدم میں ہم تو فراغت سے اے نظیر
سوتے تھے لیکن عشق نے آ کر جگا دیا

(145)

الفت نے اس کی اوج یہ ہم کو دلا دیا
جو رفتہ رفتہ خاک میں آ کر ملا دیا
شرمندۂ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب
کس باغباں نے گل کا گریباں سلا دیا
جیتے رہے فنا نہ ہوئے پھر بھی اب تلک
قاتل نے ہم کو مار کے ایسا جلا دیا
ساقی نے سب کو بھر کے دیے جام بزم میں
ساغر جو ہم نے مانگا تو شیشہ ہلا دیا
چاہا کہ مجھ سے پھر وہ نہ بولے کبھی نظیر

لوگوں نے بارے مغتیں کر کے ملا دیا

(146)

ایک دن آپ نے اس کا نہ کبھی دھیان کیا
جس نے یہ حسن دیا اور تمہیں انسان کیا
طور کر پھونک دیا اس نے تمہاری خاطر
چشم کے واسطے جب سرمے کا سامان کیا
ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر
کام مشکل تھا، پر اللہ نے آسان کیا

(147)

بہار آئی کیا ہر شاخ پر گل نے مکاں اپنا
بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا
بڑے حظ لوٹتے ہم بھی لب جو میکشی کر کر
اگر آتا چمن میں آج وہ سرو رواں اپنا
مقابل اس کے منھ کے گل کو تو کس منھ سے کرتا ہے
کہاں گل اور کہا وہ منھ تو دیکھ اے باغباں اپنا
عدم سے جو ہمیں اے ہمنشیں ہستی میں لایا ہے
وہی غمخوار اپنا، یار اپنا، مہرباں اپنا
اسی کی مہربانی سے سبھوں کی مہربانی ہے
ہوا جب وہ نظیر اپنا تو پھر ہے سب جہاں اپنا

(148)

دیا قاتل نے پہلی ہی نظر میں جان کو دہلا
الٰہی شرم رکھ لیجیو ابھی یہ وار ہے پہلا
بہ حق ذوالفقار حیدری ہم منھ نہ موڑیں گے
اگر زخموں سے بن جاوے گا، تن شمشیر کا دہلا
چمک جا پھر خدا کے واسطے اے طور کے شعلے
کہ مثل آتش افسردہ پھر کچھ دل چلا گہلا
جو شاعر ہے تو خالی ڈال مت اس یار کا کہنا
نظیر اب دیکھتا کیا ہے تو ہی یہ ریختہ کہہ لا

(149)

جھمک دکھاتے ہی اس دلربا نے لوٹ لیا
ہمیں تو پہلے ہی اس کی ادا نے لوٹ لیا
نگہ کے ٹھگ کی لگاوٹ نے فن سے کر غافل
ہنسی نے ڈال دی پھانسی، دغا نے لوٹ لیا
وفا جفا نے یہ کی جنگ زر گری ہم سے
وفا نے باتوں لگایا، جفا نے لوٹ لیا
لٹے ہم اس کی گلی میں تو یوں پکارے لوگ
کہ ایک فقیر کو ایک بادشاہ نے لوٹ لیا
ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے
کہ ہم کو راہ میں ایک آشنا نے لوٹ لیا

ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیر کو بھی اسی بے وفا نے لوٹ لیا

(150)

دل یار کی گلی میں کر آرام رہ گیا
پایا جہاں فقیر نے بسرام رہ گیا
کس کس نے اس کے عشق میں مارا نہ دم ولے
سب چل بسے مگر وہ دل آرام رہ گیا
جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر
خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

(151)

جو پوچھا میں نے یہاں آنا مرا منظور رکھیے گا
تو سن کر یوں کہا یہ بات دل سے دور رکھیے گا
بہت روئیں یہ آنکھیں اور پڑی دن رات روتی ہیں
اب ان کو چشم بھی کیجئے گا یا ناسور رکھیے گا
جو پردہ بزم میں منھ سے اٹھاتے ہو تو یہ کہہ دو
کہ پھر یاں شمع کی جلنے کا کیا مذکور رکھیے گا
دیا دل ہم نے تم کو اور تو اب کیا کہیں لیکن
یہ ویرانہ تمہارا ہے اسے معمور رکھیے گا
نظیر اب تو دل و جاں سے تمہارا ہو چکا بندہ

میاں اپنے غلاموں میں اسے مشہور رکھے گا

(152)

ادھر مدت ہوئی وہ حسرت گلشن نہیں آتا
شکار دل تڑپتا ہے شکار افگن نہیں آتا
نزاکت اور خوش اندامی زیادہ اس سے کیا ہو گی
مہ کنعاں کا جس کے بر میں پیراہن نہیں آتا
لڑی منھ سے نہ بولی روٹھ بیٹھی جھڑکیاں دے لیں
اسے سب کچھ بن آتا ہے مجھے کچھ بن نہیں آتا
طرح دینا، اڑا دینا، لگا دینا، بجھا دینا
یہ ڈھب ہیں یاد تس پر کچھ فریب و فن نہیں آتا
صریحاً یہ تو ضد ہے مجھ سے اس بیدرد ظالم کو
کہ ہر دم روٹھنا آتا ہے لیکن من نہیں آتا
نظیر اس شوخ نے سیکھی زباں فارسی جب سے
داوں کے حق میں جز بشکن اسے مشکن نہیں آتا

(153)

زیر فلک وہ خلق ہوئے ماہ پارہ ہا
دیکھے ہیں جن کو رشک سے چشم ستارہ ہا
ہر شب ترے فراق میں اے اختر مراد
اپنی ہر ایک آہ ہے گنج ستارہ ہا

ہے تو وہ مہر حسن کہ ہر دم تری طرف
گل اختر سپہر ہیں گرم نظارہ ہا
یوں سنگ ہجر توڑے ہے آئینہ ہائے دل
مینا کے ٹکڑے کرتے ہیں جوں سنگ خارہ ہا
کرتی ہے اک نگاہ کی گردش ہزار ناز
رکھتی ہے ایک جنبش ابرو اشارہ ہا
پیدا ہوئے وہ خلق انساں میں ذرا نظیر
کرتا ہے عرش جن میں یہ فدا گوشوارہ ہا

(154)

ہیں دم کے ساتھ عشرت و عسرت ہزار ہا
وابستہ ایک تار نفس سے ہیں تارہا
کچھ صید زخم خوردۂ جاناں ہمیں نہیں
ہر صیدگہ میں اس کی ہیں بسمل شکار ہا
آیا وہ جب تو ہم نے رہے آپ میں غرض
دیکھا اسی طرح سے، اسے ہم نے بارہا
اس گل کے چاک جیب کی حسرت سے باغ میں
ہر صبح چاک ہوتی ہے جیب و کنار ہا
اس سوزن مژہ کے تصور میں شانہ ساں
ٹوٹے ہیں ایک خلق کے پہلو میں خار ہا
کس کس کی دیکھیے چمن صنع میں بہار
اپنی فقط دو چشم ہیں اور یاں بہار ہا

تھے کل یہ خط عارض خوبان سبزہ رنگ
کہتے ہیں آج خلق جنہیں سبزہ زار ہا
تھے کل یہ شاہدان سہی سرو و سیم تن
شاہد ہیں آج مرگ کے جن کے مزار ہا
سب کو نظیر سونا ہے ایک دن بہ زیر خاک
سنگ مزار اس کے ہیں آئینہ دار ہا

(155)

یار نے ہم کو اگر رسوا کیا اچھا کیا
ہم تو رسوا ہیں ہی کیا بے جا کیا اچھا کیا
وصف اس کے حسن کا کل ہوا کس سے مگر
جس کے جتنا فہم میں آیا کہا اچھا کہا
آپ سے جب آپ کو ہم نے ملایا خاک میں
پھر تو جس جس نے جو کچھ چاہا کہا اچھا کہا
یار کے آگے پڑھا یہ ریختہ جا کر نظیر
سن کے بولا واہ واہ اچھا کہا اچھا کہا

(156)

دل فدا تجھ پہ جو اے سروگل اندام ہوا
حلقہ زلف بتاں پھر اسے کب دام ہوا
ہو گیا دیکھتے ہی مشرق خورشید خجل

اس کف پا سے مشرف جو سر بام ہوا
آ گیا میں وہ محبوب دل آرام نظیر
جب اسے دیکھ لیا تمہیں آرام ہوا

(157)

ترے رخسار رنگیں نے کیا دل زیر پھولوں کا
ترے حسنوں کی فوجوں نے دیا رخ پھیر پھولوں کا
بدن گل، چہرہ گل، لب گل، اور دہن ہے گل،
سراپا اب تو وہ رشک چمن ہے ڈھیر پھولوں کا
یہ پر بلبل کے اکھڑے مت سمجھ اے باغباں ہرگز
ہوا ہے میکدہ میں ٹوٹ کر یہ ڈھیر پھولوں کا
گلے میں ہار اور ہاتھوں میں گجرے ہو کے یوں لپٹے
خدا کے واسطے دیکھو ذرا اندھیر پھولوں کا

(158)

نہ ٹوکو دوستوں اس کی بہار نام خدا
یہی اب ایک ہے یاں گلعذار نام خدا
یہ وہ صنم ہے پریو کہ جس پہ ہوتی تھیں
ہزار جان سے پریاں نثار نام خدا
اسی صنم کی نگاہوں کی برچھیاں یارو
ہوئی ہیں جب میرے کلیجے کے پار نام خدا

اسی کے نشتر مژگاں میں اب وہ تیزی ہے
کہ جس سے ہوتے ہیں ہم دل فگار نام خدا
اسی صنم کے رخ و زلف کے تصور میں
ہماری گزرے ہے لیل و نہار نام خدا
گلی میں کوچہ و بازار میں ہم اب دن رات
اسی کے واسطے پھرتے ہیں خوار نام خدا
اسی کے سر کی قسم ہے کہ ہم تو مر جاتے
اگر نہ ہوتا یہ گل رو نگار نام خدا
بنے ہیں یاں جو کئی دیر اور صنم خانے
ادھر جو ہوتا ہے اس کا گزار نام خدا
اٹھا کے سینہ جھٹک بازو اور بنا کر دھج
چلے ہے جس گھڑی ٹھوکر کو مار نام خدا
قدم قدم پہ برہمن کہیں ہیں بسم اللہ
صنم بھی کہتے ہیں سب بار بار نام خدا
غرض جدھر کو نکلتا ہے یہ تو ہر اک کے
زباں سے نکلے ہے بے اختیار نام خدا
نظیر ایک غزل اور کہہ کر تیرے سخن
ہیں اب تو سب گہر آبدار نام خدا

(159)

نہ پہنے کیونکہ وہ پھولوں کے ہار نام خدا
ابھی تو اس کی نئی ہے بہار نام خدا

جو مجھ سے پوچھے ہے ہنس کر کہ میں پری ہوں کیا
تو میں یہ کہتا ہوں ہاں میرے یار نام خدا
نشے کی اب تلک آنکھوں میں کچھ نہ تھی مستی
پر اب کچھ آتا چلا ہے خمار نام خدا
وہ دو بدو کی نگاہیں لڑانا کیا جانے
حیا سے ہے وہ ابھی شرم دار نام خدا
ابھی تو اس کی بڑھائی ہے ہنسلیاں یارو
ابھی یہ آیا ہے چوٹی اتار نام خدا
مجھی سے لینے کی دل کے ہوئی ہے بسم اللہ
مجھی پہ اس کا پہلا ہے وار نام خدا
ابھی تو آنکھ اٹھا کر مجھی کو دیکھا ہے
ابھی تو مجھ سے ہی رکھتا ہے پیار نام خدا
میں اپنی دیکھ کے ایڑی یہ بات کہتا ہوں
نہ ہو گا ایسا کوئی وضع دار نام خدا
کمر کو باندھ کے اپنی، پری سے تو سن پہ
جدھر کو نکلے گا ہو کر سوار نام خدا
ادھر غرضکہ صفیں کی صفیں الٹ دیگا
کرے گا حشر سا ایک آشکار نام کدا
نظیر دیکھ اسے سب یہ مجھ سے کہتے ہیں
پری ہے یار تیرا، یہ تو یار، نام خدا

وہ رشک حور جو وقت سحر بے نقاب تھا
دیکھ اس کے رخ کو روبہ زمیں آفتاب تھا

اک دن، دل اپنا، عیش گزشتہ کو یاد کر
رہ رہ کے ہم سے مانگتا اس کا جواب تھا

یعنی وہ کیا زمانہ عشرت تھا اے نظیر
جس میں ہزار عیش سے میں کامیاب تھا

اب زار و ناتوان و ضعیف و نحیف ہوں
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

اک جنبش مژہ میں وہ برہم ہوا طلسم
کیا کہئے اس کو اور مگر یہ کہ خواب تھا

جب ہم نے دل سے بھر کے دم سرد یوں کہا
جس میں مئے طرب سے تو مست و خراب تھا

ہیہات کیا بتائیں ہم اس عصر خوش کا نام
اے غفلت انتما وہی عہد شباب تھا

تھی باغ زندگی کی اسی سے ہی آب و رنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام دل فروز
مجموعہ حیات کا لب لباب تھا

(161)

ہر ایک گھاٹ پہ ہے اب رواج پریوں کا
عجب نہان ہے دریا پہ آج پریوں کا

جو خوبرو ہیں ہم ان کے حکیم ہیں یارو
کیا ہے ہم نے ہمیشہ علاج پریوں کا
جدھر کو دیکھیے پریاں تمام پھرتی ہیں
ہوا جہان میں کیا یارو راج پریوں کا
نہ بیٹھے دل کا کبوتر کسی کے دانے پر
ہمیشہ اس نے تو کھایا ہے ناج پریوں کا
ملی کل ایک جو رنڈی سیاہ بدصورت
چمار دیکھ، کرے جس کو لاج پریوں کا
کہا نظیر تو ہم پاس کیوں نہیں آتا
کہ ہم نے حسن میں پایا ہے تاج پریوں کا
ہم آج وہ ہیں پری زاد گل بدن گل رو
کہ ہم کو حسن میں آیا خراج پریوں کا
یہ سن کے میں نے کہا بی یہ وہ مثل ہے آج
کہ ہو چڑیل کی صورت مزاج پریوں کا

(162)

ساقی بہار آئی اور جوش ہے گلوں کا
لا جام بھر کے سن لیں ٹک شور بلبلوں کا
دل لے کے تو بھی ظالم ملتا نہیں خوشی سے
شکوہ کروں میں کیا کیا اس کے تغافلوں کا
کل تو نظیر کیا کیا سیریں ہوئیں چمن میں
مدت کے بیچ نکلا ارمان دل جلوں کا

باران میں مے کشی کی ٹھہریں عجب بہاریں
کچھ باغ کی ہوائیں کچھ رنگ بادلوں کا
اس میں وہ شوخ گلرو منھ پاس میرے لا کر
بولا کہ لے لے بوسہ ان حسن کے گلوں کا
منھ دیکھ دیکھ اس کا میں نے کہا کہ پیاری
سمجھا ہوں میں، تمہارے انداز چوچلوں کا
رخسار کا تو بوسہ زنہار میں نہ لوں گا
اس کا ادب نہ رکھنا ہے فہم جاہلوں کا
ایسا ہی گر ہے دینا تو دیجئے لبوں سے
بوسہ لبوں کا لینا ہے کام کاملوں کا
جب تو وہ شوخ ہنس کر بولا یہ وہ مثل ہے
یعنی کہ گڑ تو کھاویں پرہیز گلگلوں کا

(163)

رتبہ کچھ عاشقی میں نہ کم ہے فقیر کا
ہیں جس کے سب صنم وہ صنم ہے فقیر کا
تکیہ اسے نہ بھول کے کہنا کبھی میاں
تکیہ نہیں یہ باغ ارم ہے فقیر کا
رہتا ہے پھر وہ پھولتا مثل سدا سہاگ
جس گلبدن پہ لطف و کرم ہے فقیر کا
گھٹ جائیں جس کو دیکھ کے لاکھوں تری گھٹا
اے ابر تر وہ دیدۂ نم ہے فقیر کا

لکھتا ہے بن تراشے ہی حرفوں کے جوڑ توڑ
اے خوشنویس یہ وہ قلم ہے فقیر کا
ظل ہما بھی واں سے سعادت کرے حصول
جس سر زمیں پہ نقش قدم ہے فقیر کا
ہیں زیر سایہ اس کے ہزاروں گدا و شاہ
بیرق اسے نہ کہہ یہ علم ہے فقیر کا
کیونکر لکھے نہ فقر کے شان و شکوہ کو
یارو نظیر پر بھی کرم ہے فقیر کا

(164)

لپٹ لپٹ کے میں اس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منہ آنسوؤں سے دھوتا تھا
تمام رات تھی اور کہنیاں و لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا
جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا
مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا
غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم
وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا
لٹا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم
میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھوتا تھا

وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر
میں اس کے چھینٹوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا
نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے
وہ غوطے دیتا تھا اور میں اسے ڈبوتا تھا
ہوا نہ مجھ کو مار آخر ان شرابوں کا
نظیر آہ اسی روز کو میں روتا تھا

(165)

اک پیچ پہ جو اس نے طرہ رکھا زری کا
سورج کی بھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا
جس دن سے حسن چمکا اس کا تو شہر دل میں
کیا کیا پڑا ہے یارو شور اس کی دلبری کا
عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جسکو
دیکھے تو ہوش آوے پرواز میں پری کا
آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو
کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا
کہیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے
جس کو مزا نہ پہونچے ہرگز شکر تری کا

(166)

کیا کیا نگہ لڑا کر اس فتنہ گر کو دیکھا

مدت میں آج میں نے دل کے جگر کو دیکھا
شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں
اس نازکی سے ہم نے اس کی کمر کو دیکھا
اجلا پن اس کے دیکھا دنداں میں ہم نے ایسا
جس کی جھلک سے میلا سلک گہر کو دیکھا
نوک مژہ نے اس کی لپ جھپ سے ہو کے شامل
دل کو پرویا جس دم ہم نے ادھر کو دیکھا
پوچھا نظیر چھیدا کیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اس نے ادھر کو دیکھا

(167)

مت مل پری رخوں سے اے دل دوانہ ہو گا
تیر نگہ پھینکیں گے اور تو نشانہ ہو گا
ایسا ہی حسن اس کا بڑھتا رہا تو اک دن
محبوب دہر ہو گا شوخ زمانہ ہو گا
ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا
گر لکھ رکھو گے اس کو رنگین فسانہ ہو گا
بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کرے گی
جب تیل پڑ کے اس میں جس وقت شانہ ہو گا
جب تو لگا کے منہدی نکلا نہ گھر سے ظالم
دیکھیں نظیر اس کا اب کیا بہانہ ہو گا

(168)

دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا
اس نے یہ بٹھایا اسے جو پھر نہ اچھالا
مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اسے تھام
نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا
دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اس کے
غمزے نے گرایا وہیں اک مار کے بھالا
زخمی اسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے
تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا
اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اس کے
جا تو ہی نظیر اب ادھر اور اس کو اٹھا لا

(169)

ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا
یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلےٰ
بہار گل کی تو آپہونچی تو بھی اے ساقی
گلابی مے کی دکھا ساغر پیاپے لا
دل اس سے ملنے کو یوں چاہتا ہے جوں بلبل
چمن میں گل سے لپٹتی ہے بال و پر پھیلا
وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے
پکارتا ہے پڑا ہر گھڑی وہی مے لا

ہوس تو گرم ہے اب تک کیا ہوا جو کیا
میاں نظیر کو پیری نے برف کا تھیلا

(170)

مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشک گل لا لا
پھولے ہے پڑا دل میں ترا چاہنے والا
عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ
خوبی کے گلستاں میں عجب شان سے بالا
سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل
اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا
مہتاب بھی منھ رشک سے ہالے میں چھپاوے
دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اجالا
دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں
واں بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا
دل طور تغافل سے جوں ہی گرنے پہ آیا
جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا
مشتاق نظیر اک نگہ لطف کا ہے یاں
اس کو بھی پلاوے کبھی اس مے کا پیالا

(171)

لاوے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا

جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

دل نیا ہم نے لگایا ہے بتا وہ مہرباں

اس کی ہے رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا

یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں

اس کے آگے مکر کیا، چھل کیا، فسوں کیا، زور کیا

یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو

بولا منھ کیا، دسترس کیا، تاب کیا، مقدور کیا

ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پری رو سے نظیر

روبرو کیا، در قفا کیا، متصل کیا دور کیا

(172)

یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا

اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہماں خانہ تھا

تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا بجاں

اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا

لے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات

غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا

کیا غم اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام

چشم معنی بیں میں یکساں ہے اگر تھا، یا نہ تھا

کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں

قطعہ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا

پر صفا و پر ضیا و پرنگار و پربہار

زیب سے سو سو طرح اس میں جو شاخ اور شانہ تھا

لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود
گریہ مینا و یکسر خندۂ پیانہ تھا

مالک اس کا جب وہ پشت بام پہ پھرتا تھا شاد
کیا کہوں کیا کیا اسے ناز سرا فرازنہ تھا

تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے
یک مژہ برہم زدن میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا

واں طنیں 1 یک مگس آئے نہ ہرگز گوش میں
جس جگہ شور قیامت ساز نوبت خانہ تھا

واں نظر آیا نہ ہرگز پارۂ سنگ سیاہ
جس جگہ لعل و گہر سے پر جواہر خانہ تھا

خوب جو دیکھا نظیرؔ ان رفتگاں کا ماجرا
بہر خوف و عبرت آئندگاں افسانہ تھا

(173)

تمہاری زلف کا اے یار ہم سے بل نہ گیا
ہمارے دل سے 2 اک بال بھر خلل نہ گیا

ہمیں ہیں دیکھ جو قدموں پہ گر رہے ہیں تیرے
وگرنہ یاں سے میاں ہاتھ کون مل نہ گیا

جلا کے پر جو لگن میں پڑا سلگتا ہے
پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا

(174)

دیکھیے جلوہ جو اس کے حسن بالادست [3] کا
حوصلہ اتنا کہاں اپنی نگاہ پست کا
بے صدا آ کر لگا اور ہو گیا سینے کے پار
یہ خدنگ صاف تھا کس بے نشاں کی شست [4] کا

(175)

اک پردۂ ہستی نہ رہا، جوں نظر آیا
وہ پردہ بر انداز ہمیں کیوں نظر آیا؟
اس مہر پر انوار سے، شبنم کی طرح، ہم
گم ہوتے گئے، ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

(176)

سر سبز دل جلوں کو نہ ہر گز کرے فلک
دانہ کہیں اگا ہے جو آتش میں بھن گیا
جب سے ہوئے ہیں وہ لب جاں بخش جلوہ گر
تب سے تمام نسخۂ عیسیٰ کا گن [5] گیا

(177)

لا کر ہر اک ادا میں وہ عیار چٹکا
چٹکی بجا کے چھوڑے ہے ہر بار چٹکا

سب جانتے ہیں چٹکا بازی نظیر کی
اس کے ہر اک سخن میں ہے اے یار چٹکا

ظاہر میں گرچہ وصل کی کہتا ہے مجھ سے بات
پہ دل میں اور کرتا ہے تیار چٹکا!



متفرقات ردیف الف

دل ہوا نظر دن سے بسمل ابروئے دلخواہ کا
تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ! کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

پہونچے نہ ذیل 1 وصف میں دست اس کے نام کا
موصوف ہو جو خاص خدا کے کلام کا

دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمیں پڑھتی ہے
آیہ انبتہ اللہ نباتا حسنا

چمن طراز حقیقی نے اپنی صنعت سے
کسی کو پھول بنایا، کسی کو گھاس گیا

وصل اس کا ہوتا کیونکر میسر
وہ نور جاں تھا، میں آب و گل تھا

جو وصف زلف کا پوچھا تو حلقے حلقے کو
مآب و مرجع و ملجائے صد اسیر کہا

دیکھ اسے رنگ بہار و سرو و گل اور جوبار
اک اڑا، اک گر گیا، اک جل گیا، اک بہ گیا

تو ہے وہ گل، اے جان، کہ ترے باغ میں ہے شوق
جبریل کو بلبل کی طرح نعرہ زنی کا

ہے کون سی وہ چشم نہیں جس میں اس کا نور؟
ہے کون سا وہ دل کہ نہیں جس میں اس کی جا

نظیر اب اس ندامت سے کہوں کا ئی
فآبا 3 ثم آبا ثم آبا
نہ آئی بو جو ذرا تیرے مصحف رخ کی
نسیم پھاڑ گئی آ کے ہر ورق گل کا
ہم وہ درخت ہیں کہ جسے دم بدم اجل
ارہ ادھر دکھاتی ہے، اودھر تبر قضا
بتوں کی نازو برداری میں بھی تیری عبادت کی
مری اس بندگی کا اب تو ہی شاہد ہے معبودا
عزیزو کیا پڑے سوتے ہو غفلت میں، ذرا جاگو
جرس فریاد می دارد کہ "بربندید محمل ہا"
ہوئی جو رد و بدل رائے کتنی بار نظیر
تو اس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا
ہے تارنج میں اب تو نظیر کا میلا
نظیر کیا ہے عجب ہے نظیر کا میلا

ردیف باء

(178)

دیا جو ساقی نے ساغر مے دکھا کے آن اک ہمیں لبالب
اگرچہ میکش تو ہم نئے تھے پہ لب پہ رکھتے ہی پی گئے سب
نہ دے ہمیں آ کے کوئی دھوکا کہ ہے تصور میں وہ تو بیٹھا
کب اس کا یہ قد کب اس کا یہ تن کب اس کا یہ رخ کب اس کا یہ لب
چلے ہیں دینے کو ہم جسے دل وہ ہنس کے لے لے بس اب ہمیں تو
یہی ہے خواہش، یہی تمنا، یہی ہے مقصد، یہی ہے مطلب
کبھی جو آتے ہیں دیکھنے ہم تو آپ تیوری کو ہیں چڑھاتے
جو ہر دم آویں تو کیجئے خفگی میاں ہم آتے ہیں ایسے کب کب
نہ پی تھی ہم نے یہ مے تو جب تک نظیر ہم میں تھا دین و ایماں
لگا لبوں سے وہ جام پھر تو کہاں کا دین اور کہاں کا مذہب

(179)

جب کھلے اس معجزہ آرا کے لب
بند ہوئے حضرت عیسیٰ کے لب
عشق میں اس گوہر نایاب کے
آج تلک خشک ہیں دریا کے لب

نام سے اس لب کے، ہیں لب ریز شہد
خلد کی حوران شکر خا کے لب
لعل بھی ہو رشک سے یاقوت زرد
دیکھے اگر اس دریکتا کے لب
ایک تبسم سے بنے لالہ فام
ایسے ہیں اس شاہد رعنا کے لب
لعل بھی ہو رشک سے یاقوت زرد
دیکھے اگر اس در یکتا کے لب
تھی وہ اسی لب کی شکر جس کو دیکھ
مصر میں چپکے تھے زلیخا کے لب
اس لب جاں بخش کے آگے نظیر
کس کو خوش آئیں گے مسیحا کے لب

(180)

ہیں گرچہ یاں تو اور بھی محبوب خوب خوب
لیکن اسی کو کہتے ہیں سب خوب خوب خوب
نام خدا میں کیا کہوں اس گل کے حسن میں
کیا کیا عیاں ہیں ناز کے اسلوب خوب خوب
فرقت میں اب کے بار تو دلدار نے ہمیں
خوبی سے کیا ہی بھیجے ہیں مکتوب خوب خوب
فضل الٰہی اب تو نظیر اپنی بزم میں
اسباب سب ہیں عشرت مرغوب خوب خوب

ہیں اس طرف تو ساقی و مطرب کرشمہ سنج
اور اس طرف کو بیٹھے ہیں محبوب خوب خوب

(181)

یہ جوا ہر خانہ دنیا جو ہے با آب و تاب
اہل صورت کا ہے دریا اہل معنی کا سراب
وہ عظیم الشان مکاں دیتی تھیں جن کی رفعتیں
ہنس کے طاق آسماں کو طاق ابرو سے جواب
وہ مطلا 1 قصر وہ رنگیں منقش بام و در
وہ مرصع خواب گاہیں بہر عیش و بہر خواب
صحن میں بستاں سرا ایسے پر از غلمان و حور
جن کی انہاروں 2 میں جائے آب و گل خالص گلاب
وہ مطلا قصر رنگین و منقش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصر ارم کو پیچ و تاب
ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنہیں کہتے تھے لوگ
کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب
مہروش، بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش
مشتری پیکر ثریا بارگہ کیواں جناب
وہ تجمل وہ تمول وہ تفوق وہ غرور
وہ تحشم وہ تنعم وہ تعیش وہ شباب
ہر طرف فوج بتاں ہر سو ہجوم گل رخاں
جن کے عارض رنج ماہ و رشک روئے آفتاب

چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت، غمزہ و ناز و عتاب
صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا بصبح
دمبدم رقص و سرود اور پے بہ پے جام شراب
ساقی و مطرب ندیم و مستی و مے خوارگی
ساغر و مینا و گل، عطر و مے و نقل و کباب
کثرت اہل نشاط و جوش نوشا نوش مے
از زمیں تا آسماں شور نے وچنگ و رباب
وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرود
وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حد و حساب
یا تو وہ ہنگامہ تخشیط 1 تھا یا دفعتاً
کر دیا ایسا کچھ اس دور فلک نے انقلاب
جو وہ سب جاتے رہے دم میں حباب آ سا مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصر ویران و خراب
تھا جہاں وہ مجمع عالی وہاں اب ہے، تو کیا
نقش سم گور یا کہنہ کوئی پر عقاب
ہیں اگر دو خشت باہم تو لب افسوس ہیں
اور جو کوئی طاق ہے تو صورت چشم پر آب
خواب کہیے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

بحر ہستی میں صحبت احباب
یوں ہے جیسے بروئے آب حباب
گردش آسماں میں ہم کیا ہیں
پر کا ہے میانہ گرداب
بادۂ ناب کیا ہے خون جگر
زردی رنگ ہے شب مہتاب
جس کو رقص و سرود کہتے ہیں
وہ بھی ہے اک ہوائے خانہ خراب
عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے
مثل تحریر موج نقش بر آب
جسم کیا روح کی ہے جولانگاہ
روح کیا اک سوار پا برکاب
حسن اور عشق کیا ہیں یہ بھی ہیں
خطفہ 2 برق و قطرۂ سیماب
زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں
ایک مثل خیال و دیگر خواب
فرصت عمر قطرۂ شبنم
وصل محبوب گوہر نایاب
کیوں نہ عشرت وہ چند ہو جو ملے
یار مہ چہرہ اور شب مہتاب
سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

(183)

رات کھینچا جو اسے رخ سے نقاب
چھپ گئی روئے ماہ پر مہتاب 3
اس حنا بستہ دست کو پہونچے 4
پنجہ آفتاب میں کیا تاب
اس کو تو سن پہ کل جو ہم نے نظیر
آتے دیکھا ادھر شتاب شتاب
چوم لی باگ اس طرح پہلے
جی میں خوش ہو گیا دل بیتاب
مل کے پھر چشم دامن زین سے
جھاڑی پلکوں سے گرد روئے رکاب

(184)

تمہارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب
جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش
کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب
یہ سن کے میں نے نظیر اس سے یوں کہا ہنس کر
جو کوئی بولے تو البتہ بولیے صاحب

(185)

خوباں میں اس طرح ہے وہ دلخواہ سب سے خوب
جوں وقت شب ستاروں میں ہے ماہ سب سے خوب
محبوب کا جو وصل تصور میں ہو تو پھر
مشتاق وصل کو ہے یہی راہ سب سے خوب
دل جس کو چاہتا ہے وہی جانے چاہ کو
اپنی تو فہم میں ہے وہی چاہ سب سے خوب
کیسا ہی وہ برا ہو، پہ لگ جائے جس سے دل
لگتا ہے جی کو پھر وہی واللہ سب سے خوب
خوبی میں خوبرو تو سبھی خوب ہیں نظیر
پہ خوب غور 1 کی تو ہے اللہ سب سے خوب

(186)

پان سے سرخ ہوئے پھر بت عیار کے لب
دیکھ اس وقت تو اے دل مرے خونخوار کے لب
منفعل ہو کے بھی دعوئ سرخی نہ کرے
دیکھے گر لعل بدخشاں مرے دلدار کے لب
خوف نرمی و نزاکت کا مجھے ہے ورنہ
چوم لوں میں ابھی اس شوخ پری وار کے لب
لذت زندگی اس دم مجھے ہووے گی نظیر
جب ملے ہوں گے بہم میرے لب اور یار کے لب

(187)

اس کی تجلی سے کب ہووے وہ چار آفتاب
ایک تو کیا ہے اگر ہوویں ہزار آفتاب

پاس ادب ہے اسے ورنہ ترے حسن پہ
حکم جو ہو تو ابھی ہووے نثار آفتاب

خانہ زیں میں تجھے دیکھے تو پھر رشک سے
تو سن افلاک پہ ہو نہ سوار آفتاب

ایک نظر گر تجھے دیکھیں تو شادی سے پھر
مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

جیسے یہ ہیں مہرومہ ایسے تو اس کے نظیرؔ
چمکیں ہیں سو ماہتاب اور ہزار آفتاب

(188)

ہو تیرے مہر حسن سے کب ہمسر آفتاب
ذرہ تری نگاہ سے ہو یکسر آفتاب

تو حسن میں وہ مہر سپہر جمال ہے
ہر روز جبہہ سا ہے ترے در پہ آفتاب

ہر لحظہ تیرے چہرۂ انور کے وصف میں
یہ بیت پڑھ رہا ہے فدا ہو کر آفتاب

از بہر دفع چشم بد از روئے خوب تو
سیارہ ہا سپند شود، مجمر آفتاب

اس مہر کبریا کی اشارت سے اے نظیرؔ

مغرب تلک پہونچ کے پھرا اکثر آفتاب

(189)

ہوا جو ہم کو وہ کوچہ چمن سرشت نصیب
خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
جدا جو اس سے ہوئے ہم تو اپنی قسمت سے
ہے وہ تو خوب پر اپنے ہی کچھ ہیں زشت نصیب
لکھیں نہ حرف وفا کیا کریں کہ اول سے
ہوئی قلم کو ہمارے یہی نوشت نصیب
زمین دل میں گرایا ہے تخم تو لیکن
کریں گے دیکھیے سر سبز کب یہ کشت نصیب
یہ کم نصیب ہوئے ہم کہ بعد مرگ نظیر
ہوئی مزار کو اپنے نہ ایک خشت نصیب

(190)

ساقی شراب ہے تو غنیمت ہے، اب کی اب
پھر بزم ہو گی جب تو سمجھ لیجیو جب کی جب
ساغر کے لب سے پوچھے اس لب کی لذتیں
کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب
کم فرصتی سے عمر کی اپنی ہزار حیف
جتنی تھیں خواہشیں وہ رہیں دل میں سب کے سب

سن کر وہ کل کی، آج نہ ہو، کس طرح خفا
اے ناشناس طبع، کہی تو نے کب کی کب
پھولا نہ بدن میں سماتا نہیں نظیر
وہ گل بدن جو پاس رہا اس کے شب کی شب

(191)

کچھ اور تو نہیں ہمیں اس کا عجب ہے اب
یعنی وہ شوخ ہم سے خفا بے سبب ہے اب
آہ و فغان و گریہ و اندوہ و درد و داغ
جو جنس عشق ہے وہ مرے پاس سب ہے اب
دیکھے سے جس کے غنچہ صفت گل ہو رشک سے
ایسا تو اس جہاں میں وہی غنچہ لب ہے اب
صبح فلک بھی جس کی تجلی سے ہو خجل
اس رشک ماہتاب سے اپنی وہ شب ہے اب
آئینہ ایک دم نہیں رکھتا ہے ہاتھ سے
ایسا وہ اپنے رخ کا تماشا طلب ہے اب
اس گل بدن کے وصل سے ہر دم نظیر کو
سب سے زیادہ خلق میں عیش و طرب ہے اب

(192)

بوسہ اس دل سے نہ کر اے دل افگار طلب

نہ زیادہ طلبی ہے نہ ہو دشوار طلب
جلد آ یار کہ اب ہم کو ستاتے ہیں بہت
گوش گفتار طلب، دیدۂ دیدار طلب
رابطہ اس عربدہ جو سے ہمیں کس طور سے ہو
ہم تو ہیں صلح طلب اور وہ ہیں پیکار طلب
آرزو خوب ہے موقع سے اگر ہو ورنہ
اپنے مقصود کو کم پہونچے ہیں بسیار طلب
عذر عاصی کو نہیں چاہیے کچھ اس سے نظیر
جس خطا پوش کی رحمت ہے گنہگار طلب

(193)

کس کے لیے کیجئے جامہ دیبا طلب
دل تو کرے ہے مدام دامن صحرا طلب
کام روا ہوں بھلا اس سے ہم اب کس طرح
اس کو تمنا نہیں، ہم ہیں تمنا طلب
کس سے کہیں کیا کریں ہے یہ تماشے کی بات
وہ تو ہے پردہ نشیں ہم ہیں تماشا طلب
کہئے تو کس کس کے اب غور کرے وہ طبیب
جس کے طلبگار ہوں لاکھ مداوا طلب
ایک تمنا ہو تو یار سے کہئے نظیر
دل ہے پر از آرزو کیجئے کیا کیا طلب

(194)

ہے اب تو وہ ہمیں اس سر وسیم بر کی طلب
کہ طائران ہوا سے ہے، بال و پر کی طلب
جو کہیے حسن کو خواہش نہیں یہ کیا امکاں
اسے بھی اہل نظر سے ہے اک نظر کی طلب
کمال عشق بھی خالی نہیں تمنا سے
جو ہے ایک آہ تو اس کو بھی ہے اثر کی طلب
پری رخوں کو غرض کیا تھی زیب و زینت سے
نہ ہوتی گر انہیں اپنے نظارہ گر کی طلب
طلب سے کس کو رہائی ہے بحر ہستی میں
اگر صدف ہے تو اس کو بھی ہے گہر کی طلب
چمن میں بلبل و گل بھی ہیں اپنے مطلب کے
اسے ہے گل کی طلب، اس کو مشت زر کی طلب
جہاں وہ باغ تمنا ہے جس کے بیچ نظیر
جو اک شجر ہے تو اس کو بھی ہے ثمر کی طلب

(195)

ہو کس طرح نہ ہم کو ہر دم ہوائے مطلب
دیکھا جو خوب ہم نے دنیا ہے جائے مطلب
جو گلدبن کہ آیا آغوش میں ہمارے
کچھ اور بو نہ نکلی اس میں سوائے مطلب

عشاق کی بھی الفت خالی نہیں غرض سے
مرتے ہیں یہ بھی اس پر جس سے برائے مطلب
کوئی کسی کے اوپر ہم نے فدا نہ دیکھا
منھ پر فدا ہیں لیکن دل میں فدائے مطلب
مطلب کے آشنا کو ہو کس سے آشنائی
کب آشنا کسی کا ہو آشنائے مطلب
گر بزم رقص دیکھی تو واں بھی گوش دل میں
کوئی صدا نہ آئی غیر از صدائے مطلب
زیر فلک تو ہم سے جاتی نہیں تمنا
ہاں پھر فلک پہ جاویں جب ہم سے جائے مطلب
وہ آبرو کہ جس پر کرتے ہیں جاں تصدق
اس کو بھی دے چکے ہیں اکثر برائے مطلب
جب حرف آبرو تک پہونچا نظیرؔ پھر تو
کیا کہئے ایسی جاگہ جز یہ کہ ہائے مطلب

(196)

یوں جھمکتا ہے رخ اس محبوب کا زیر نقاب
ہو نمایاں جس طرح ابر تنک میں آفتاب
دیکھ اس مہ رو کے رخ کا رات چشم تر میں عکس
کیا ہی لوٹا رشک سے دریا میں عکس ماہتاب
کیا نزاکت ہے کہ اس نازک کمر کے روبرو
رشتہ ساں حسرت سے کھاتی ہے رگ گل پیچ و تاب

رنگ رخسار اس گل باغ حیا کا دیکھ کر
قطرۂ شبنم نہیں ہے شرم سے گل آب آب

وہ عرق آلود رخ جس دن سے آیا ہے نظر
جب سے ہم واقف نہیں کیسا گل اور کیسا گلاب

جس کی ایک دم لڑ گئی اس چشم میگوں سے نگاہ
پھر اسے یارو کہاں کا جام اور کیسی شراب

خواب کر جاتا ہے رم ایک لخت آنکھوں سے نظیر
یاد آ جاتی ہے جب ساقی کی چشم نیم خواب

(197)

جو کچھ ہے حسن میں ہر مہ لقا کو عیش و طرب
وہی ہے عشق میں ہر مبتلا کو عیش و طرب

اگرچہ اہل نوا خوش ہیں، ہر طرح لیکن
زیادہ ان سے ہے ہر بےنوا کو عیش و طرب

وہ میکدے میں حلاوت ہے رند میکش کو
جو خانقاہ میں ہے پارسا کو عیش و طرب

رکھے ہے ہر تن عریاں برہنہ پائے وہی
جو کچھ ہے صاحب اسپ و قبا کو عیش و طرب

کمال قدرت حق ہے نظیر کیا کہئے
جو شاہ کو ہے وہی ہے گدا کو عیش و طرب

(198)

جو اس کی چشم گلابی کی دیکھ پائے شراب
تو اس کو حشر تلک ہو نہ پھر ہوائے شراب
ہماری بزم میں ہے مے فروش کا کیا کام
وہ اپنے واں کے ہی لوگوں میں بیچ کھائے شراب
ہم اس شراب کے خواہاں نہیں ہیں اے ساقی
پئیں جو تو ہمیں اس چشم کی پلائے شراب
نشہ جو اس کی نگہ میں ہے وہ نہ ہو ہرگز
اگر ہزار طرح کی کوئی بنائے شراب
جہاں میں موسم گل ہے میں کیا کروں ہیہات
مجھے تو آب میسر نہیں چہ جائے شراب
بہ قول حضرت صائب ہزار حیف نظیر
کہ در بہار ندارم بہ کف بہائے شراب

(199)

ہو حسن اثر کیوں نہ مری آہ میں یا رب
سب کچھ ہے مہیا تری درگاہ میں یا رب
پہونچے ہے وہی منزل مقصود کو جو شخص
چلتا ہے فدا ہو کے تری راہ میں یا رب
ہر چاہ میں ملتا ہے اسے یوسف اقبال
جو تشنہ و والا ہے تری چاہ میں یارب
جو خانہ بدوشی میں ہے طالب کو ترے عیش
وہ عیش نہیں خیمہ و خرگاہ میں یارب

اپنا ہی طلبگار نظیر اپنے کو رکھیو
ہر طور میں، ہر موسم میں، ہر راہ میں یارب

(200)

ترے مریض کو اے جان شفا سے کیا مطلب
وہ خوش ہے درد میں اس کو دوا سے کیا مطلب
فقط جو ذات کے ہیں دل سے چاہنے والے
انہیں کرشمہ و ناز و ادا سے کیا مطلب
نہال تازہ رہیں نامیہ کے منت کش
درخت خشک کو نشوونما سے کیا مطلب
مراد و مقصد و مطلب ہیں سب ہوس کے ساتھ
ہوس ہی مر گئی پھر مدعا سے کیا مطلب
مجھے وہ پوچھے تو اس کا ہی لطف ہے ورنہ
وہ بادشاہ ہے اسے مجھ گدا سے کیا مطلب
جو اپنے یار کے جور و جفا میں ہیں مسرور
انہیں پھر اور کے مہر و وفا سے کیا مطلب
رضائے دوست جنہیں چاہئے بہر صورت
نظیر پھر انہیں اپنی رضا سے کیا مطلب

(201)

نہ دل میں صبر نہ اب دیدۂ پر آب میں خواب

شتاب آ کہ ہمیں آوے اس عذاب میں خواب
جہاں بھی خواب ہے اور ہم بھی خواب ہیں اے دل
عجب بہار کا دیکھا یہ ہم نے خواب میں خواب
ہماری چشم کا اے شہسوار تو سن ناز
جو غور کی تو کیا ہے تری رکاب میں خواب
ہر ایک مکاں میں گزر گاہ خواب ہے لیکن
اگر نہیں تو نہیں عشق کے جناب میں خواب
ہجوم اشک میں لگتی ہے چشم تر اس طور
کہ جیسے ماہی کو آتا ہے اپنے آب میں خواب
روا روی میں لگے آنکھ کس طرح سے نظیر
مسافروں کو کہاں ایسے اضطراب میں خواب

(202)

ہنسنا ہوا ازل سے کب اے یار کے نصیب
رونا ہماری دیدۂ خونبار کے نصیب
دل سا در یتیم بکا اک نگہ کے موصل
کیا کہیے خیر یہ بھی خریدار کے نصیب
کھینچے ہیں جام خور میں ہوا ہر سحر مسیح
اس اوج پہ ہیں اب ترے بیمار کے نصیب
بازار یوسفی میں نہ دیکھی تھیں خواب میں
جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب
دیکھ اس کو آج باغ میں بولیں یہ بلبلیں

بارے کھلے ہمارے بھی گلزار کے نصیب
غش تھے معانقے کی تمنا میں ہم ولے
وہ بھی سنا کہ اب کے ہوا ہار کے نصیب
کل ہم سے روٹھ کر وہ رقیبوں سے جا ملا
چمکے ہیں کیا ہی دیکھئے اغیار کے نصیب
جس گل کو اپنے سر پہ چڑھاتے تھے ہم نظیر
وہ گل ہوا رقیب کے دستار کے نصیب

(203)

نامہ کو میرے دھوکے نہ اسنے لکھا جواب
+ + + + + ہوا جواب
اتنا تو نامہ بر سے نہ ہوتا میں شرمسار
اے کاش بھیجتا وہ برا یا بھلا جواب
پہروں تلک میں کہتا ہوں حال اپنا پر مجھے
وہ اپنی ایک ابت میں کرتا ہے اا جواب
حاضر جوابی دیکھو کہ لب سے مرے ہنوز
نکلا نہیں سوال کہ واں ہو گیا جواب
کوچے سے اس کے آتا ہوں یوں ہو کے نا امید
نوکر شکستہ حال کو جیسے ملا جواب
کہتا ہے تو تو جیتا ہے اپنی خوشی سے اب
ورنہ میاں خدا تو تجھے دے چکا جواب

کھوئی تمام عمر بتوں کی جانب میں
دے گا نظیر تو خدا کو بھلا کیا جواب

(204)

تمہاری آن عزیز اور ہر ایک ادا محبوب
تمہیں ہو حسن میں اب سر سے تا بہ پا محبوب
تمہیں وہ ہو کہ تمہیں دیکھنے ہم آتے ہیں
وگرنہ یوں تو ہزاروں ہیں جابجا محبوب
کہیں جو ہم تمہیں محبوب مت برا مانو
بھلا ہم اور کہیں کیا تمہیں سوا محبوب
جو چاہے آپ سے محبوب بن سکے کیا ذکر
وہی بنے ہے کہ جس کو خدا کرے محبوب
تمہاری آج وہ محبوبیاں ہیں نام خدا
کہ تم کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں دلربا محبوب
کوئی کہے ہے یہ صد اشتیاق دل یا دوست
کوئی پکارے ہے بیتاب ہو کے یا محبوب
نظیر بھی تمہیں اب دیکھ کر یہ کہتا ہے
الٰہی خلق ہو اور میں ہوں اور مرا محبوب

(205)

گزرے خوشی سے نہ دو دم کبھی اے وائے نصیب

تھے عجب کلک وہ جس سے مرے لکھوائے نصیب
قاصد اس دولت بیدار سے کہیو کہ کبھی
وہ گھڑی آ کے ہمارے بھی جگا جائے نصیب
آویں ہم بھی جو تری بزم میں جوں شمع اے جاں
ایسے ہم سوختہ بختوں نے کہاں پائے نصیب
یار دیکھ اس کو لگے رکھنے عداوت مجھ سے
دوست بھی ہو گئے دشمن مرے اے وائے نصیب
ایک دم نزع میں لائے نہ اسے بالیں پر
اپنے، قسمت سے تو اتنے بھی نہ کام آئے نصیب
یاد آتا ہے ہمیں جب وطن اپنا تو نظیر
سر کو حسرت سے پٹک کہتے ہیں ہم ہائے نصیب

(206)

یہ گلہ دل سے تو ہرگز نہیں جانا صاحب
سب نے جانا ہمیں پر تم نے نہ جانا صاحب
ان بیانوں سے غرض ہم نے یہ جانا صاحب
آپ کو خون ہمارا ہے بہانا صاحب
چھوڑ کر آپ کے کوچے کو پھروں صحرا میں
سو تو مجنوں سا نہیں ہوں میں دوانا صاحب
یاد تھے ہم کو جوانی میں تو سو مکر و فریب
ایک کرشمہ تھا، تمہیں دام میں لانا صاحب

اب جو بوڑھے ہیں تو اب بھی ہمیں شیطان نظیر
ہنس کے کہتا ہے اجی آیئے نانا صاحب

(207)

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے
یار مہ چہرہ اور شب مہتاب
زور کیفیتیں دکھاتے ہیں
ساقی گلعذار و بادۂ ناب
کرتے ہیں تار تار جیب الم
تار قانون و بین و چنگ و رباب
وقت خلوت یہ ہم نے اس سے کہا
اب تو ٹک منھ سے دور کیجئے نقاب
بولے ہم تو ابھی اٹھاویں مگر
لائیں کب آپ دیکھنے کی تاب
اور جو آ جاوے غش تمہیں تو نظیر
پھر چھڑکنا پڑے گا ہم کو گلاب

(208)

میں ہوں اور مہ رو ہے اور ساقی ہے اور بزم شراب

پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
جوش عشرت دور ساغر رقص خوباں صحن باغ
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
قصر رنگیں فرش زریں وقت خلوت جائے عیش
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
بوسہ بازی ہمکناری بے حجابی سر خوشی
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
خوش لباسی خوش معاشی خوش مذاقی خوش رہا
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
گل فشانی، شادمانی، کامرانی، خرمی
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
عشق بازی عیش سازی شہ خیالی بے غمی
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
دل کشائی بادہ نوشی، ذوق مستی خرمی
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
اس طرح کی عشرتوں میں اب تو بیٹھا ہے نظیر
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

(209)

بزم طرب وقت عیش ساقی و نقل و شراب
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
مجمع خوباں ولے، زمزمہ چنگ و نے

کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
صحن چمن، حسن گل ابرو ہوا شرب مل
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
عشرت صبح بہار سیر گل و لالہ زار
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
رقص بت غنچہ لب کثرت عیش و طرب
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
عشق کے عجز و نیاز حسن کے انداز و ناز
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
مستی میخانہ ہا گردش پیانہ ہا
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
شادی وصل بتاں صحبت مہ طلعتاں
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
غلغل کوس نشاط خوش دلی و انبساط
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
ثروت مال و منال حشمت و جاہ و جلال
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
قصر و محل دل پذیر زینت و زیب اے نظیر
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

(210)

کہا یہ آج ہمیں فہم نے سنو صاحب

یہ باغ دہر غنیمت ہے دیکھ لو صاحب
جو رنگ و بو کے اٹھانے ہیں حظ اٹھا لیجئے
مباد پھر کف افسوس کو ملو صاحب
یہ وہ چمن ہے نہیں ایک سے نہیں جس میں
تبدل اس کا ہر ایک گل سے سوچ لو صاحب
کہ تھا جو صبح شگفتہ نہ تھا وہ شام کے وقت
جو شام تھا سو نہ دیکھا وہ صبح کو صاحب
پس اس مثال سے ظاہر ہے یہ سخن یعنی
اسی طریق سے عالم میں تم بھی ہو صاحب
جو سر نوشت ہے ہو گا اسی طرح سے نظیر
قضا قضا نہیں ہونے کی کچھ کرو صاحب

(211)

تمہارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب
جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب
غلام عاشق و چاکر مصاحب و ہمراز
غرض جو تھا ہمیں ہونا سو ہو لیے صاحب
قرار و صبر جو کرنے تھے کر چکے برباد
حواس و ہوش جو کھونے تھے کھو لیے صاحب
ہمارے وزن محبت میں کچھ ہو فرق تو اب
پھر امتحاں کی ترازو میں تو لیے صاحب
کچھ انتہائے بکا ہو تو اور بھی یک چند



سرشک چشم سے موتی کو رو لیے صاحب

کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش

کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب

یہ سن کے میں نے نظیر اس سے یوں کہا ہنس کر

جو کوئی بولے تو البتہ بولیے صاحب

متفرقات ردیف (ب)

دل سا دُر یتیم بکا کوڑیوں کے مول
کیا کیجیے، خیر، یہ بھی خریدار کے نصیب

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب

ردیف باءِ فارسی (پ)

(212)

ہے جو اس محبوب کے انگشتری دردست چپ
رکھتی ہے کیا کیا نزاکت پروری دردست چپ
جس کماں کو کھینچتا ہے وہ بت ابرو کماں
اس کے قبضے میں ہے سوزنیت وری دردست چپ
کچھ جو لکھتا ہے قلم لے کر تو پھر کیا کیا رقم
کرتے ہیں قرطاس پہ زیب آوری دردست چپ
کل تو دائیں ہاتھ میں تسبیح رکھتا تھا نظیر
اور مصلے کی عنایت گستری دردست چپ
آج صہبا کی گلابی اس کے ہے دردست یہ است
اور چھلکتی مے کی ایک پیالی بھری دردست چپ

(213)

کیونکر رہے نہ آہ وہ الفت پذیر چپ
سحر نگاہ کا جسے کر دیوے پیر چپ
بوسہ جو مانگتے ہیں تو منھ پہ طمانچہ مار
کرتا ہے شوخ ہم کو سمجھ کر حقیر چپ
کاکل میں ہم نے پھنس کے جو شکوہ کیا ذرا

بولی وہ چشم اس کی وہیں "اے اسیر چپ"
دیکھ اس نے ہم کو، چیں بجبیں ہو کے یوں کہا
دیکھے ہے بے طرح ہمیں ہو کر یہ پیر چپ
چاہا کہیں کہ پیر کے کیا دل نہیں میاں
تیوری کو اس کی دیکھ رہے ہم نظیر چپ

(214)

کب غیر نے یہ ستم سہے چپ
ایسے تھے ہمیں جو ہو رہے چپ
شکوہ تو کریں ہم اس سے اکثر
پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ
سن شور گلی میں اپنی ہر دم
بولا کبھی تم نہ یاں رہے چپ
جب ہم نے کہا نظیر اس سے
ہم رہنے کے یاں نہیں گہے چپ
سوچو تو کبھی چمن میں اے جاں
بلبل نے کیے ہیں چہچہے چپ

(215)

دل کو لے کر ہم سے اب جاں بھی طلب کرتے ہیں آپ
لیجئے حاضر ہے پر یہ تو غضب کرتے ہیں آپ

مورد تقصیر گر ہوتے تو لازم تھی سزا
یہ جفا پھر کہیے ہم پر کس سبب کرتے ہیں آپ
کرتے ہو ابرو سے گشتہ رخ سے دیتے ہو جلا
حسن میں اعجاز کیا کیا روز و شب کرتے ہیں آپ
قیس سے جو تھا کیا در پردہ لیلا نے سلوک
سو وہی اے مہرباں ہم سے بھی اب کرتے ہیں آپ
بیکلی ہوتی ہے حسرت سے دل صد چاک کو
اپنی زلف عنبریں کو شانہ جب کرتے ہیں آپ
ہم نے پوچھا پھر بھی اس کی جاں پھری سب جسم میں
نزع میں دوری سے جس کو جاں بلب کرتے ہیں آپ
ہنس کے فرمایا نظیرؔ اپنی دعائے لطف سے
یہ بھی ہو سکتا ہے کیا اس کا عجب کرتے ہیں آپ

(216)

رکھتا ہے صدا ہونٹ کو جوں گل کی کلی چپ
وہ غنچہ دہن آہ سیکھا ہے بھلی چپ
سوتا ہے تو لیتا ہوں میں یوں چوری سے بوسہ
جوں منہ میں کھلاوے کوئی مصری کی ڈلی چپ
منت سے کہا ہم نے تو تم آہ نہ بولے
جب غیر نے کی گدگدی پھر کچھ نہ چلی چپ
پروانے سے عاشق کے تئیں شمع جلا کر
پھر آپ بھی روتی ہے کھڑی بخت جلی چپ

سبزی بھی اگی باغ میں غنچے بھی کھلے آہ
پر اس مری گونگی کے لبوں سے نہ ٹلی چپ

غصے میں رقیب آتا ہے جب بھوت سا بن کر
پڑھتا ہوں میں جب دل میں کھڑا ناد علی چپ

مر جائیں پہ شکوے کی کبھی بات نہ نکلے
یہ ہونٹھ وہ ہیں جن میں ازل سے ہے پلی چپ

جس دم یہ خبر جا کے رقیبوں کو ہوئی پھر
بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سانس نہ لی چپ

الٹی ہی سمجھ یار کی سنتا ہے نظیر آہ
زنہار نہ کچھ بولیو، یاں سب سے بھلی چپ

ردیف تائے فوقانی (ت)

(217)

کسی نے رات کہا اس کی دیکھ کر صورت
کہ میں غلام ہوں اس شکل کا بہر صورت
ہیں آئینے کے بھی کیا طالع اب سکندر واہ
کہ اس نگار کی دیکھے ہے ہر سحر صورت
عجب بہار ہوئی کل تو وقت نظارہ
جو میں ادھر کو ہوا اس نے کی ادھر صورت
ادھر کو جب میں گیا اس نے لی ادھر کو پھیر
پھرا میں اس نے پھرائی جدھر جدھر صورت
ہزاروں پھرتیاں میں نے تو کیں پہ اس نے نظیر
نہ دیکھنے دی مجھے اپنی آنکھ بھر صورت

(218)

دل ہے یوں پہلو میں یاد بت گلنام سمیت
جیسے رہتا ہے انگوٹھی میں نگیں نام سمیت
کھل گئی مکھڑے پہ جب کاکل مشکیں اس کی
آئی اس وقت نظر ہم کو سحر شام سمیت
جب گیا باغ میں وہ غنچہ دہن مے گوں چشم

آ گیا رشک میں پستہ گل بادام سمیت
دیکھی ساقی کے حنا پنجہ مہ رشک میں جب
بوسہ دست لیا ہم نے لب جام سمیت
خوش ہوا دیکھ کے کیا کیا چمنستاں کو نظیر
جب وہ گلشن میں گیا اپنے گل اندام سمیت

(219)

کھل گیا رخسار اس کا جس گھڑی کا کل سمیت
حسن کے گلشن کا دیکھا ہم نے گل سنبل سمیت
ہم کو دیکھا باغ میں اس نازنیں کے ساتھ جب
ہو گئی محو نگاہ رشک بلبل گل سمیت
بزم میں اس کی بہار چشم مے گوں دیکھ کر
کیا کہوں کیا کیا ہوا مدہوش ساقی مل سمیت
اس کے بازو کی لچک سے لگ کے یوں ہوتا ہے دل
جس کی جنبش پر فدا ہو شاخ گل بلبل سمیت
خوش ہوا دل میں ولے ناخوش وہ ظاہر میں نظیر
آ گیا اس کی نظر جب ہاتھ میرا گل سمیت

(220)

اے چشم جو یہ اشک تو بھر لائی ہے کم بخت
اس میں تو سراسر مری رسوائی ہے کم بخت

الفت میں تو اے دل تری رسوائی ہے کم بخت
کمبخت تجھے کی ایہی اب بھائی ہے کمبخت

اس قد میں جو رعنائی و زیبائی ہے اے سرو
مت بھول کہ وہ تو نے نہیں پائی ہے کم بخت

کیا نام خدا اپنی بھی رسوائی ہے کم بخت
رسوائی مجنوں بھی تماشائی ہے کم بخت

لڑنے کو لڑے اس سے پر اب کرتے ہیں افسوس
افسوس عجب اپنی بھی دانائی ہے کم بخت

اک بات بھی مل کر نہ کریں اس سے ہم اے چرخ
کیا تجھ کو یہی بات پسند آئی ہے کم بخت

ہمدم تو یہی کہتے ہیں چل بزم میں اس کی
کیا کہیے اسے اپنی جو خود رائی ہے کم بخت

وہ تو نہیں واقف پہ ہمیں دل میں خجل ہیں
کس منھ سے کہیں ہم نے قسم کھائی ہے کم بخت

یاروں ہمیں تکلیف نہ دو سیر چمن کی
آنے دو بلا سے جو بہار آئی ہے کم بخت

رہنے دو ہمیں کنج قفس میں کہ ہمارے
قسمت میں یہی گوشہ تنہائی ہے کم بخت

اس جام نگوں سے مئے راحت نہ طلب کر
یاں بادہ نہیں بادیہ پیمائی ہے کم بخت

توڑے ہیں بہت شیشہ دل جس نے نظیر آہ
پھر چرخ وہی گنبد مینائی ہے کمبخت

مطلع 1

آگے ہی دل اپنا تو یہ سودائی ہے کم بخت
اور تس پہ سنا یہ کہ بہار آئی ہے کم بخت

(221)

نہ چین گھر میں نہ کل ہے باہر نہیں جو تم نے دکھائی صورت
تمہارے ناز و عتاب نے تو عجب ہماری بنائی صورت
وہ شکل دیکھی تو ہو کے بے حس رہے تحیر میں اس طرح ہم
+ + + + + جو آئی صورت
نظر میں آنکھوں میں اور جاں میں بھری اسی کی وجاہتیں ہیں
کچھ ایسے نقشے سے اپنے دل میں ہے اب کسی کی سمائی صورت
پری کی بیہودہ ہمسری نے کیا جو اس کا مزاج برہم
تو آپ ہی ہو کر خجل وہ بولی کہ ایسی کب ہم نے پائی صورت
بیاں ہو کیا حسن صورت اس کا جو دیکھ آئینہ ہے یہ کہتا
ہو ایسی صورت تو پھر غرض کیا ہمیں جو دیکھیں پرائی صورت
الم میں چاہت کے اب ہماری بدل گئی ہے جو شکل ہمدم
کسی کو پھر یاد کیا رہے جب ہمیں نے اپنی بھلائی صورت
نظیرؔ محفل میں گل رخوں کی جو ہم نے دیکھا تو ان سبھوں میں
فدا ہوا ہے دل اپنا جس پر، اسی کی ہم کو خوش آئی صورت

(222)

تری قدرت کی قدرت کون پا سکتا ہے کیا قدرت
ترے آگے کوئی قادر کہا سکتا ہے کیا قدرت

تو وہ یکتائے مطلق ہے کہ یکتائی میں اب تیری
کوئی شرک دوئی کا حرف لا سکتا ہے کیا قدرت

زمیں سے آسماں تک تو نے جو جو رنگ رنگے ہیں
یہ رنگ آمیزیاں کوئی دکھا سکتا ہے کیا قدرت

ہزاروں گل ہزاروں گلبدن تو نے بنا ڈالے
کوئی مٹی سے ایسے گل کھلا سکتا ہے کیا قدرت

ہوئے ہیں جس سے جن کی زمین و آسماں پیدا
کوئی یہ چاند، یہ سورج بنا سکتا ہے کیا قدرت

ہوا کے فرق پہ کوئی بنا کر ابر کا خیمہ
طنابیں تار باراں کی لگا سکتا ہے کیا قدرت

جم و اسکندر و دارا و کیکاؤس و کیخسرو
کوئی اس ڈھب کے دل بادل بنا سکتا ہے کیا قدرت

کیا نمرود نے گو کبر سے دعویٰ خدا کا
کہیں اس کا یہ دعویٰ پیش جا سکتا ہے کیا قدرت

نکالا تیرے اک پشّے نے کفشیں مار مغز اس کا
سوا تیرے خدا کوئی کہا سکتا ہے کیا قدرت

نکالے لکڑیوں سے تو نے جس جس لطف کے میوے
کوئی پیڑوں میں یہ پیڑے لگا سکتا ہے کیا قدرت

ترے ہی خوانِ نعمت سے ہے سب کی پرورش، ورنہ
کوئی چیونٹی سے ہاتھیت کے کھلا سکتا ہے کیا قدرت

ہماری زندگانی کو بغیر از تیری قدرت کے
کوئی پانی کو پانی کر بہا سکتا ہے کیا قدرت

ترے حسنِ تجلی کا جہاں ذرہ جھمک جاوے
تو پھر موسیٰ کوئی واں تاب لا سکتا ہے کیا قدرت

دمِ عیسیٰ میں وہ تاثیر تھی تیری ہی قدرت کی
وگرنہ کوئی مردے کو جلا سکتا ہے کیا قدرت

تو وہ محبوب چنچل ہے کہ بار ناز کو تیرے
بغیر از مصطفےٰ کوئی اٹھا سکتا ہے کیا قدرت

نظیر اب طبع پر جب تک نہ فیضانِ الٰہی ہو
کوئی یہ لفظ یہ مضمون بنا سکتا ہے کیا قدرت

(223)

قسمت میں گر ہماری، یہ مے ہے تو ساقیا
بے اختیار، آپ سے شیشہ کرے گا جست

کچھ ہم کو امتیاز نہیں صرف و درد کے
اے ساقیانِ بزم، بیارید ہر چہ ہست

متفرقات ردیف (ت)

فرد

تری قدرت کی قدرت، کون پا سکتا ہے کیا قدرت
ترے آگے کوئی قادر کب آ سکتا ہے، کیا قدرت

ردیف تاءہندی (ٹ)

(224)

گلے سے دل کے رہی ہے زلف یار لپٹ
کہ جوں سپیرے کی گردن میں جائے مار لپٹ
مزے اٹھاتے کمر بند کی طرح سے اگر
کمر سے یار کی جاتے ہم ایک بار لپٹ
ہمارے پاس وہ آیا تو کھول کر آغوش
یہ چاہا جاویں ہم اس سے بہ انکسار لپٹ
وہیں وہ دور سرک کر عتاب سے بولا
ہمارے ساتھ نہ ہو کر تو بیقرار لپٹ
ہمیں جو چاہیں تو لپٹیں نظیر اب ورنہ
تو چاہے لپٹے سو ممکن نہیں ہزار لپٹ

(225)

نگہ لڑانے کے آگے اسکی ہے ناز کرتی بڑی لگاوٹ
حنا دکھانے کے سامنے بھی ہے دست بستہ کھڑی لگاوٹ
دکھا کے چیں کو جبیں کے اوپر اسے تو کچھ حسن ہے دکھاتا
جو سادہ دل ہو تو سمجھے خفگی اور اس کی ہے وہ بڑی لگاوٹ
چھڑی اٹھاتا ہے جب وہ گل کی تو ہے کچھ اس میں بھی گل کھلاتا

لگا دے تن پہ وہ جس کے ہنس کر تو وہ چھڑی ہے چھڑی لگاوٹ

خفا ہو جس سے تو وہ یہ جانے کہ مجھ سے روٹھا بس اب وہ لیکن

پھنسا وہ پھندے میں مدتوں کو جہاں تک اس کی لڑی لگاوٹ

نظیر دل کو بچاوے یارو کب اس صنم سے کہ جس میں ہووے

گھڑی مچلنا، گھڑی چہکنا، گھڑی جھجھکنا گھڑی لگاوٹ

(226)

صورت کبھی دکھلائی تو اس میں بھی لگاوٹ

باتوں کی جو ٹھہرائی تو اس میں بھی لگاوٹ

آتے نہیں اول تو کبھی، اور کہیں شاید

تشریف جو فرمائی تو اس میں بھی لگاوٹ

جس بات میں کچھ رمز تھی اور ہم جو نہ سمجھے

وہ ہم کو جو سمجھائی تو اس میں بھی لگاوٹ

بوسے کا جو اقرار کیا وہ بھی فقط چہل

اور ہنس کے قسم کھائی تو اس میں بھی لگاوٹ

ہنسنے میں نظیر اس کے لگاوٹ تو ہے لیکن

ابرو میں جو چیں آئی تو اس میں بھی لگاوٹ

ردیف ثاءِ مثلثہ (ث)

(227)

بتوں کی چاہ نہیں ہم کو دل پذیر عبث
ہم ان کی زلف میں ہوتے نہیں اسیر عبث
کتاں جو عشق کے باعث سے ٹکڑے ہوتا ہے
اگر کچھ اس سے کرے ہمسری حریر 1 عبث
وہ ہم کو جھڑکے ہے اور لوگ ہنس کے کہتے ہیں
کرے ہے چاہ بڑھاپے میں دیکھو پیر عبث
جھکے تھے بوسے کو لینے، نپائے جب ہیہات
ہم اس کی نظروں میں اے دل ہوئے حقیر عبث
وہ پوچھتا بھی نہیں اور نہ منہ لگاتا ہے
لپٹتے پھرتے ہو اس سے میاں نظیر عبث

(228)

دے کے دل بے مہر کو کرنا گلا یہ بھی عبث
اور جو کہئے اس سے مت کر تو جفا یہ بھی عبث
دام میں پھنس کر غلط فہمی ہے کہنا چھوڑ دو
پھر جو یہ کہیے نہ کیجئے اب رہا یہ بھی عبث
ہوں جو بے درد ان سے کیا رکھیے توقع لطف کی

کچھ اگر رکھیے تو پھر ہوتا ہے کیا یہ بھی عبث

سن کے خواہش بوسہ و دشنام کی بولا وہ شوخ
یہ تمنا بھی ہے بے جا مدعا یہ بھی عبث

جب نہ ہو دشنام کے دینے کے لائق تو نظیر
پھر جو بوسے کے لیے تو نے کہا یہ بھی عبث



ردیف جیم (ج)

(229)

کرنے لگا دل طلب جب وہ بت خوش مزاج
ہم نے کہا جان کل اس نے کہا ہنس کے آج
زلف نے اس کی دیا کاکل سنبل کو رشک
چشم سیہ نے لیا چشم سے آہو کے باج 1
اس کی وہ بیمار چشم دیکھ رہا تھا، جو دل
رہ تو سہی میں ترا کرتا ہوں کیسا علاج
کام پڑا آن کر چاہ سے جس دن ہمیں
چھٹ گئے اس روز سے اور جو تھے کام کاج
دل تو نہ دیتے ہم آہ لے گئی لیکن نظیر
اس کی جبیں کی حیا اور وہ آنکھوں کی لاج

(230)

اس کی تشریف جو لانے کی خبر پائی آج
دل نے کی پھر ہوس انجمن آرائی آج
کیوں نہ جوں جام ہنسیں ہم کہ بہت مدت میں
اپنے دلخواہ پھرا گنبد مینائی آج
ہوگئی باغ میں عطریت سنبل برباد

نکہت اس زلف کی لے کر جو صبا آئی آج

اس کے کوچے کی طرف جانے میں ہم نے ہمدم

امتحان کی جو ذرا دیر کی ٹھہرائی آج

شام نزدیک جب آئی تو کہا اس نے نظیر

کیا سبب ہے نہیں آیا جو وہ سودائی آج

☆☆☆



ردیف جیم فارسی (چ)

(231)

بتوں کی کاکلوں کے دیکھ کر پیچ
پڑے ہیں دل پہ کیا کیا پیچ پر پیچ

طریق عشق بے رہبر نہ ہو طے
کہ ہے یہ رہ نہایت پیچ در پیچ

نہ ہووے دل کی تکل لے کٹ کے برباد
اگر ڈالے نہ وہ تار نظر پیچ

وہ زلف اس کی جو ہے پر پیچ و پر خم
کمند جاں ہے اے دل اس کا ہر پیچ

نظیر اک روز اپنے زخم سر کو
جو باندھا ہم نے دے کر بیشتر پیچ

نظر کرتے ہی اس سرکش نے اک بار
کہا کر کے سخن کا مختصر پیچ

دعا دیجے ہماری تیغ کو آج
کہ جس نے آپ کو بخشا یہ سر کے پیچ



(232)

اس کے بالا ہے اب وہ کان کے بیچ
جس کی کھیتی ہے جھوک سے جان کے بیچ
دل کو اس کی ہوا نے آن کے بیچ
کر دیا باؤلا اک آن کے بیچ
آتے اس کو ادھر سنا جس دم
آ گئی انبساط جان کے بیچ
راہ دیکھتی بہت نظیر اس کی
جب نہ آیا وہ اس مکان کے بیچ
پان بھی پاندان میں بند رہے
عطر بھی قید وان کے بیچ

☆☆☆

(233)

کی تم نے جفا ہم نے وفا جھوٹ ہے یا سچ
سوچو تو اسے دل میں ذرا جھوٹ ہے یا سچ
غصہ بھی کیا دکھ بھی دیے تم نے ولیکن
چپ ہو رہے ہم سر کو جھکا جھوٹ ہے یا سچ
تم ہم سے کئی بار خفا ہو گئے اے جان
پر ہم نہ ہوئے تم سے خفا جھوٹ ہے یا سچ

جو تم سے کہا اس نے بجا لانے میں ہم نے
اک لحظہ توقف نہ کیا جھوٹ ہے یا سچ
سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہنس کے بصد ناز
جانے اسے اب میری بلا جھوٹ ہے یا سچ

☆☆☆

22

نظیر یار سے کیوں درد دل نہیں کہتا؟
سنا نہیں ہے وہ تو نے کہ سانچ کو کیا آنچ؟

☆☆☆

ردیف حاء حطی (ح)

(234)

کچھ ایسی ہے کوئے یار کی صبح
ہو جس سے خجل بہار کی صبح

مکھڑا جو کھلا سحر کو اس کا
گردوں نے وہیں نثار کی صبح

کی زلف سیہ نے منفعل شام
رخسار نے شرمسار کی صبح

رہتا ہے جہاں وہ یار ہم کو
بھاتی ہے اسی دیار کی صبح

اس گل نے سنی جو بے قراری
میرے دل بے قرار کی صبح

فرمایا کریں گے ہم تسلی
اس خستہ دل نگار کی صبح



(235)

تھی چھوٹی اس کے مکھڑے پہ کل زلف مسلسل اور طرح
پر دیکھا آج تو اس گل کے تھے کاکل کے بل اور طرح

وہ دیکھ جھڑکتا ہے ہم کو کر غصہ ہر دم اور ہمیں
بے چین اسی کے ملنے سے زنہار نہیں کل اور طرح

معلوم نہیں کیا بات کہی غماز نے اس سے جو ہم سے
تھیں پہلی باتیں اور نمط اب بولے ہے چنچل اور طرح

دل مجھ سے اس کے ملنے کو کہتا ہے تو اس کے پاس مجھے
جب لے پہونچا تھا بھیس بدل پھر اب کے لے چل اور طرح

ہے کتنے دنوں سے عشق نظیر اس یار کا ہم کو جس کی ہیں
صبح اور برن شام اور پھبن آج اور دوش کل اور طرح

(236)

آرسی نے ایسی دیکھی حسن میں کس طرح
جو کھلی ہی رہ گئی آنکھ اس کی نرگس کی طرح

محفل خوباں میں آیا جس گھڑی وہ مہ جبیں
ہو گئی وہ انجمن انجم کی مجلس کی طرح

دیکھ کر حیرت زدہ محبوب نے مجھ سے کہا
دے نشاں اس کا تو اب حیرت میں ہے جس کی طرح

جب نہ میں کچھ کہہ سکا تب ہنس کے اے ناز سے
رکھ کے آئینے پہ انگلی یوں کہا اس کی طرح

جس کو کہتے ہیں نگاہ لطف خوباں اے نظیر
ہے وہ مثل کیمیا ہم منتظر مس کی طرح

ردیف خاء معجمہ (خ)

(237)

جب مجھ سے پھیرتا ہے وہ کر کے عتاب رخ
ہوتا ہے آنسوؤں سے مرا غرق آب رخ
غش سے نہ آوے ہوش میں مجبور ناتواں
چھڑکے اگر نہ لطف سے اس کا گلاب رخ
پھرتے ہیں اس جبیں کی تمنا میں مہ جبیں
اور رخ کے منتظر ہیں کئی آفتاب رخ
ناخن سے میرے رخ کو جو کرتا نہ ہو فگار
تو آکے مجھ کو یار دکھا دے شتاب رخ
تابش سے جس کے چہرے کی خورشید ہو خجل
پھر مہ کب اس کا دیکھ سکے بے نقاب رخ
جس شخص منتخب سے یہ پوچھیں ہیں جا کے ہم
دیوان حسن میں ہے وہ کیسا کتاب رخ
کہتا ہے وہ کہ جتنے پریرو ہیں اے نظیر
سب میں اسی کا ہم نے کیا انتخاب رخ



(238)

چھپاتا ہے وہ ہم سے وہ صنم رخ
دکھاتا ہے ہمیں کیا کیا الم رخ
نہیں دم لینے دیتی بے قراری
نہ دیکھیں ہم جو اس کا ایک دم رخ
نظر آتی ہے کیا کیا شکل فرحت
تک اس کا دیکھ لیتے ہیں جو ہم رخ
نظیر اس دلربا کا حسن ہے وہ
پری جس کے نہیں ہو سکتی ہم لے رخ
قمر ہر شام تکتا ہے جبیں کو
سحر دیکھے ہے مہر صبحدم رخ

(239)

ہم تو ہو جائیں اس سے اب گستاخ
ہونے دے گا مگر وہ کب گستاخ
ایک شب ہم نے بے قراری سے
چھو لی زلف اس کی ہو کے جب گستاخ
لا کے ابرو پہ چیں کہا اس نے
نکلے تم تو کوئی عجب گستاخ
ہم تو اس کی بہت سزا دیں گے
کس لیے تم ہو بے ادب گستاخ
آج تو زلف چھو لی تم نے نظیر
کل یوں ہی چوم لو گے لب گستاخ

ردیف دال مہملہ (د)

(240)

مرہم ہو کس طرح سے دل افگار کو پسند
آئی ہے کب شفا دل بیمار کو پسند

دل جنس طرفہ اپنی تو ہے فہیم میں مگر
جب جانیے کہ آوے خریدار کو پسند

تھے ہم تو خود پسند بہت لیکن عشق میں
اب ہے وہی پسند جو ہو یار کو پسند

کل سں ہمار پہلو میں فریاد دل نہیں
کیا جانے آ گیا وہ کس عیار ع کو پسند

آزادگی میں عیش میں لاکھوں پہ آوے کب
اس زلف پر شکن کے گرفتار کو پسند

کیونکر نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو دل اس کا جو کرے
سو جان سے تیغ ابروئے خمدار کو پسند

کوچے میں دلبروں کے دل ناتواں کو ہم
جب لے گئے کہ ہو کسی دلدار کو پسند

وہاں جس نے دیکھا اس نے کہا ہنس کر او میاں
کرتا ہے کون ایسے دل زار کو پسند

ناچار پھیر لائے اسے ہم کہ وہ نظیر
آیا نہ مہر ور نہ ستمکار کو پسند



(241)

جب ہم کو اس کی زلف کے آئے پسند بند
ایسے پھنسے کہ جس سے بندھے دل کے بند بند
کرنے فریب روز جو آتے ہو تم میاں
ہم کو بھی کتنے یاد ہیں اس ڈھب کے چھند لے بند
گردوں کب ایسی کاکل پر پیچ سے چھٹے
بندش میں حلقہ ؏ حلقہ ہے جس کا کمند بند
ہوتے ہی قید چاہ میں تڑپا دل اس طرح
پھڑکے ہے جیسے دام میں ہو کر پرند بند.
آیا جو وہ تو اس سے نظیر اس طرح ملا
پیچ ؏ کے جس میں ٹوٹ گئے اس کے چند بند

(242)

درپے میں دل اپنے کے ادھر عشوہ گرے چند
خوابندہ یک جاں ہیں ادھر مو کمرے چند
کیا کیا مگس ہوش کے باندھیں ہیں پر و بال
کر کر کے شکر خند ' بہم لب شکرے چند
ایک دن یہ ہوا عزم کہ باصد طرب و عیش
گلشن میں بسر کیجیے شام و سحرے چند

جب گھر سے چلا میں تو ملے راہ میں اک جا

حیرت زدہ و خستہ و خونیں جگرے چند

دیکھا جو مجھے سوئے چمن گرم تگ و پو

یوں لب سے کیے پند کے افشاں گہرے چند

اے یار تو جاتا ہے چمن میں تو خبردار

جلدی ہی نکل آئیو کر کے نظرے چند

واں آج تو البتہ مہیا ہیں ہیں بہر سو

داؤدی و نسرین و گل و برگ و برے چند

کل برگ خزاں دیدہ نظیرؔ اس میں اڑیں گے

اور ہوں گے پڑے بلبل و قمری کے پرے چند

(243)

چھوٹا بڑا نہ کم ' نہ منجھولا ازار بند

ہے اس پری کا سب سے امول ؏ ازار بند

ہر اک قدم پہ شوخ کے زانو کے درمیان

کھاتا ہے کس جھلک سے جھکولا ازار بند

گوٹا ' کناری' بادلہ' متیش کے سوا

تھے چار تولے موتی' جو تولا ازار بند

ہنسنے میں ہاتھ میرا کہیں لگ گیا تو وہ

لونڈی سے بولی "جا مرا دھولا ازار بند"

"اور دھو نہیں' تو پھینک دے ' ناپاک ہو گیا

وہ دوسرا جو ہے سو پروالا ازار بند

اک دن کہا یہ میں نے کہ اے جان آپ کا
ہم نے کبھو مزے میں نہ ......ازار بند
سن کر لگی یہ کہنے کہ اے واچھڑے چہ خوش
ایسا بھی کیا میں رکھتی ہوں پولا ازار بند
آ جاوے اس طرح سے جو اب ہر کسی کے ہاتھ
ویسا تو کچھ نہیں مرا بھولا ازار بند
اک رات میرے ساتھ وہ عیار مکر باز
لیٹی چھپا کے اپنا ممولا ازار بند
جب سو گئی تو میں نے بھی دہشت سے اس کی آ
پہلے تو چپکے چپکے ٹٹولا ازار بند
آخر بڑی تلاش سے اس شوخ کا نظیر
جب آدھی رات گزری تو ...... ازار بند

(244)

تو ہی نہ سنے جب دل ناشاد کی فریاد
پھر کس سے کریں ہم تری بیداد کی فریاد
تیشے کی وہ کھٹ کھٹ کا نہ تھا غلغلہ یارو
کی غور تو وہ تھی دل فرہاد کی فریاد
کل رات اس کو اس شوخ کی جا کر پس دیوار
اک درد فراہم نے جو بنیاد کی فریاد
سنتے ہی کہا اس نے کہ ہاں دیکھو تو اس جا
کس نے یہ بلکتی ہوئی ایجاد کی فریاد

فریاد نظیر آگے ہی اس کے ہے بہت خوب
واں دیکھنے کا دیکھنا فریاد کی فریاد

(245)

برسرِ بام دل زلف نے ڈالی کمند
پھرنے کی ہرگز نہیں اب کے یہ خالی کمند
ہاتھ لگا صاف کو اس کا تری گھات میں
بھاگ رہے دل ورنہ دیکھ اس سے سنبھالی کمند
مر کے بھی چھٹتا نہیں اس میں بندھا جو غرض
کاکل پر پیچ ہے سب سے نرالی کمند
جب وہ چلا صید کو ابرو نے لے لی کمان
گیسوئے بل دار نے جھپ سے اٹھا لی کمند
شال کے جھرمٹ میں زلف لے ہے چھپا اس لیے
یعنی ملا جب کہ صید تو تو نکالی کمند
اور نہ چڑھا جو کوئی گھات کے اوپر نظیر
تو اسی جھرمٹ میں پھر اپنی چھپا لی کمند

(246)

کیا نہ جس نے ہمیں نامہ و پیام سے یاد
ستا رہی ہے ہمیں اس کی آج شام سے یاد
جگر میں جوشِ تپش اور بہ لب ہجومِ فغاں

ہوئی ہے آج یہ کچھ اس کی اژدہام سے یاد

ہمارے آگے نہ لو نام گل کوئی ورنہ

وہ گلبدن ہمیں آوے گا گل کے نام سے یاد

دلایا نالہ ہمیں یاد بڑھ کے بلبل نے

یہ بات سچ ہے کہ آتا ہے کام کام سے یاد

علیحدہ خط وہ لکھے گا نظیر کیا جس نے

کیا نہ غیر کے خط میں کبھی سلام سے یاد

ردیف ذال معجمہ (ذ)

(247)

دیا ہمارا اسے نامہ بر نے جب کاغذ لے
تو بولا طیش میں آ کر پھر آیا اب کاغذ

ابھی تو دیر نہ گزری تھی ایک ساعت کی
وہ سمجھا کیا ہے جو بھیجے ہے جب نہ تب کاغذ

جنوں ہوا اسے یا خبط جس میں کھو کر ہوش
گھڑی گھڑی جو وہ لکھتا ہے بے سبب کاغذ

رقم کرے ہے اگر وہ جواب خط ہم کو
تو کوئی پوچھے اسے ہم نے بھیجا کب کاغذ

کبھی نہ ہم نے لکھا اس کو یہ کہ تو یاں آ
کبھی نہ اس سے کیا بھول کر طلب کاغذ

بغیر لکھنے کے اوپر یہ کچھ قیامت ہے
کہ پے بہ چلے آتے ہیں روز و شب کاغذ

غرض یہ آ کے کہا ہم سے نامہ بر نے نظیرؔ
کہ تم بھی زور ہو اور لکھتے ہو عجب کاغذ

(248)

جو پاویں دست بدست دلستان کا تعویذ
تو ہم بناویں اسے اپنی جان کا تعویذ

یقیں ہو جس کا اثر کا وہ نقش دل کا ہے
قلم سے لکھیے تو ہے وہ گمان کا تعویذ

جنون عشق میں تاثیر کی یہ بو لاوے
بخط مشک ہو یا زعفران کا تعویذ

کلائی ہم نے جو پکڑی پچک گیا ہمدم
وہ اس کے دست نزاکت نشان کا تعویذ

نہ اٹھتا پہونچے سے بھاری اسی سبب سے نظیر
بنا تھا بھاپ سے وہ عطر دان کا تعویذ

(249)

ہو کچھ آسیب تو واں چاہیے گنڈا تعویذ
اور جو ہو عشق کا سایہ تو کرے کیا تعویذ

دل کو جس وقت یہ جن آن کے لپٹا پھر تو
کیا کریں واں جو لکھتے ہیں فلیتا تعویذ

ہم تو جب ہوش میں آویں جو کہیں سے پاویں
یار کے ہاتھ کا بازو کا گلے کا تعویذ

زور تعویذ کا چلتا تو عرب میں یارو
کیا کوئی ایک بھی مجنوں کو نہ دیتا تعویذ

کوہکن کوہ کو کس واسطے کاٹا کرتا
دیتے غم خوار نہ گیا اس کے تئیں لا تعویذ
آخر اس کے بھی گیا دل کا دھڑکنا اس روز
قبر کا تیشے نے جب اس کے تراشا تعویذ
ہم کو بھی کتنے ہی لوگوں نے دیے آہ نظیر
پہ کسی کا کوئی کچھ کام نہ آیا تعویذ

مطلع

عشق کا دور کرے دل سے جو دھڑکا تعویذ

23

اس دھڑکے لے کا کوئی ہم نے نہ دیکھا تعویذ

ردیف رائے مہملہ (ر)

(250)

رہا ہے غم سے یوں آنکھوں میں آب ِ ارغوانی بھر
کہ جو ساغر میں دے ساقی شراب ارغوانی بھر
گل عارض و شگفتہ سحدم دیکھ اس کا خجالت سے
گیا پانی پے سحر کا آفتاب ارغوانی بھر
بھری ہے کاسہ سر میں وہی اپنے ہوا ساقی
کہ جس سے ہے رہا مے کا حباب ارغوانی بھر
گلوں سے اشک کے اس دیدہ خونبار نے یارہ
دیا اک دم میں دامان سحاب ارغوانی بھر
نظیر اس گل نے بنوائے جو تھے اوراق گلگوں کے
گئی شعروں سے وہ تیرے کتاب ارغوانی بھر

(251)

ایک دن اس مہر خوبی کے حضور
بیٹھ کر ہم نے کہا اے رشک حور
ہم کریں عجز و نیاز و انکسار
تم کرو جور و جفا ناز و غرور
کچھ سبب اس کا بتا جو اس گھڑی

یہ تعجب ہو ہمارے دل سے دور
سن کے فرمایا کہ گل نے باغ میں
کب لیا بلبل کے دل کو کر کے زور لے
شمع نے بھی کب کہا پروانے کو
یہ کہ تو جل مجھ پہ ہو کر ناصبور
بلبل و پروانہ جب آپ ہی کریں
اس میں گل اور شمع کا پھر کیا قصور
عشق میں بوڑھے ہوئے تم بھی نظیر
اب تلک تم میں نہ آیا کچھ شعور

(252)

کس طرح مل جائیے اس اچپلے ع سے دوڑ کر
ڈر کے چھپتا ہے جو اپنے دل جلے سے دوڑ کر
گھر سے جب آیا وہ اوپر دیکھنے کو اس کے میں
اٹھ چلا دیوار کے سایے تلے سے دوڑ کر
عید کے دن بھی نہیں ملتے سمجھ ہم کو برا
ہاں میاں سچ ہے کہ ملتے ہیں بھلے سے دوڑ کر
شام تک بھی وہ نہ نکلا گھر سے اپنے ہمنشیں
کیا ہوا جو ہم گئے تھے دن ڈھلے سے دوڑ کر
آج اس کی فہم میں کیا جانے کیا آیا نظیر
جو ہمارے لگ گیا چنچل گلے سے دوڑ کر

(253)

بسمل کے گلے کی نہیں تدبیر کوئی اور
جز یہ کہ لگا جائیے شمشیر کوئی اور
یوں چھوڑ کے زخمی جو ہمیں جاتے ہو تم آہ
کیا ترکش مژگاں میں نہیں تیر کوئی اور
اس لطف سے جز موئے قلم مانی تقدیر
کیا تاب جو کھینچے تری تصویر کوئی اور
بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتے تو غضب تھا
صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور
غنچہ بھی تری تنگدلی دیکھ نظیر آہ
کہتا ہے کہ ایسا نہیں دلگیر کوئی اور

(254)

یوں آئینے میں عارض تر آئے ہے نظر
پانی میں جیسے عکس قمر آئے ہے نظر
حسن صفا سے اس رخ آئینہ اشک پر
ٹھہرے ہے کب نظر وہ اگر آئے ہے نظر
کاری وہ زخم سینہ مرا ہے کہ جھانک کر
دیکھے اگر کوئی تو جگر آئے ہے نظر
رہنے کو اپنے ہم نے جو سوچا تو ہمنشیں
دونوں جہاں میں اس کا ہی در آئے ہے نظر

بھولے ہیں ہم اس کے کوچے کو جنت میں کب نظیر
اپنا ہزار کوس سے گھر آئے ہے نظیر

(255)

ہرگز نہ پایا ہے تو مجھے آنکھ بدل کر
ساقی ترے کوچے سے نہ جاؤں گا سنبھل کر
میں کشتہ ابرو ہوں ترا' اے مرے قاتل
آتے ہو لیے ہاتھ میں کیوں تیغ مچل کر
تم نے تو اداؤں سے کیا قتل ہے مجھ کو
بیٹھے ہو لبیں تیغ باندھ کے باہر جو نکل کر
جب ہم سے خفا ہو کے ہے وہ شمع رہ جاتا
خاموش ہو رہ جاتا ہوں پروانہ سا جل کر
میں عاشق بے دل ہوں ترا' اے مرے جانی
مت آنکھ چرا ہم سے' تو ایسا نہ خلل کر
کہتا ہے نظیر اس کو ذرا پیارے تو سو جا
تب اٹھ کے کھڑا ہوتا ہے وہ شوخ اچھل کر

(256)

رہے جو شب کو ہم اس گل کے ساتھ کوٹھے پر
تو کیا بہار سے گزری ہے رات کوٹھے پر
یہ دھوم دھام رہی صبح تک ہا ہا ہا!

کس کے اترے ہے جیسے برات کوٹھے پر

مکاں جو عیش کا ہاتھ آیا، غیر سے خالی

پٹے کے چلنے لگے پھر تو ہاتھ کوٹھے پر

گرایا شور کیا، گالیاں دیں، دھوم مچی

عجب طرح کی ہوئی واردات کوٹھے پر

لکھیں ہم عیش کی تختی کو کس طرح اے جاں

قلم زمین کے اوپر اور دوات کوٹھے پر

کمند زلف کی لٹکا کے دل کو لے لیجے

یہ جنس یوں نہیں آنے کی ہات کوٹھے پر

خدا کے واسطے زینے کی راہ بتلاؤ

ہمیں بھی کہنی ہے کچھ تم سے بات کوٹھے پر

لپٹ کر سوئے جو اس گلبدن کے ساتھ نظیرؔ

تمام ہو گئیں حل مشکلات کوٹھے پر

(257)

کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان کوٹھے پر

لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر

کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر

کرو گے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر

تمہیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے

تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر

یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی

تو آ رہے گی تمہارے ہی جان کوٹھے پر

مجھے یہ ڈر ہے کہ کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان کوٹھے پر

بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمہارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جھمک دکھا کے ہمیں اور بھی چھپاتا ہے
جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

تمہیں تو کیا ہے ولیکن مری خرابی ہو
کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

گو چونے کاری میں ہوتی ہے سرخی تو ایسی
کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد
کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر

لڑاؤ غیر سے آنکھیں تو کہو ہو ہم سے آہ!
کہ تھا ہمیں تو تمہارا ہی دھیان کوٹھے پر

خدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

کمند زلف کی لٹکا کے اس صنم نے نظیر
چڑھا لیا مجھے اپنے ندان لے کوٹھے پر

(258)

دھواں کلیجے سے میرے نکلا جلا جو دل بس کہ رشک کھا کر

وہ رشک یہ تھا کہ غیر سے ٹک ہنسا تھا چنچل مسی لگا کر
فقط جو چتون پہ غور کیجیے تو وہ بھی وہ سحر ہے کہ جس کا
کرشمہ بندہ غلام غمزہ دغائیں نوکر فریب چاکر
خرام کی ہے وہ طرز یارو کہ جس میں نکلیں کئی ادائیں
قدم جو رکھتا تو تن کے رکھتا جو پھر اٹھاتا تو ڈگمگا کر
لٹک میں بندوں کی دل جو آوے تو خیر بندے ہی اس کو لے لیں
وگرنہ آوے تو پھر نہ چھوڑے ادھر سے بالا جھمک دکھا کر
مجال کیا ہے جو دو بدو ہو نظر سے کوئی نظر لڑاوے
مگر کسی نے جو اس کو دیکھا تو سو خرابی سے چھپ چھپا کے
نہ کسی کے نہ درد دل کو وگر سنے تو جھڑک کے اس کو
یہ صاف کہدے تو کیا بلا ہے جو سر پھراتا ہے ناحق آ کر
نظیر وہ بت ہے دشمن نہ ملیو اس سے تو دیکھ ہرگز
وگر تو ملا خدا ہے حافظ بچے ہیں ہم بھی خدا خدا کر

(259)

دیتے ہیں جان حور و ملک جس کی آن پہ
کیونکر نہ ہو پھر اس کا دماغ ع آسمان پہ
سبزہ ع پڑا ہے کان میں اس سبزہ رنگ کے
سر سبزیاں ہیں اب تو زمرد کی کان پہ
جگنی ع پہ جان تڑپے ہے چنیا کلی پہ دل
اور روح لوٹتی ہے پڑی عطر دان پہ
کوچے میں اس کے جاتے تھے سینہ سپر کیے

کل تو میاں نظیر بھی کھیلے تھے جان پہ

(260)

رکھی ہرگز نہ ترے رخ نے رخ بدر کی قدر
کھوئی کاکل نے بھی آخر کو، شب قدر کی قدر
عزت و قدر کی، اس گل سے ' توقع ہے عبث
واں نہ عزت کی کچھ عزت ہے نہ کچھ قدر کی قدر
راتی خوار تھی اس چشم فسوں پرور سے
ہاں، مگر منزلت مکر تھی اور غدر کے کی قدر
مے پرستوں میں ہے یوں، ساغر و مینا کا وقار
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر کے کی قدر
کفش برداری سے اس مہر کی چمکا ہے نظیر
ورنہ کیا خاک تھی اس ذرہ بے قدر کی قدر

(261)

اس کے بن دیکھے جو مر جاؤں میں آنکھیں پھیر کر
ڈر خدا سے اے فلک اتنا تو مت اندھیر کر
میں تو بے غیرت نہیں کیا جاؤں اس بدخو کے پاس
کون سا کم بخت پھر لاتا ہے مجھ کو گھیر کر
داغ مرنے کا وہی محروم جانے جس کو آہ
موت آ پہونچی شتاب اور یار آیا دیر کر

(262)

اے مری جان ہمیشہ ہو تری جان کی خیر
ناز کی دور بلا حسن کے سامان کی خیر
رات دن شام سحر پہر گھڑی پل ساعت
مانگتے جاتی ہے ہم کو تری آن آن کی خیر
مہندی چوٹی ہو سوائی ہو چمک پٹی کی
عمر چوٹی کی بڑی زلف پریشان کی خیر
بے طرح بوجھ کے جھمکوں کے جھٹکے پڑتے ہیں
کیجو اللہ تو ان جھمکوں کی اور کان کی خیر
پان کھایا ہے تو اس وقت بھی لازم ہے یہی
ایک بوسہ ہمیں دیجیے لب و دندان کی خیر
آنکھ اٹھا دیکھیے اور دیکھ کے ہنس بھی دیجیے
اپنے کاجل کی زکوۃ اور مسی و پان کی خیر
پہلے جس آن تمہاری نے لیا دل ہم سے
اب تلک مانگتے ہیں دل سے ہم اس آن کی خیر
کیا غضب نکلے ہے بن ٹھن کے وہ کافر یارو
آج ہوتی نظر آتی نہیں ایمان کی خیر
جتنے محبوب پری زاد ہیں دنیا میں نظیرؔ
سب کے اللہ کرے حسن کی اور جان کی خیر

(263)

سحر ہم نے چمن اندر عجب دیکھا کل اک دلبر
سہی قامت پری پیکر، مقطع وضع خوش منظر
سخن بر غنچہ لب گل رو، جبین مہر اور کماں ابرو
وہ چشم شوخ پر جادوگہ تیر اور مژہ نشتر
شمیم زلف مشک افشاں تغافل سو ستم ساماں
غرور اور ناز بے پایاں مزاج اور طبع نازک تر
ادائیں سب فسوں آئیں نہ چھوڑیں دل نہ چھوڑیں دیں
فریب و عشوہ صلح آگیں عتاب و غمزہ جنگ آور
یہ دیکھا ہم نے جب عالم ت ورکھ دل ہاتھ پر ہمدم
کہا ہیں نذر کرتے ہم جو لے لیجے تو ہے بہتر
کہا لے جا تو اپنا دل کہ تو کیا اور تیرا دل
نہ لیویں ہم تو ایسا دل جس ہم نے یوں کر
یہی ایک دل ہے بیچارہ بھلا ہے یا کہ ناکارہ
اگرچہ ہے یہ آوارہ و لیکن ہے وفا پرور
جو نامنظور کرتے ہو تو کر دو یہ کب اٹھتا ہے
ہے جب تک دم میں دم اس کے رہے گا یہ اسی در پر
نظیرؔ اس نے یہ سنا جب تو بولا یوں وہ شیریں لب
ہمارا ہو چکا یہ اب بس اس قصے کو کوتہ کر

غزل مستزاد

(264)

یوں ہجر میں روتا ہوں میں اس گل کے شب و روز کرنالہ و فریاد جیسے کہ
کسی وقت

یوسف کے لیے روتی تھی یعقوب کی آنکھیں ہر شام و سحر کو خوناب میں
بھر بھر

خط میں نے جو بھیجا ہے با حسرت دیدار لکھ خون جگر سے اور داغ کی
کر مہر

تکتی رہیں جا کر مرے مکتوب کی آنکھیں اس رشک قمر کو حسرت سے
سراسر

(265)

پڑی ہے خاک گورستاں میں کیا کیا قد موزوں پہ
اگی ہے گھاس کس کس گلبدن کے روئے گلگوں پہ
وہ رکھے اینٹ چھاتی پہ بزیر خاک سوتے ہیں
چمکتے تھے سنہرے قصر جن کے بام گردوں پہ

(266)

لن ترانی نے کیا اپنا ظہور آخر کار

موسیٰ بیخود ہوئے اور جل گیا طور آخر کار
قرب سمجھا تھا جسے تو وہ ہے دوری اے شیخ
اسی نزدیک نے پھینکا تجھے دور آخر کار

(267)

دنیا ہے ایک نگار فریبندہ جلوہ گر
الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
آج اس پہ تھی کہیں تو لگائی کل اس پہ گھات
حسن فزا و ہوش ربا و شکیب بر
ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہر فریب دل
حیران ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر
لینے کو نقد عمر کے شیریں ہے مثل قند
جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دست تاسف بیک دگر
تو بھی جو اس کے پاس لگا دے گا دل تو یار
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
میں تجھ کو اس ربط سے کرتا نہ منع آہ
لیکن کروں میں کیا' تجھے درپیش ہے سفر
تو اس مثل کو سوچ ذرا گر سفر گزیں

کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر
کر درمیاں رہ کوئی مل جائے باغ اسے
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط
سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گزر
اس حرف کو نظیر کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

مستزادمثلث

(268)

بے جرم و خطار یار نہ کر چشم نمائی تیوری کو چڑھا کر
اور رنجش بیجا سے نہ کر صاف لڑائی منہ سرخ بنا کر
اس جور کی کب ہم سے ہوئی عہدہ برائی اتنی نہ جفا کر

کرتا ہوں ترے ہجر میں اے شوخ پریزاد' میں نالہ و فریاد
دیتا نہیں خاطر سے تری اے ستم ایجاد جب کوئی مری داد
پھر ہار کے دیتا ہوں میں تیری ہی دہائی' ہاتھوں کو اٹھا کر

دل تڑپے ہے بسمل کی طرح جی میں نہیں جی مشتاق اجل ہوں
آنکھوں میں دم آیا ہے نہیں مرنے میں باقی چھن یا کوئی پل ہوں
لائی مجھے ظالم تری اس درجہ جدائی' لے اب تو ملا کر

سدھ لے گئی بالے کی جھمک' صبر کرن پھول' اور عقل کو بندے
بالے کی گئی جھوک لگا سینہ میں اک ہول ع دل لے گئے جھمکے
اور جی کے تئیں لے گئی زنجیر طلائی' زنجیر پہنا کر

کاجل کی کھچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفاں جو ہوش اڑایا
مسی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں جو غش پہ غش آیا
ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینے میں لگائی مہندی کو دکھا کر

کیا اس کی نظیر اب میں کہوں تن کی لطافت میلا ہوگیا ہے
اور اس کے سوا اور یہ نرمی و نزاکت' تک ناز و ادا سے
اک پھول اٹھا دے تو مڑک جاوے کلائی بل سیکڑوں کھا کر

مستزاد دوم

(269)

یہ نور فزا رخ کرتا ہے نگاہوں کو ترا مطلع انوار
اب تیرے سوا رخ کس کا ہے بتا نام خدا ایسا جھمک دار
فرقت کے الم سے دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں دن رات
دیکھیں گے ترا رخ، وہ کون سا دن ہوگا مبارک جو ہم اے یار

متفرقات ردیف "ر"

کتنا تنگ صفا ہے کہ پائے نگاہ کا
ہاکا سا اک غبار ہے چہرے کے رنگ پر

داغ مرنے کا وہی محروم جانے جس کو آہ!
موت آپہونچی شتاب اور یار آیا دیر کر

ردیف رائے ثقیلہ (ڑ)

(270)

اے شوخ ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ
ایسا ہی چھیڑنا ہے تو اہل وفا کو چھیڑ
چھیڑے گا جب تو پیش نہ جاوے گا کچھ فسوں
اے دل نہ اس کے افعی زلف دوتا کو چھیڑ
چھیڑیں تو یاد مجھ کو بھی ہیں گی بہت و لے
دل کی خوشی یہ ہے کہ نہ اس دلربا کو چھیڑ
رک رک کے اشک چشم کے لایا ہے عنقریب
اے غنچہ لب بس اب نہ دل مبتلا کو چھیڑ
اک حرف چھیڑ کا تو صریحاً نہ کہہ نظیر
چھیڑے تو پردے پردے میں اس پر جفا کو چھیڑ

(271)

یوں ہم اس زلف میں آئے ہیں دل زار کو چھوڑ
جیسے جاتا ہے کوئی رات میں بیمار کو چھوڑ
آئی کیا کیا اس دم گل و سنبل کی بہار
رخ پہ جب اس نے دیا کاکل پے بلدار کو چھوڑ
عار کی اس نے تو پھر ہم نے کلائی پکڑی

اور نہ چنگل سے دیا دامن غبار کو چھوڑ
جب نظیر اس نے کہا چھوڑ تو یوں بولے ہم
دیں کلائی کو بھی اور دامن زرتار کو چھوڑ
پہ یہ ہے شرط کہ تو ہاتھ میں لے تیغ میاں
یا کوئی ہاتھ ادھر چھوڑ دے یا عار کو چھوڑ

(272)

ناز میں اس نازنیں نے جب لیا منہ ہم سے موڑ
دل نے چاہا کھا کے بل دے رشتہ الفت کو توڑ
ہم ان جب مارا طمانچہ دل کے اور گردن پکڑ
دی جھکا اور یوں کہا تو ان کے قدموں کو نہ چھوڑ
گر نہ سمجھا آج تک تو اب سمجھ اے بے وقوف
یہ تو تجھ کو ایک ہیں اور ان کو تجھ سے ہیں کروڑ
دم میں گھبراتا پھرے گا یاد رکھ اس بات کو
کل نہیں پڑنے کی ایسی ایک کل دیں گے مروڑ
کر یہی جلدی تو اس دم تجھ سے کہتا ہے نظیر
سر جھکا تقصیر بخشا پاؤں پڑ اور ہاتھ جوڑ

ردیف زاء معجمہ (ز)

(273)

آیا ادھر کو ایک دن وہ گلبدن نہ ہرگز
کام آئے ہمارے اے دل جتن ع نہ ہرگز
کب مل کے بیٹھے ہم سے وہ دلربا کہ اپنا
لگنے دے پیرہن سے جو پیرہن نہ ہرگز
کیا کیا ہوس کی ہم نے ملنے کی اس سے لیکن
آیا ہمارے بر میں وہ سیمتن نہ ہرگز
ساعد ع ہیں اس صنم کے وہ سیمگوں کہ جن کو
نسریں ع نہ پہونچے اصلا اور نسترن نہ ہرگز
ہووے ذرا بھی ناخوش وہ خوش خرام جس میں
تو اے نظیر چلیو چلن نہ ہرگز

(274)

جو آوے منہ پہ ترے ماہتاب ہے کیا چیز
غرض یہ ماہ تو کیا آفتاب ہے کیا چیز
یہ پیرہن میں ہے اس گورے گورے تن کی جھلک
کہ جس کے سامنے موتی کی آب ہے کیا چیز
جلا دیں ہم نے کتابیں کہ اس پریرو کے

کتابی چہرے کے آگے کتاب ہے کیا چیز
تمہارے ہجر میں آنکھیں ہماری مدت سے
نہیں یہ جانتیں دنیا میں خواب ہے کیا چیز
نظیر حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال
خدا ہی جانے کس سے پوچھوں یہ ندرت آب ہے کیا چیز
جو سخت ہووے تو ایسا کہ کوہ آہن کا
جو نرم ہووے تو برگ گلاب ہے کیا چیز
گھڑی میں سنگ گھڑی موم اور گھڑی فولاد
خدا ہی جانے یہ عالی جناب ہے کیا چیز

(275)

نہ ادا میں مزا نہ لذت ناز
آہ کا ہے کو خط ہوا آغاز
نام سنتے ہی اس پری رو کا
ہوش اپنے تو کر گئے پرواز
دیکھ تنہا نظیر کو خاموش
بولا آپ سے وہ بت طناز
مار ڈالا تری خموشی نے
کچھ تو پھر بیاں کر اپنا راز
جب تو لاچار ہو کے بھر کر آہ
یہی اس نے کہا کہ بندہ نواز
عاشقاں کشتگان معشوق اند
برنہ آید ز کشتگاں آواز

ردیف سین مہملہ (س)

(276)

دل کے لینے کا رکھ کے دل میں پاس
آ گیا وہ صنم ہمارے پاس
پہلے آنے سے اس کے آتی ہے
ہم کو اس زلف عنبریں کی باس
مل کے جب وہ چلا تو ہم نے کہا
کل بھی گر تم نہ آئے بے وسواس
تو یہ خاطر میں یاد رکھیے گا
ہے بندھی ایک شے ہمارے پاس
جب نظیر اس نے ہم سے کھلوائی
تھی وہ کیا چیز ریزہ ہا الماس

(277)

گر وہ مژہ ہو مائل جنگ پہ طاؤس
تو سہم ع سے بے پر ہو خدنگ پہ طاؤس
یوں زلف معنبر کے خط سبز ہے نزدیک
گویا پر طوطی ہے بچنگ پہ طاؤس
دکھلا دیں جو ہم داغ دل اپنے کی سیاہی

پرواز کرے خوف سے رنگ پر طاؤس
دیکھے جو ترے عاشق گل خوردہ کی تصویر
حیرت زدہ ہو دیدہ تنگ پر طاؤس
لکھ لکھ کے نظیر اس غزل تازہ کو خوباں
رکھ لیں گے کتابوں میں برنگ طاؤس

(278)

زلفیں یہ وہ نہیں رخ دلبر کے آس پاس
ابر سیہ ہے ماہ منور کے آس پاس
تجھ میں تو یہ شمیم نہ تھی سچ کہہ اے نسیم
کس کی پھری تو زلف معنبر کے آس پاس
گلشن میں جا کے پھرتا ہوں اس قد کو یاد کر
دو دو پہر میں سرو و صنوبر کے آس پاس
رو دیں گے ہم تو دیکھیو کوچے میں اپنے یار
پانی ہی پانی ہو گا ہر اک گھر کے آس پاس
اس شوخ کی طرف سے میں رقیبوں کے خوف سے
دیکھوں بھی ہوں تو آہ! نظر بھر کے آس پاس
ہم تو کمر بندھانے کے حیلے سے پھر لیے
ٹپکے کے ساتھ ساتھ ستمگر کے آس پاس
مثل بینئی آہ کا چکر سا باندھ دوں
پھرنے دے گر وہ اپنے مجھے سر کے آس پاس
باراں ہو گرچہ باد ہو کچھ ہو ہر ایک بار

پھر آتا اس صنم کے مجھے گھر کے آس پاس

اے شمع ٹک تو دیکھ کہ پروانہ اس گھڑی
کس کس طرح پھرے ہے ترے سر کے آس پاس

اس چاہ پر تو تجھ کو بھی لازم ہے یہ کہ اب
اٹھ کے پھرے تو آ کے ہر اک سر کے آس پاس

کیا کیا ہجوم ہوں گے مجنوں کے اے نظیر
محشر کے روز ساقی کوثر کے آس پاس

(279)

انکار ہم سے غیر سے اقرار بس جی بس
دیکھے تمہارے ہم نے یہ اطوار بس جی بس

اتنا ہوں جائے رحم جو کرتا ہے وہ جفا
تو اس سے روکے کہتے ہیں اغیار بس جی بس

ساقی ہمیں پلایئے یوں جام پے بہ پے
جو ہم نشین کہہ اٹھیں یک بار بس جی بس

یوں ناامید وصل سے یوں جیسے وقت نزع
رو کر کہے طبیب سے بیمار بس جی بس

غش ہوں میں وقت بوسہ جو کہتا ہے ہنس کے وہ
منہ کو ہٹا ہٹا کر بہ تکرار بس جی بس

اس کا جو بس جی بس مجھے یاد آوے ہے تو آہ
پہروں تلک میں کہتا ہوں ہر بار بس جی بس

کل وہ جو بولا ٹک تو کہا ہم نے منہ پھرا

خیر اب تلک میں کہتا ہوں ہر بار بس جی بس

ہم دل لگا کے تم سے ہوئے یاں تلک ہے تنگ
جو اپنے جی سے کہتے ہیں لاچار بس جی بس

سن کر کہا کہ کیا میرے لگتی ہے دل میں آگ
شکوہ سے جب کرے ہے تو اظہار بس جی بس

ایسے طمانچے ماروں گا منہ میں تیرے نظیر
گر تو نے مجھ سے پھر کیا ایک بار بس جی بس

فرد

ابھی تازہ حلقہ زلف میں جو پھنسا ہے طائع دل بھلا
اسے رنج پہونچے ہے اے صبا تو گھڑی گھڑی نہ ہلا قفس

ردیف شین معجمہ (ش)

(280)

ہم نے پوچھا آپ کا آنا ہوا یاں کس روش
ہنس کے فرمایا لے آئی آپ کے دل کی کشش
دل جونہی تڑپا وہیں دلدار آ پہونچا شتاب
اپنے دل کی اس قدر تاثیر رکھتی ہے طپش
سیر کو آیا تھا جس گلشن میں کل وہ نازنیں
تھی عجب نازاں بخود اس باٹ کی ایک ایک روش
ڈالتی ہے زلف پیچاں گردن دل میں کمند
اور رگ جاں سے کرے ہے نشتر مژگاں خلش
بھول کر اس کی جفا کا شکوہ مت کیجیو نظیر
تو پریشاں ہے گو ہے سخت اور یار ہے نازک منش

(281)

شیریں کو جیسی جو کی تھی شیر پر نوازش
ویسی ہی اب ہے اس کی مجھ پیر پر نوازش
کتنی کڑی ہے تو بھی سینے سے لگ رہی ہے
اس کو یہ ہے طلا کی زنجیر پر نوازش
وہ دن خفا ہو اس سے چاہا جو لطف ہم نے

کہہ کر "چہ خوش" یہ بولا تقصیر پہ نوازش
ہم جب شبیہ اپنی پھینک آئے اس کے در پہ
دیکھی تو کر کے اس کی تحریر پہ نوازش
ہنس کر نظیر واں سے ٹھوکر لگا بتا دی
کی اس نے یہ ہماری تصویر پہ نوازش

(282)

ہم ایسے کب تھے کہ خود بدولت یہاں بھی کرتے قدم نوازش
مگر یہ اک اک قدم پہ اے جاں فقط عنایت کرم نوازش
کہاں یہ گھر اور کہاں یہ دولت جو آپ آتے ادھر کو اے جاں
جو آن نکلے ہو بندہ پرور تو کیجیے اب کوئی دم نوازش
لگا کے ٹھوکر ہمارے سر پہ بلا تمہاری کرے تاسف
کہ ہم تو سمجھے ہیں اس کو دل سے تمہارے سر کی قسم نوازش
جواب مانگا جو نامہ بر سے تو اس نے کھا کر قسم کہا یوں
زبان قلم ہو جو جھوٹ بولے کہ واں نہیں یک قلم نوازش
اٹھاویں ناز ان کے ہم نہ کیونکر نظیر دل سے جن کے ہوویں
جفا تلطف عتاب شفقت، غضب توجہ، ستم نوازش

مقطع

واماندگان راہ تو منزل پہ جا پڑے
اب تو بھی اے نظیر یہاں سے قدم تراش



ردیف صاد مہملہ (ص)

(283)

جن دنوں ہم کو اس سے تھا اخلاص
کھل رہا تھا وہ جا بجا اخلاص
اس کو بھی ہم سے تھی بہت الفت
اور ہمیں اس سے تھا بڑا اخلاص
مل کے جب بیٹھتے تھے آپس میں
تھا دکھاتا عجب مزا اخلاص
ایک دن ہم میں اور نظیر اس میں
ہو کے خفگی جو ہو چکا اخلاص
ہم یہ بولے کدھر گئی الفت
وہ یہ بولا کدھر گیا اخلاص

(284)

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص
لیکن مشکل ہے ہمنشیں اخلاص
اس کی باریکیاں وہی جانے
ہووے جس شخص کے تئیں اخلاص
رشک سے ایک غیر نے اس کو

اپنے دل کا جتا وہیں اخلاص

یوں کہا تم نظیر سے اے جاں

دل سے رکھتے ہو یا یوہیں اخلاص

اس نے اخفائے راز کو میرے

منہ سے اس کے سنا جو ہیں اخلاص

یوں کہا ایسے پوچ لوگوں سے

کوئی رکھتے ہیں نازنیں اخلاص

اس کو ہو کچھ تو خیر رہ جائے

ہم کو تو اس سے کچھ نہیں اخلاص

ردیف ضاد معجمہ (ض)

(285)

سنیے اے جاں کبھی اسیر کی عرض
اپنے کوچے کے جا پذیر کی عرض
چھد گیا دل زباں تلک آتے
ہم نے جب کی نگہ کے تیر کی عرض
اس گھڑی کھلکھلا کے ہنس دیجیے
ہے یہی اب تو کہنہ پیر کی عرض
جب تو اس گلبدن شکر لب نے
یوں کہا سن کے اس حقیر کی عرض
اب تلک وصن ہے حسن وندال کی
دیکھ اس بوپلے نظیر کی عرض

(286)

کہیے کہاں تک ہمیں تم سے جو جو غرض
کچھ نہ اگر ہو سکے منہ سے تو بولو غرض
چشم سے ہم نے کہا لیجیے دل کے تئیں
اس نے نشے میں کہا لو میاں کس کو غرض
یار نے ہم سے کہا کچھ تمنا تمہیں

ہم نے کہا جی بہت پہ ہے یہ اب تو غرض
پہلے تو اک بوسہ دو پھر ہمیں دشنام دو
اس گھڑی بر لائیے آپ یہی دو غرض
جب یہ سنا یار نے ہنس دیا اور یوں کہا
تم بھی نظیر اب تو میاں خوب کوئی ہو غرض



ردیف طاءِ مہملہ (ط)

(287)

حسن کو ہے دلبری سے ارتباط
رخ کو ہے جاں پروری سے ارتباط
ہر مژہ کو تیر سے ہے ہمسری
چشم کو افسوں گری سے ارتباط
قد کو ہے سروِ سہی سے ہم قدی
تن کو ہے نازک تری سے ارتباط
ناز کو شوخی سے ہے پیوستگی
آن کو ہے غارت گری سے ارتباط
مل کے ایسے نازنیں سے پھر نظیرؔ
کب کیا ہم نے پری سے ارتباط

(288)

جب ہم نے اسے رقم کیا خط
جھپ نامہ رساں نے لے لیا خط
جاتے ہی دیا جو اس صنم کو
اس نے وہیں پڑھ کے لکھ دیا خط
آیا جو وہ نامہ بر تو ہم نے



خوش ہو کے بہت طلب کیا خط
جب اس نے کہا نظیر ہنس کر
تھا لطف کی وہ جو کیمیا خط
تعویذ شفائے دل سمجھ کر
میں نے ہی وہ دھو کے پی لیا خط

ردیف ظاءِ معجمہ (ظ)

(289)

دل ہے اس کجکلاہ سے محظوظ
جی بھی ہے اس کی چاہ سے محظوظ
تم سے جو ناز ہو کرو اے جاں
ہم ہیں اس رسم و راہ سے محظوظ
خوش پری بھی جو ہو سو ہو ہم تو
ہیں اسی رشک ماہ سے محظوظ
کیا تماشا ہے یارو کل تو نظیر
تھا بہت خانقاہ سے محظوظ
آج بیٹھا ہے میکدے کے بیچ
مغبچے کی نگاہ سے محظوظ

(290)

رہا سہہ کر ملال خوش محظوظ
دل سے ہم ہیں بحال خوش محظوظ
خم ابرو سے اس کے ہو تشبیہ
کیوں نہ ہو پھر ہلال خوش محظوظ
خوش نگاہوں کو سن کے آہو چشم



دشت میں ہیں غزال خوش محظوظ
خوب دیکھا تو گل سے بلبل کا
دل ہے گل کی مثال خوش محظوظ
ہے یہی خوب یار سے جو نظیر
رہیے فی کل حال خوش محظوظ

ردیف عین مہملہ (ع)

(291)

اس رخ کی ہمسری میں جو آوے خیال شمع
اتنی تو دھیان میں نہیں آتی مجال شمع
محفل میں اس کے تن کی نزاکت کو دیکھ کر
کرتی ہے اپنے شعلے کا رنج و ملا شمع
ہے منصفی تو یوں پہ پروانہ پہ لکھے
لکھنا اگر کسی کو ہو وصف جمال شمع
جاگا جو بزم عیش و طرب میں وہ صبح تک
دیکھا نظیر شرم سے ہم نے یہ حال شمع
ایسی چھپی وہ پردہ فانوس میں کہ پھر
وقت سحر تلک نہ گیا انفعال شمع

(292)

ہے ترا رخ بھی تجلی میں کچھ اس نور کی شمع
دیکھ جس نور کو کافور ہو کافور کی شمع
چشم بد دور اسی رخ سے ہوئی تھی روشن
مشعل وادی ایمن شجر طور کی شمع
ہے شب مہ میں وہ رخشاں ترے عارض کی جھلک

جس کے پرتو سے خجل ہو شب دیجور کی شمع

آفریں ہے دل پروانہ کو جس نے جل کر

حسن سے گرمئ بازار میں مشہور کی شمع

آیا نزدیک جو محفل کے وہ مہ رات نظیر

اہل محفل نے خجل ہو کے وہیں دور کی شمع



ردیف غین معجمہ (غ)

(293)

ساقیا ہے بہار زینت باغ
دے چھلکتے ہمیں بھی مے کے ایاغ
دیکھی جس دن سے اس پری کی چشم
پھر ہمیں ہوش نہ ملا نہ سراغ
اس نے بھیجا نہ رقعہ ایک اور ہم
کئی مکتوب کر چکے ابلاغ!
جائے حیرت ہے کل نظیر اپنا
تھا پراگندہ بوئے مے سے دماغ
آج لینے کو جام پے در پے
نہیں ساقی کی منتوں سے فراغ

(294)

کی جفا اس نے مہر کہہ کے دریغ
یوں رہے دل ہم یہ کیسے بہکے دریغ
وہ تو ہنستا ہے اور ہمارے آہ
آئے دامن تک اشک بہہ کے دریغ
کیا کریں اب تو آ گئے اے دل

جل میں اس شوخ رشک مہ کے دریغ
کتنے دن ہم بھی منہ لگے اس کے
پھر معاتب ہے ہوئے نگہ کے دریغ
مثل خس جا کے روئے بحر نظیر
آ لگے پھر کنارے بہ کے دریغ



ردیف فاء۔(ف)

(295)

ساقی یہ پلا اس کو جو ہو جام سے واقف
ہم آج تلک مے کے نہیں جام سے واقف
مستی میں سوا دور کے اس چشم سیاہ کے
کافر ہو جو ہو گردش ایام سے واقف
مر رک بھی بہ خاک نہ آسودہ ہوئے آہ!
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف
صیاد کی الفت سے پھنسے آن کے ورنہ
تھے کاہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف
ملنے کا پیام اس سے کہو جا کے عزیزو
جو اس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف
اوروں سے قسم کھایئے اور ہم تو مری جاں
ہیں خوب تمہاری قسم اقسام سے واقف
کوئی نہیں کرتا جو کیا تو نے نظیرؔ آہ!
دل اس کو دیا جس کے نہیں نام سے واقف

(296)

محفل میں ہم تھے اس طرف وہ شوخ چنچل اس طرف

تھی سادہ لوحی اس طرف مکر فسوں چھل اس طرف

بیٹھے ہم اپنے دھیان میں بیٹھا وہ اپنی آن میں
فکر نظارہ اس طرف مکھڑے پہ آنچل اس طرف

کیا کیا دکھاتی ہے الم کیا کیا رکھے ہیں پیچ و خم
آہوں کی شورش اس طرف زلف مسلسل اس طرف

ہم دے کے دل ہیں رنج کش وہ لے کے دل ہے جی میں خوش
بے تابی جاں اس طرف راحت خوشی کل اس طرف

آج اس سے ملنے کو نظیر احوال ہے دل کا عجب
ہم کھینچتے ہیں اس طرف کہتا ہے وہ چل اس طرف

(297)

کان میں اس کے نہیں لعل و گہر دونوں طرف
چھد رہے ہیں کان و دریا کے جگر دونوں طرف

بزم میں اس یار کی ہم ہیبت اغیار سے
دیکھتے تو ہیں پہ رہتی ہے نظر دونوں طرف

خوف بدنامی کا اس کو ہے تو ہے ہم کو بھی آہ
یہ وہ ٹھہری ہے مثل جو ایک ڈر دونوں طرف

اشک سے یاں چشم تر واں چشم نم سرمے سے ہے
چاہ رکھتی ہے غرض اپنا اثر دونوں طرف

غور سے دیکھا تو کیا کیا دل کی مچھلی کے نظیر
گھات میں رہتے ہیں بالے کے مگر دونوں طرف

(298)

اے صف مژگاں تکلف برطرف

دیکھتی کیا ہے الٹ سے صف کی صف

دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے

پڑ گئے ہیں ماہ کے منہ پر کلف ع

آ گیا جب بزم میں وہ شعلہ رو

شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف

ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا

جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

ردیف قاف (ق)

(299)

دل پھنسانے کے ہمنشیں لائق
ہے وہی زلف اور وہ چیں لے لائق
پاس اپنے بٹھا لے ہم کو ابھی
جانے گر کچھ وہ نازنیں لائق
اب تو ملتی ہے دمبدم وشنام
ٹھہرے اس لطف کے ہمیں لائق
اس کی چین جبیں سے دل کو نظیر
دیکھا ہوتا جو سہمگیں لائق
ہم نے ہنس کر وہیں کہا اے دل
تو ابھی چاہ کے نہیں لائق

(300)

دیکھا جو ہمیں اس نے لگا پاؤں سے تا فرق
ہنس کر یہ کہا قیس میں اور اس میں ہے کیا فرق
وہ دست و پا اس کے وابستہ جو دیکھے
پھر دست میں اور پا میں ہمیں کچھ نہ رہا فرق
کل ہنس کے نظیر اس نے کہا ناز میں ہم سے

کچھ بوسہ و دشنام میں بھی تم نے کیا فرق
جو چاہو سو ہم دیویں تمہیں ہم نے کہا جب
دونوں کی حلاوت میں نہیں ہم کو ذرا فرق
گو لطف سے دینے کو کہا آپ نے ہم کو
پر کہنے میں اور کرنے میں اے جاں ہے بڑا فرق

فرد

مضمون سرد مہری جاناں رقم کروں
گر ہاتھ آئے کاغذ کشمیر کا ورق

ردیف کاف تازی (ک)

(301)

بیٹھے ہیں اب تو ہم بھی بولو گے تم نہ جب تک
دیکھیں تو آپ ہم سے ناخوش رہیں گے کب تک

اقرار تھا سحر کا ایسا ہوا سبب کیا
جو شام ہونے آئی اور وہ نہ آیا اب تک

محفل میں گلرخوں کے آیا جو وہ پری رو
ہو شکل حیرت اس کی صورت رہے وہ سب ج تک

بوسہ نظیر ہم کو دینے کہا تھا اس نے
ہم وقت پا کے جس دم لینے کی پہونچے ڈھب تک

ہر چند تھا نشے میں وہ شوخ تو بھی اس نے
ہرگز ہمارے لب کو آنے دیا نہ لب تک

(302)

مے خوردہ جو دیکھا اسے آتے ہوئے در تک
دشوار پہونچنا ہوا اپنے ہمیں گھر تک

پردہ جو اٹھا اس رخ تاباں سے تو دیکھا
اک جوش تجلی تھا عیاں حد نظر تک

مت زلف کو دیکھ اس کی نڈر ہو کے تو اے دل
یہ مار سیہ ہے اسے پرخوف لے و خطر تک

ہجراں میں ہوئی رات ہمیں طرفہ اذیت
جب لیل کی لیاا کے گئی زلف کمر تک

ٹک آنکھ لگی تھی کہ وہیں خواب میں یارو
ہم اشک فشاں پہونچے جو اس رشک قمر تک
عزم اس نے کیا پونچھے اشک اس کے بصد مہر
وہ دست نگاریں گئے جب دیدہ تر تک
چشم اپنی گئی کھل جو نظیرؔ اس میں تو پھر ہم
ملتے کف افسوس رہے وقت سحر تک

(303)

چتون درست سین بجا باتیں ٹھیک ٹھیک
ناز و ادا کی اس میں ہیں سب باتیں ٹھیک ٹھیک
کیا دل کو اچھی لگتی ہیں ان خوش قدوں کی آہ
یہ پیاری پیاری بولیاں یہ گاتیں ٹھیک ٹھیک
منہ میں طمانچے چھاتی میں گھونسا کمر میں لات
کیا کیا ہوئیں یہ مجھ پہ عنایاتیں ٹھیک ٹھیک
موقع سے بوسہ موقع سے گالی بھی ہم کو دی
کی شوخ نے یہ دونوں مداراتیں ٹھیک ٹھیک
جب دوستی میں قول کے پورے ہوں دونوں شخص
ہوتی ہیں پھر تو کیا ہی ملاقاتیں ٹھیک ٹھیک
جب بن پڑی تو شیخ جی نہ ماریں کیا
ہم سے بھی پھر تو ہوویں کراماتیں ٹھیک ٹھیک
سچ ہے بقول حضرت سید نظیرؔ آہ
بن آتی ہیں تو ہوتی ہیں سب باتیں ٹھیک ٹھیک

ردیف کاف فارسی (گ)

(304)

اس کے ناز و ادا کے رنگ اور ڈھنگ
ہیں وہ کچھ جس سے ہو پری بھی دنگ

لعل دیکھے جو سرخ اس لب کی
طے کرے رشک کے کئی فرسنگ

دیکھی جب ہم نے وہ گلابی چشم
پھر نہ اس دن سے پی مئے گلرنگ

جب نظیر آ گیا وہ آئینہ رو
مہر سے کر کے اس طرف آہنگ

رنج دل یوں گیا رخ اس کا دیکھ کر
جیسے اٹھ جائے آئینے سے زنگ

(305)

یار کے کاکل نے دل ہم سے لیا اور الگ
چشم فسوں گر نے بھی سحر کیا اور الگ

آن دکھا کے قریب ہو گئے یکسو وہیں
غمزہ خونخوار نے خوں بھی پیا اور الگ

تیر نگہ کے تئیں یاد وہ انداز ہیں

سینے میں عشاق کے دل کو سیا اور الگ
ناز قرار و خرد لے کے گیا پھر مکر
تیغ نے ابرو کے بھی وار کیا اور الگ
نشتر مژگاں کی واہ کیا کہوں پھرتی نظیر
ہے جو رگ دل اسے چھیڑ دیا اور الگ



ردیف لام (ل)

(306)

ہے یہ شور اس دل جلے کا اس کے در کے متصل
جیسے لگتی ہے کسی کے آگ گھر کے متصل

آتے جاتے ہر گھڑی ہم دیکھتے تھے اس کو آہ
جن دنوں گھر تھا ہمارا اس کے گھر کے متصل

گر نکلتا ہے تو اے دل جلد سینے سے نکل
ورنہ غم کی آگ آ پہونچی جگر کے متصل

یک بیک غائب چمک کر جیسے ہو جاتی ہے برق
یوں ہی چھپ جاتا ہے وہ آ کر نظر سے متصل

ہیں یہ زلفیں منہ پہ یا بدلی کے دو ٹکڑے سیاہ
چلتے چلتے تھم رہے آ کر قمر کے متصل

اب تو یہ دھن ہے کس تدبیر سے یارو اگر
ہاتھ جا پہونچے مرا اس کی کمر کے متصل

کچھ ہی ہو جی جاوے اس میں یار ہے پر ایک بار
کھینچ لاؤں اس صنم کو اپنے گھر سے متصل

جی چھپانا اس گھڑی قاتل سے کیا حاصل نظیر
آ گئی شمشیر اس کی اب تو سر کے متصل

(307)

کب مثل شیشہ ان کا کسی سے بر آئے دل
پتھر جنہیں خدا نے دیا ہو بجائے دل

جب لے چلا وہ دل مرے پہلو سے کھینچ کر
دل سے مرے صدا یہ نکلی کہ ہائے دل

آوے اگر بتاں کے تئیں رسم دلبری
تو تو جہاں میں پھر کہیں ڈھونڈھا نپائے دل

اب تو تری جفا سے یہ مانگوں ہوں میں دعا
ظالم خدا کرے کہ کہیں تو لگائے دل

اور جس پہ تو فدا ہو وہ ظالم ہو اس قدر
جو مطلقاً ترا وہ نہ خاطر میں لائے دل

تجھ پر بھی چند روز تو یہ کشمکش رہے
در در ادھر کرے اور ادھر کو ستائے دل

ناچار جیسے تجھ سے چھڑاتا ہوں دل کو میں
ایسا ہی تو بھی اس سے لگا کر چھڑائے دل

شیدا ہوں میں تو لیلی و مجنوں کی چاہ پر
خالق نے کیا ہی خوب تھے ان کے بنائے دل

[تھے اس کے پا کے آبلے چھاتی پہ اس کی آہ
کیا اتحاد جسم تھا اور کیا صفائے دل

ہیں یاں بڑے جو اہل دل اکثر یہ کہتے ہیں
چھوٹا سا اک نظیر بھی ہے خاکپائے دل

(308)

دکھا کر اک نظر دل کو نہایت کر گیا بیکل
پری رو، تند خو، سرکش، ہٹیلا ، چلبلا چنچل

وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اس کو شرمندہ
قمر، خورشید، زہرہ ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل

کفوں میں انگلیوں میں لعل لب میں چشم میگوں میں
حنا آفت، ستم فندق، مسی جادو، فسوں کاجل

بدن میں جامہ زرکش ، سراپا جس پہ زیب آور
کڑے بندے، چھڑے، چھلے ، انگوٹھی، نورتن ہیکل

نزاکت اور لطافت وہ کف پا تک کہ حیران ہوں
سمن گل لالہ، نسرین، نسترن ، ور ، پرنیاں لے مخمل

سراسر پر فریب ایسا کہ ظاہر جس کی نظروں سے
شرارت ، شوخی، عیاری، طرح ، پھرتی، دغا ، چھلبل

نظیر اک عمر عشرت ہو، ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل

(309)

اے دل تو اپنی چاہ پہ مت پھول
دلبروں کی نگاہ پہ مت پھول

عشق کرتا ہے ہوش کو برباد
عقل کی رسم و راہ پہ مت پھول

دام ہے وہ ارے کمند ہے وہ
دیکھ زلف سیاہ پہ مت پھول
واہ کہہ کر جو ہے وہ ہنس دیتا
آہ اس ڈھل کی واہ پہ مت پھول
گر پڑے گا نظیر کی مانند
تو زنخداں کی چاہ پہ مت پھول

(310)

کھولی جو ٹک اے ہمنشیں اس دلربا کی زلف کل
کیا کیا جتائے خم کے خم کیا کیا دکھائے بل کے بل
آتا جو باہر گھر سے وہ ہوتی ہمیں کیا کیا خوشی
گر دیکھ لیتے ہم اسے پھر ایک دم یا ایک پل
دن کو تو بیم فتنہ ہے ہم اس سے مل سکتے نہیں
آتا ہے جس دم خواب میں جب دیکھتے ہیں بے خلل
کیا بے بسی کی بات ہے یارو نظیر اب کیا کرے
وہ آنے واں دیتا نہیں آتی نہیں یاں جی میں کل
دل ہر گھڑی کہتا ہے یوں جس طور سے اب ہو سکے
اٹھ اور سنبھل گھر سے نکل اور پاس اس چنچل کے چل

(311)

تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب، رخ سے رخ، نور سے نور، ظل سے ظل

یوسف مصر سے مگر ملتے ہیں سب ترے نشاں
زلف سے زلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تل سے تل

جتے ہیں کشتگان عشق ان کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک، نم سے نم، خون سے خون، گل سے گل

جب سے موا ہے کوہ کن، کرتے ہیں اس کا غم سدا
کوہ سے کوہ، جو سے جو، سنگ سے سنگ، سل سے سل

یار ملا جب اے نظیر میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم، جاں سے جاں، روح سے روح، دل سے دل

(312)

جو دل کو دیجیے تو دل میں خوش ہو گرے ہے کس کس طرح سے باچل
اگر نہ دیجیے تو وہ ہیں کیا کیا جتاوے خفگی، عتاب، اکڑ، بل

اگر یہ کہیے کہ ہم ہیں بیکل ذرا گلے مل تو ہنس کے ظالم
دکھاوے ہیکل اٹھا کے یعنی بلا سے میری مجھے تو ہے کل

جو اس بہانے سے ہاتھ پکڑیں کہ دل کی دھڑک ہمارے
تو ہاتھ جھپ سے چھڑ لے کہہ کر مجھے نہیں ہے کچھ اس کی اٹکل!

جو چھپ کے دیکھیں تو تاڑ جاوے، وگر صریحاً تو دیکھو پھرتی
کہ آتے آتے نگاہ رخ تک چھپا لے منہ کو الٹ کے آنچل

کرے جو وعدہ تو اس طرح کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی
جو سوچیے تو پھر کیساوعدہ فقط بہانہ' فریب اور چھل

جو دل کو بوسے کے بدلے دیجیے تو ہنس کے لے لے بہت خوشی ہے
جو بوسہ مانگو تو پھر یہ نقشا ابھی تو آج اور کبھی کہے کل

نہ جل بہ میں آوے نہ بھڑ کے نکلے نہ پاس بیٹھے نظر اک دم
بڑا ہی پرفن' بڑا ہی سیانا' بڑا ہے شوخ اور بڑا ہی چنچل

(313)

اسی کا دیکھنا ہے ٹھانتا دل
جو ہے تیر نگہ سے چھانتا دل

بہت کہتے مت مل اس سے لیکن
نہیں کہنا ہمارا مانتا دل

کہا اس نے یہ ہم سے کس صنم کو
تمہارا ان دنوں ہے مانتا دل

چھپاؤ گے تو چھپنے کا نہیں یاں
ہمارا ہے نشاں پہچانتا دل

کہا ہم نے نظیر اس سے کہ جس نے
یہ پوچھا ہے اسی کا جانتا دل

(314)

دیکھی جو اس محبوب کی ہم نے جھلک کی کل
پائی ہر ایک تعویذ میں اپنے بکل کی کل
جب ناز سے ہنس کر کہا اس نے ارے چل کیا ہے تو
کیا کیا پسند آئی ہمیں اس نازنیں چنچل کی چل
ہے وہ کف پانرم تر اس کی وقت ہمسری
ڈالے کف پائے صنم نرمی وہیں مخمل کی مل
ہم ہیں تمہارے مبتلا مدت سے ہے یہ آرزو
بیٹھو ہمارے پاس بھی اے جاں کبھی اک پل کی پل
ہے دم غنیمت اے نظیر اب میکدے میں بیٹھ کر
تو آج تو مے پی میاں پھر دیکھ لیجو کل کی کل

(315)

قصر رنگیں سے گزر باغ و گلستان سے نکل
بے وفا پیشہ تو مت کوچہ جاناں سے نکل
نکہت زلف یہ کس کی ہے جس کے آگے
ہوئی خجالت زدہ بو سنبل و ریحاں سے نکل
گو بہار اب ہے ولے روز خزاں سے بلبل
یک قلم نرگس و گل جاویں گے بستاں سے نکل
امتحاں کرنے کو یوں دل سے کہا ہم نے رات
اے دل غمزدہ اس کاکل پیچاں سے نکل

کہا کے سو پیچ کہا میں تو نکلنے کا نہیں
مگر اے دشمن جان چل تو مرے ہاں سے نکل

ہو پریشانی سے جس کی مجھے سو جمعیت
کس طرح جاؤں میں اس زلف پریشاں سے نکل

لاکھ زندان پہ آفات میں ہوتا ہے وہ قید
جو کوئی جاتا ہے اس طور کے زنداں سے نکل

مجھ سے ممکن نہیں محبوب کی قطع الفت
گرچہ میں جاؤں گا اس عالم امکاں سے نکل

چاہ میں مجھ کو یہ مرشد کا ہے ارشاد نظیر
آبرو چاہے تو مت چاہ زنخداں سے نکل

ردیم میم (م)

(316)

کر کے نیرنگ فقط دل ہی نہ لے جاؤ گے تم
ایسے ایسے تو بہت رنگ ابھی لاؤ گے تم
لے چلا دل کو وہ جب ہم نے یہ پوچھا کیوں جی
پھر بھی آؤ گے تو ہنس کر کہا اب آؤ گے تم
روٹھ کر اس سے چلے تو کہا یوں اس نے
اب تو اس طیش میں البتہ چلے جاؤ گے تم
بے کلی بعد گھڑی بھر کے ستاوے گی جب
ہار کر پھر ادھر آنے ہی کی ٹھہراؤ گے تم
پس یہ بہتر ہے کہ مت روٹھ کے جاؤ ورنہ
پھر جو آؤ گے تو یاں آنے نہیں پاؤ گے تم
ایک تو ہم تمہیں یاں آنے نہ دیویں گے نظیر
اور سوا اس کے جہاں جاؤ گے پچھتاؤ گے تم

(317)

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس! پیمانے کو ہم
مے بھی ہے مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں

دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر

کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا گلہ صیاد کا

بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم

طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی

اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بتخانے کو ہم

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل

اب کہاں لے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے تو بتا دے اے نظیر

تا کہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مرجانے کو ہم

(318)

نہیں یا بیٹھتے جو ایک دم تم

تو کیا ڈرتے ہو ہم سے اے صنم تم

ہنسو، بولو، ملو، بیٹھو بھلا جی

نہیں کیا عاشق و معشوق ہم تم

جو یاں آیا کبھی چاہو تو بے خوف

ادھر ایسا کرو اپنا قدم تم

نہایت سادہ دل ہیں ہم تو اے جاں

نہ سمجھو ہم میں ہرگز پیچ و خم تم

سنا جب یہ نظیر اس نے تو ہنس کر

کہا یہ تو ہمیں دیتے ہو دم تم

(319)

رہ کے خاموش خوش لے آئے بل گلفام کو ہم
سیکھے ہیں بلبل تصویر سے اس کام کو ہم
لذت آن و ادا لینے کو ہیں اور ہی آہ
ناز برداروں میں اس کے ہیں فقط نام کو ہم
میکدے سے نہ نکالو ہمیں اے بادہ کشاں
لب محبوب سمجھتے ہیں لب جام کو ہم
جس سے کرتے ہیں بتاں بعد جفا مہر و وفا
رشک سے تکتے ہیں اس نیک سر انجام کو ہم
چھوٹ کر دام سے اس کاکل مشکیں کے نظیر
یاد کرتے ہیں اسیری کے اب آرام کو ہم

(320)

نہ اس کے نام وے واقف نہ اس کی جا معلوم
ملے گا دیکھیے کیونکر وہ بت خدا معلوم
جواب دیکھیے دل لے کے یہ کہا چپکے
نہ ہو یہ اور کسی کو ترے سوا معلوم
لگا کے زخم جگر پہ جو پھر نمک چھڑکا
تو اس میں ہم کو ہوا اور ہی مزا معلوم

بدن پری کا ترے تن سے گو کہ گوارا ہے
ولے وہ چاہے کہ ایسا ہو گدگدا معلوم
ہم اس پہ مرتے ہیں مدت سے اور وہ کہتا ہے
قسم خدا کی ہمیں تو یہ اب ہوا معلوم
کیا تھا عہد نہ وعدہ نہ قول نے اقرار
جو آ گیا وہ مرے پاس شب کو نامعلوم
جو مجھ سے ہنس کے کہا جس لیے ہم آئے ہیں
نظیر تم بھی سچ کہیو کیا کیا معلوم
کہا یہ میں نے مجھے کیا خبر تمہیں جانو
کسی کے دل کی بھلا جی کسی کو کیا معلوم

(321)

تمہیں جس گھری دیکھتے ہیں میاں ہم
تو ہوتے ہیں جی میں بہت شادماں ہم
بتوں کے عجب حسن اور ناز دیکھے
جہاں میں غرض جن دنوں تھے جواں ہم
تمہیں جس قدر چاہتا ہے دل اپنا
وہ جی جانتا ہے کہ کریں کیا بیاں ہم
نظیر اپنا ہم کو سمجھ کر نہ روٹھو
تمہارے ہی ملنے کو آتے ہیں یاں ہم
جو ملنا ہے مل لو کوئی دم وگرنہ
یہی جان لو او میاں پھر کہاں ہم

(322)

بتوں کی دیکھ زلف عنبریں ہم
پھنسا بیٹھے دل اپنے کے تئیں ہم
لگاتا دیکھتے تیر نگہ کا
اگر دل میں نہ ہوتے سہمگیں ہم
کہا ہم نے کبھی آؤ ادھر کو
کہا ہنس کے نہیں جاتے کہیں ہم
نظیر اب تو ہوے اے جاں تمہارے
عجب کیا ہے اگر بیٹھیں قریں ہم
جو ہو کر ہمنشیں ہوں کچھ بھی گستاخ
سو اس ڈھب کے میاں ہرگز نہیں ہم

(323)

ہر آن تمہارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائیں گے ہم
تو ہار کے اک دن اس کی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائیں گے ہم
بیزار کریں گے خاطر کو پہلے تو تمہاری چاہت سے
پھر دل کو بھی کچھ منت سے کچھ ہیبت سے سمجھائیں گے ہم
گر کہنا دل نے مان لیا اور رک بیٹھا تو بہتر ہے
اور چین نہ لینے دیوے گا تو بھیس بدل کر آئیں گے ہم
اول تو نہیں پہچانو گے اور لو گے بھی پہچان تو پھر
ہر طور سے چھپ کر دیکھیں گے اور دل کو خوش کر جائیں گے ہم

گر چھپنا بھی کھل جاوے گا تو مل کر افسوں سازوں سے
کچھ اور ہی ایکا سحر بھرا اس وقت بہم پہونچائیں گے ہم
جب وہ بھی پیش نہ جاوے گا اور شہرت ہووے گی تو پھر
جس صورت سے بن آوے گا تصویر کھنچا منگوائیں گے ہم
موقوف کرو گے چھپنے کو تو بہتر ورنہ نظیر آسا
جو حرف زباں پر لائیں گے پھر وہ ہی کر دکھلائیں گے ہم

(324)

کبھو دیکھوں نہ سنبھل باغ کو میں، مجھے اس خم زلف دوتا کی قسم
نہ نگہ کروں عارض گل کی طرف، مجھے اس رخ مہر و وفا کی قسم
یوں پھرے ہے چمن کی فضا میں صبا، وہ ہزار طرح سے ہوا فہ کشا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اس کی ہوا، مجھے کوئے صنم کی ہوا کی قسم
جو ہیں آیا ادھر کو وہ چشم سیہ وہیں لے گیا دل کو بسیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اس بت ہوش ربا کی قسم
بدن اس کا ہے روکش برگ سمن، مرے بر میں جو آوے وہ رشک چمن
کھلے غنچہ دل مرا گل کے نمن، مجھے اس کھلے بند قبا کی قسم
ترے عشق نے دل میں جو درد دیا، تو کچھ اس سے مزہ میں ایسا لیا
نہ کروں نہ کروں میں دوا میں نے کھائی ہے اب تو دوا کی قسم
لگی مہندی جو ہاتھوں میں اس کے میاں، تو وہ سرخی کچھ ایسی ہے لالہ فشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں، سو وہ کھاتی ہے اس کی حنا کی قسم
میں نے دیکھا نظیر جو اس کے تئیں تو تھا شرم و حیا سے وہ سرو قریں

لیا نیچی نگاہوں سے جان دل و دیں' میں کہوں کیا اب اس کی حیا کی قسم

(325)

ہوں تیرے تصور میں مری جاں ہمہ تن چشم
دل ہے مرا جون آئینہ حیراں ہمہ تن چشم
تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں
رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم
آنکھوں کو ملے تاکہ ترے پاؤں کے نیچے
ہر نقش قدم سے ہے بیاباں ہمہ تن چشم
دیوانگی میری کے تحیر میں شب و روز
ہے حلقہ زنجیر سے زنداں ہمہ تن چشم
اس آس رہ کے ہے تصور میں نظیر اب
حیرت زدہ نظارہ پریشاں ہم تن چشم

(326)

گر کسی سے نہ دل لگاتے ہم
لذتیں چاہ کی نہ پاتے ہم
گر نہ کرتے کچھ احتمال لے جفا
تو بھلا ناز کیا اٹھاتے ہم
ایک دن بھی جو وہ ادھر آتا
بہر تسلیم سر جھکاتے ہم

شاد ہو کر بٹھاتے اور ہر دم
لب پہ شکر قدوم کے لاتے ہم
چلنے لگتا تو باتیں کرتے نظیر
گھر تلک ساتھ اس کے جاتے ہم

(327)

تدبیر ہمارے ملنے کی جس وقت کوئی ٹھہراؤ گے تم
ہم اور چھپیں گے یاں تک جی جو خوب پھر گھبراؤ گے تم
بیزار کرو گے دل ہم سے یا منت سے روکو گے
وہ دل تو ہمارے بس میں ہے کس طور اسے سمجھاؤ گے تم
گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا
اس کوچے میں بٹھا دیں گے پھر کہیے کیونکر آؤ گے تم
گر چھپ کر دیکھنے آؤ گے ہم اپنے بالا خانے میں
سب پردے چھوڑ رکھیں گے پھر کیونکر دیکھنے پاؤ گے تم
گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا
تاثیر کو اس کی کھووے گا کچھ پیش نہیں لے جاؤ گے تم
تصویر اگر منگواؤ گے تو دیکھ ہماری صورت کو
حیران مصور ہووے گا پھر رنگ کہو کیا لاؤ گے تم
جس وقت نظیر ان باتوں کی ہم خوب کریں گے ہشیاری
جو حرف زبان پہ لاؤ گے تم پھر کیونکر کر دکھلاؤ گے تم

(328)

اسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام
قدیر ہے و حق و کریم و مہیمن و منعام

بروج بارہ میں لا کر رکھی وہ باریکی
کہ جس کو پہونچے نہ فکرت، نہ دانش و اوہام

ادھر فرشتہ کروبی، اور ادھر غلماں
قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقت ارقام

یہ دو ہیں شمس و قمر اور ساتھ ان کے یار
عطارد و زحل و زہرہ مشتری، بہرام ۵

جو چاہیں ایک پہلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا
پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے کر تا انجام

بشر جو چاہے کہ سمجھے انھیں، سو کیا امکاں
ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام

نکالے ان سے گل و میوہ شاخ و برگ و بار
سب اس کے لطف و کرم کے ہیں عام یہ انعام

اسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں
چھوارے، کشمش و انجیر و پستہ و بادام

چمک رہا ہے اسی کی یہ قدرتوں کا نور
بہر زماں و بہر ساعت و بہر ہنگام

کہ اس کا شکر کریں شب سے ماہروز ادا
اطاعت اس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

نظیر نکتہ سمجھ مہر و فضل خالق کو
اسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

(329)

دیکھے نہ مجھے کیونکر از چشم حقارت وہ

وہ سرو جواں یارہٗ من فاختہ پیرم

چپ بیٹھوں تو کہتا ہے "خاموش چہ آہستی؟"

کچھ بولوں تو ہوتا ہے آزردہ ز تقریرم

ردیف نون (ن)

(330)

کر گئی ہے اس کی مژگاں کی جھپک بیکل ہمیں
کل اگر چاہے تو ہمدم اس گھڑی کچھ جکل ہمیں
کچھ تو جاتا دل سے خار بیقراری کا خلش لے
کاش وہ نوک مژہ دیتی قرار ایک پل ہمیں
وہ کف کج پا ہم نے سہلائی ہے نازک نرم نرم
کیا جتاتی ہے تو اپنی نرمی اے مخمل ہمیں
اس پریرو کی گلی میں یا نہاں یا آشکار
جس طرح سے ہو سکے، اے ہمنشیں، لے چل ہمیں
ہم تو ہوں کیفی کج ترے پر کیا کریں اے چشم یار
ہوش میں آنے نہیں دیتا ترا کاجل ہمیں
دل خم ابرو کو دیتے ہیں تو کس کس پیچ سے
دام میں لیتا ہے اس کاکل کا اک اک بل ہمیں

(331)

کہتے ہیں یاں کہ ''مجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں''
پیارے جو ہم سے پوچھو تو یاں کیا کہیں نہیں
تجھ سا تو کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں

یوں نازنیں بہت ہیں، پہ ناز آفریں نہیں

ساقی کو جام دینے میں اس خوش نگہ کو آہ!
ہر دم اشارتیں ہیں کہ "اس کے تئیں نہیں"

جب اس نہیں کے کہنے سے مانے ہے وہ برا
آپ ہی پھر اس کو کہتا ہوں ہنس کر نہیں نہیں

اتنا تو چھیڑتا ہوں کہ کہتا ہے جب وہ شوخ
"بندہ تو میرا مول خریدا نہیں نہیں؟

ساقی تجھے قسم ہے دیے جا مجھے تو جام
یاں دم میں دم ہے ہوتی نہیں جب نہیں نہیں

پوچھے ہے اس سے جب کوئی قتلِ نظیر کو
کہتا ہے "ہم نے مارا ہے ہاں ہاں نہیں نہیں"

(332)

سزا وار ارے ارے ہوئے ہیں
بھلا اتنے تو ہم ہارے ہوئے ہیں

نہ رکھتے ہم سے بل زلفوں کے حلقے
مگر اس کے یہ سنکارے ہوئے ہیں

تمہاری دیکھ کر عیاریوں کو
میاں کچھ ہم بھی عیارے سے ہوئے ہیں

بلاتے ہی نہ آئے ہم تو بولا
کہیں یہ نقد دل ہارے ہوئے ہیں

پھر آئی تو یوں نظیر اس نے کہا ہاں
کسی چنچل کے للکارے ہوئے ہیں

(333)

فرقت میں خستہ دل کا جب حال دیکھتے ہیں
جی کی ہر اک طپش سے ہم فال دیکھتے ہیں
خم تاب، حلقے بل چیں گرہ و شکن سے اب تم
زلفوں میں پھنس کے کیا کیا جنجال دیکھتے ہیں
ابرو کو دیکھتے ہی وہ تیغ ہے لگاتی
اور زخم کا نمک ہے جب خال دیکھتے ہیں
کرتے نگہ ہیں جب ہم رفتار پہ تو اس سے
دل کو ہر اک قدم پہ پامال دیکھتے ہیں
اڑتا ہے رنگ رخ سے ڈر کر نظیر کیا کیا
غصے میں ہم جب اس کا منہ لال دیکھتے ہیں

(334)

آج تو ہمدم عزم ہے یہ کچھ ہم بھی رہی کام کریں
کلک اٹھا کر یار کو اپنے نامہ شوق ارقام کریں
خوبی سے القاب لکھیں آداب بھی خوش آئینی سے
بعد اس کے ہم تحریر مفصل فرقت کے آلام کریں
یا خود آوے آپ ادھر یا جلد بلاوے ہم کو وہاں
اس مطلب کے لکھنے کو بھی خوب سا سر انجام کریں
حسن زیادہ آن موثر ناز کی شوخی ہو وہ چند
ایسے کتنے حرف لکھیں اورنامے کو اتمام کریں

سن کے وہ ہنس کر یوں بولا یہ تو تمہیں ہے فکر عبث
عقل جنہیں ہے وہ تو ہرگز اب خیال خام کریں
کام یقیناً ہے وہی اچھا جو کہ ہوا اپنے موقع سے
بات کہیں یا نامہ لکھیں یا رو رو صبح سے شام کریں
اس میں بھلا کیا حاصل ہو گا سوچ تو دیکھو میاں نظیر
وہ تو خفا ہو پھینک دے خط اور لوگ تمہیں بدنام کریں

(335)

خوباں تمہارے آگے جو نام جمال لیں
دامن سے لگ کے منہ کو گریباں میں ڈال لیں
تیر نگہ لگا کے نہ کھینچو بھوؤں کی تیغ
پھر کھینچنا ہم اس کے تو پیکان نکال لیں
دل ناوک نگاہ پیا پے سے گر چلا
فرصت جو کچھ بھی دو تو ہم اس کو سنبھال لیں
روکے ہی رکھیے تک صف مژگاں کی نوک جھوک
ہم طاقت اپنے دل کی ذرا دیکھ بھال لیں
دل ہم تو دے چکے ہیں بتوں کا میاں نظیر
میلا رکھیں یہ اس کے تئیں یا اجال لیں

(326)

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی لے کے چراغ جلتے ہیں

پڑے ہوس ہی ہوس میں ہمیشہ گلتے ہیں
ہمارے دیکھیے ارمان کب نکلتے ہیں

ہجوم آہ ہے آنکھوں سے اشک ڈھلتے ہیں
بھرے ہیں چاؤ جو دل میں سو یوں نکلتے ہیں

چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو ہم تو چلتے ہیں

برنگ اشک کبھی گر کے ہم نہ سنبھلے آہ
یہی کیا کیجے جی میں کہ اب سنبھلتے ہیں

نکالتا ہے ہمیں پھر وہ اپنے کوچے سے
ابھی تو نکلے نہیں ہیں پر اب نکلتے ہیں

فدا جو دل سے ان شوخ سبزہ رنگوں پر
یہ ظالم اس کی ہی چھاتی پہ مونگ لے دلتے ہیں

ہوا نحیف بھی یاں تک کہ حضرت مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور ہاتھ اپنے ملتے ہیں

کوئی تو پگڑی ع بدلتا ہے اور سے لیکن
میاں نظیر تم اب سے تن بدلتے ہیں

(337)

صفائی اس کی جھلکتی ہے گورے سینے میں
چمک کہا ہے یہ الماس کے نگینے میں

نہ توئی ہے نہ کناری نہ گھوکر و تس پہ
سجی ہے شوخ نے انگیا بنت کے مینے میں

جو پوچھا میں کہ "کہاں تھی" تو ہنس کے یوں بولی
"میں لگ رہی تھی انگیا موئی کے سینے میں"

پڑا جو ہاتھ مرا سینے پہ تو ہاتھ جھٹک
پکاری! آگ لگے اوئی اس قرینے میں

جو ایسا ہی ہے تو اب ہم نہ روز آویں گے
کبھو جو آئے تو ہفتے میں یا مہینے میں

کبھو منک کبھی بس بس کبھی پیالہ پٹک
دماغ کرتی تھی کیا کیا شراب پینے میں

چڑھی جو دوڑ کے کوٹھے پہ وہ پری اک بار
تو میں نے جا لیا اس کو ادھر کے زینے میں

وہ پہنا کرتی تھی انگیا جو سرخ لاہی کی
لپٹ کے تن سے وہ تر ہو گئی پسینے میں

وہ اٹھتی چھاتیاں دیکھ کر اپنی کہتی ہے ہے ہے
یہ کیا بلا ہے کہ اٹھتی ہے میرے سینے میں

یہ سرخ انگیا جو دیکھی ہے اس پری کی نظیر
مجھے تو آگ سی کچھ لگ رہی ہے سینے میں

(338)

کیا کاسہ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں
دور فلک سے کیا خبر پہونچے کا لب تک یا نہیں
ہی کاسہ فیروزگوں ہے شیشہ باز پر فنوں
جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیر نگیں
ہو اعتماد اس کا کسے ہے شیشہ بازی یاد اسے
رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پھر اندوہگیں
کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت سحدم ے
اک کاسہ سر پر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے میاں
تھے ہم تہی سر بر آسماں گو اب تو ہیں زیر زمیں
گلبرگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشک چمن
زریں و سیمیں پیرہن دلکش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں مہ طلعتوں کی صحبتیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قران مطب قریں
باغ و چمن پیش نظر بزم طرب شام و سحر
ہر سو بکثرت جلوہ گر حسن بتان نازنیں
ایک آسماں کے دور سے اک گردش فی الفور سے
اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں
سنتے ہی جی تھرا گیا رخسار پر اشک آ گیا
دل عبرتوں سے چھا گیا خاطر ہوئی بس سہمگیں

اس میں سر اپنا تا کہاں ہو مو ہوا مثل زباں
بولا نظیر آ کہ ہو ہاں من نیز روزے ہمچنیں

(339)

بگولے اٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے آ ہو گئی مٹھ بھیڑ آندھی میں
جتا کر خاک کا اڑانا' دکھا کر گرد کا چکر
وہیں ہم لے چلے اس گلبدن کو گھیر آندھی میں
رقیبوں نے جو دیکھا یہ اڑا کر لے چلا اس کو
پکارے ہائے! یہ کیسا ہوا اندھیرا آندھی میں؟
وہ دوڑے تو بہت لیکن انھیں آندھی میں کیا سوجھے
زبس ہم اس پری کو لائے گھر میں گھیر کر آندھی میں
چڑھا کوٹھے پہ دروازہ کو موند اور کھول کر پردے
لگا چھاتی' لیے بوسے' کیا ہت لے پھیر آندھی میں
اٹھا کر طاق سے شیشہ لگا چھاتی سے دلبر کو
نشوں میں عیش کیا کیا کیا دل سیر آندھی میں
کبھی بوسہ کبھی انگیا پہ ہاتھ اور گاہ سینے پر
لگ لٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں
مزے عیش و طرب لذت لگے یوں ٹوٹ کر گرنے
کہ جیسے ٹوٹ کر میوؤں کے ہوویں ڈھیر آندھی میں
رقیبوں کی میں اب خواری خرابی کیا لکھوں بارے
بھری نتھنوں میں ان کے خاک دس دس سیر آندھی میں

کسی کی اڑ گئی پگڑی، کسی کا پھٹ گیا دامن
گئی ڈھال اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں
نظیر آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں آندھی میں

(340)

کھلے گل سبزہ نزہت بار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صبا ہے رنگ و بو ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
ہجوم ابر ہے چمکے ہے برق اور مینہ برستا ہے
نشہ ہے تازگی ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صدائے بلبلاں ہے آبجو ہے صحن گلشن ہے
سمن ہے سرو ہے گلنار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صنم کے لب میں پان، ہاتھوں میں مہندی پیرہن رنگیں
کناری ہے دھنک ہے ہار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
نظیر اب عیش کی پیتا ہے مے ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہے گل ہے گل رخسار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

(341)

یہ جو خوباں حجاب کرتے ہیں
ہم پہ ناز و عتاب کرتے ہیں
اپنے ملنے سے دیکھیے کس دن

ہم کو پھر کامیاب کرتے ہیں
کل کہا ہم نے او نظیر میاں
تم سے ہم یہ خطاب کرتے ہیں
چپکے بیٹھے ہو کیوں تو سن کے کہا
شکوے جی میں حساب کرتے ہیں
ہیں تو کرنے بہت ولیکن ہم
دل میں کچھ انتخاب کرتے ہیں

(342)

جب اس کا ادھر ہم گزر دیکھتے ہیں
تو کر دل میں کیا کیا حذر دیکھتے ہیں
ادھر تیر چلتے ہیں ناز و ادا کے
ادھر اپنا سینہ سپر دیکھتے ہیں
ستم ہے کن انکھیوں سے گر تاک لیجے
غضب ہے اگر آنکھ بھر دیکھتے ہیں
نہ دیکھیں تو یہ حال ہوتا ہے دل کا
کہ سو سو تڑپ کے اثر دیکھتے ہیں
جو دیکھیں تو یہ جی میں گزرے ہے خطرہ
ابھی سر اڑے گا اگر دیکھتے ہیں
مگر اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس پر
یہ ثابت نہ ہو جو ادھر دیکھتے ہیں
چھپا کر داغ کر نظیر اس صنم کو
غرض ہر طرح اک نظر دیکھتے ہیں

(343)

مژگاں وہ جھپکتا ہے اب تیر ہے اور میں ہوں
سر پاؤں سے چھدنے کی تصویر ہے ارو میں ہوں
کہتا ہے وہ کل تیرے پرزے میں اڑاؤں گا
اب صبح کو قاتل کی شمشیر ہے اور میں ہوں
بے جرم و خطا جس کا خوں ہووے روا یارو
اس خوبی قسمت کا نخچیر ہے اور میں ہوں
ہے قتل کی دھن اس کو اور میری نظر حق پہ
تدبیر ہے اور وہ ہے تقدیر ہے اور میں ہوں
دل ٹوٹا نظیر اب تو وہ چار برس رہ کر
اس قصر شکستہ کی تعمیر ہے اور میں ہوں

(344)

چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں
یہ مہر و مہ جو نشیب و فراز ہیں گر واں
تمہارے باغ میں ایسے کئی ہنڈولے ہیں
تلا نہ حسن تمہارا وگرنہ میزاں میں
فلک پہ شمس و قمر لاکھ بار تولے ہیں
ہمارے قطرہ اشک اس کی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

تمہارے خندہ دنداں نما کی دولت سے
صدف تو کیا ہے کہ نیساں نے موتی رولے ہیں
غلط ہے یہ جو مرے گھر وہ بھول کر آویں
ادھر جو بھول پڑیں کیا وہ ایسے بھولے ہیں
وہ سنگدل جو نہ بولا تو کیا تعجب ہے
میاں نظیرؔ کہیں بت بھی منہ سے بولے ہیں

(345)

کل نظر آیا چمن میں اک عجب رشک چمن
گل رخ و گلگوں قبا و گلعذار و گل بدن
مہر طلعت، زہرہ پیکر، مشتری رو، مہ جبیں
سیمبر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن
تیر قد، نشتر نگہ، مژگاں سناں ابرو کماں
برق و ناز و رزم سازو نیزہ باز و تیغ زن
زلف وہ کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام
مشک تبت مشک چیں مشک خطا مشک ختن
نازنین، ناز آفریں، نازک بدن نازک مزاج
غنچہ لب رنگیں ادا سیمیں زنخ شیریں دہن
بے مروت بے وفا بے درد بے پروا خرام
جنگجو قتال بشنع و تند خو دل شکن
دوش و بردنداں و لب چاروں سے یہ چاروں خجل
نسترن برگ سمن در عدن لعل یمن

سختی و بے رحمی و ظلم و جفا اس شوخ کے
معتمدؔ موٗمی الیہ و مستشار و موٗتمن
مبتلا ایسے ہی خونخواروں کے ہوتے ہیں نظیر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

(346)

کیوں نہ ہو بام پہ وہ جلوہ نما تیسرے دن
ماہ بھی چھپ کے نکلتا ہے والا تیسرے دن
ہاتھ سے اب تو قلم رشک مسیحا رکھ دے
نسخے بدلیں ہیں جہاں کے حکما تیسرے دن
غرق دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش
ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سنا تیسرے دن
دل بیمار رہے عشق میں کیوں کر سرسبز
خاک سے دانے کو ہے نشوونما تیسرے دن
چھوڑ مت زلف کے مارے کو تو دریا میں ہنوز
سانپ کے کاٹے کو دیتے ہیں بہا تیسرے دن
اب ذرا چشم کے بیمار کا کر اپنے علاج
ہوتی معلوم ہے تاثیر دوا تیسرے دن
لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے
مہندی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن
عمر اک رفتہ نہیں باغ میں اے گل مت پھول
رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا تیسرے دن

چار حرف لے اس بت پہ خوں کے اوپر بھیج نظیر
آپ سے آپ ہو جو ہو جائے خفا تیسرے دن

(347)

عیش کر خوباں میں اے دل شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں

جس قدر پینا ہو پی لے ان کے ہاتھ سے
آب جنت تو بہت ہو گا یہ پانی پھر کہاں

لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہوں گی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں

واں تو ہاں حوروں کے گہنے کے بہت ہوں گے نشاں
ان پریزادوں کے چھلوں کی نشانی پھر کہاں

الفت و مہر و محبت سب ہیں جیتے جی کے ساتھ
مہرباں ہی اٹھ گئے یہ مہربانی پھر کہاں

واعظ و ناصح سب ہیں جیتے جی کے ساتھ
مہرباں ہی اٹھ گئے یہ مہربانی پھر کہاں

واعظ و ناصح بکیں تو ان کے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے میاں یہ نوجوانی پھر کہاں

جا پڑے چپ ہو کے جب شہر خموشاں میں نظیر
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر خوانی پھر کہاں

(348)

لینا ہے جان میری تو میں سر بدست ہوں
اے یار میں تو کشتۂ روز الست ہوں
اک دم کی زندگی کے لیے مت اٹھا مجھے
اے بے خبر میں نقش زمیں کی نشست ہوں
تو مست کر شراب سے اے گل بدن مجھے
ظالم میں تیری چشم گلابی سے مست ہوں
دور از طریق مجھ کو سمجھیو نہ زاہدا
گر تو خدا پرست ہے میں بت پرست ہوں
ان سنگدل بتوں کا گلہ کیا کروں نظیر
میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

(349)

یہ ہم سے آپ جو چیں بر جبیں ہیں
مگر ہم چاہ کے لائق نہیں ہیں
بتاں لیتے ہیں دل دونوں طرح سے
اگر بیباک ہیں یا شرمگیں ہیں
کھڑے تھے ہم جو اس گلرو کے آگے
سبب یہ کچھ جو ہم الفت گزیں ہیں
کہا کہیے نظیر اپنی تمنا
بڑے ہی آپ صاحب دور بیں ہیں

کچھ ایسا ہو کہ جس میں لوگ ہم کو
کہیں یہ بھی اب ان کے ہمنشیں ہیں

(350)

اس کے رخسار کی صباحت میں
شور ہے خال کا ملاحت میں
حسن کو دیکھ اے دل ناداں
ورنہ پڑ جائے گا قباحت میں
ہو گئے جو مقیم کوئے بتاں
پھر نہ آئے کبھی سیاحت میں
دل لگا کر نظیر بیٹھے ہم
رنج سے دور ہو کے راحت میں
جب سنا یہ کہ یاں ہے فرقت بھی
آ گیا فرق استراحت میں

(351)

کیا کہیں ہم پہ رات چاہت میں
گزری کیا واردات چاہت میں
ست الفت میں کیا مزا اے دل
چاہئے کچھ ثبات چاہت میں
یار چاہے جو پل میں آساں ہو

ورنہ ہیں مشکلات چاہت میں
کڑوی باتیں نظیر لگتی ہیں
دل کو مثل نبات چاہت میں
کر دے حنظل کو ایک دم میں شہد
ہم نے دیکھی ہے بات چاہت میں

(352)

نہ دیویں ہم تو دل اپنا کبھی بتوں کے تئیں
پر ان کے حسن کے آگے کچھ اختیار نہیں
نظیر ان دن اس تند خو سے میں نے کہا
یہ فارسی میں کہ اے مہ غدار و زہرہ جبیں
چہ جرم کردہ ام کہ نگاہے بحال من نہ کنی
چہ گفتہ ام کہ نگوئی دے بیا بنشیں
بجز جفا و تعدی نمی کنی برمن
نگہ عتاب قریں داری و جبیں پرچیں
جنھیں ہے دل کی لینے کی خو وہ دل لے کر
اگر جفا نہ کریں تو کب ان کو ہو تسکیں
کہاں تلک نہ پھنسے آن کر وہ طائر دل
بچھا دے جس کے لیے دام کاکل مشکیں
دلم بجز برا لے ہمیں بردہ کہ ظلم کنی
شنید و گفت بلے بردہ ام برائے ہمیں

(353)

دور سے منہ کو دکھا جاوے تو کچھ دور نہیں
اپنے منظور کو یہ بات بھی منظور نہیں
تاک کر سنگ نہ پھینکو کہ مرے سینے میں
دل پہ اک آبلہ ہے خوشہ انگور نہیں
اک تبسم ہے بتوں کا مری صحت کی دوا
پہ وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں تو رنجور نہیں
ان کا گورا وہ بدن ہے کہ برابر اس کے
سیم خالص نہیں موتی نہیں بلور نہیں
حسن میں اس در یکتا ہے جو ہمتا ہو نظیر
آدمی کیا کہ پری کا بھی یہ مقدور نہیں

(354)

دل ٹھہرا اک تبسم پر کچھ اور بہا اے جان نہیں
گر ہنس دیجے اور لے لیجے تو فائدہ ہے نقصان نہیں
یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یارو
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں
جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے
ہے کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں
کچھ بن نہیں آتا کیا کیجیے کس طور سے ملیے اے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو چین اک آن نہیں

تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
ہیں کہتے جس کو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں
دل پھنس کر اس کی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹا اس کے دام سے تو وہ دانا ہے نادان نہیں
زنہار نہ رکھیو دل میں نظیر اس لب سے توقع بوسے کی
گر بھولے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں

(355)

کیا دل لگاویں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں
نے واں ثبات اس سے ہم نے یاں قیام اپنے تئیں
تھا اک مکاں دلکشا رشک چمن جس کی فضا
تھی اس جگہ رونق فزا رقاصہ شوخ اک نازنیں
قد حسرت سرو چمن لب غیرت لعل یمن
جعد معنبر پر شکن نوک مژہ نشتر قریں
دیکھ اس کے رقصوں کی ادا دل رقص میں تھے جا بجا
نغمات یکسر سحرزا' انداز کل جادو گزیں
ناز و ادا کی گرمیاں غارت گر صبر و تواں
طور تکلم درفشاں طرز تبسم شکریں
کیا کیا لگاوٹ بے بدل کیا کیا رکھاوٹ بر محل
کیا کیا بناوٹ پل بہ پل کرتی تھی وہ زہرہ جبیں
گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجوزہ لے ہو گئی
وہ نوجوانی تازگی دیکھی تو کوسوں تک نہیں

وہ گل سا مکھڑا زرد ہے گرمی کا عالم سرد ہے
جاں رنج سے پردرد ہے آزردہ دل اندوہگیں

جوں بید لرزاں دست و پا ہے جائے چوب گل عصا
ہر مو جو سنبل رشک تھا یکسر ہے برگ یاسمیں

نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی
نے لب میں وہ سرخی رہی نے منہ میں وہ در ثمیں لے

دیکھ اس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں
تھی کل تو رشک گلستاں آج ہے خار سہمگیں

بولی نظیر عبرت میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم و رہ گاہے چناں گاہے چنیں

(356)

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس تک میں بجا کروں
نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں

تو ہزار مجھ کو ستا پری تری چاہ مجھ سے نہ چھوٹے گی
مرے دل کی تو ہے یہی خوشی تو جفا کرے میں وفا کروں

جونہیں بوسہ میں نے کیا طلب تو کہا تجھے تو نہیں ہے ڈر
مجھے خوف ہے کہ مبادا اگر کوئی دیکھ لے تو میں کیا کروں

مجھے مدتوں سے ہے درد دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر
تو کہا کہ اس کی دوا ہے یہ تو کہا کرے میں سنا کروں

جونگہ سے چاہ کے دیکھیے تو چڑھا کے تیوری یہ کہتا ہے
تیری اس نگہ کی سزا ہے یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

کبھی اس کے کوچے میں جا ملے جو بکام دل گھڑی دو گھڑی
تو مجھے ہیں یاد وہ مکر و فن پھر اسی کے دل میں جا کروں
کوئی بولا تم نے نظیر کو نہ جھڑک دیا تو کہا میاں
دل و جاں سے مجھ پہ فدا ہے وہ اسے کس طرح میں خفا کروں

(357)

دوانہ ترا عاشق زار میں ہوں
فدا تجھ پہ مدت سے اے یار میں ہوں
فریبوں میں کب تیرے آتا ہوں ظالم
فریبی جو تو ہے تو عیار میں ہوں
جسے اس نے کاٹا موا بے اجل وہ
سمجھتا تری زلف کو مار میں ہوں
اگرچہ وہ گل ہے دیا چشم نرگس
ترے باغ تازہ کا اک خار میں ہوں

(358)

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں
مے کہیں شیشہ کہیں ساقی کہیں جام کہیں
دل کی بیتابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہے مجھے
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ایک دل دیجیے کس کس کو سبھی مانگتے ہیں

بندے بالے کہیں اور زلف سیہ فام کہیں
نامہ بر نامہ لکھوں یا میں زبانی کہہ دوں
خط کے پرزے پہ لکھوں قاصد ناکام کہیں
دل بھی اور جان دیا سب نے اسی پر ہے نظیر
گل کہیں، غنچہ کہیں، بلبل بدنام کہیں

(359)

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں
بھر آ رہا ہے ترے غم سے اب آنکھوں میں
جدھر وہ دیکھے ادھر کی صف الٹ دے ہے
بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں
تھا نہ اشک نہ نیند آئی نا پلک جھپکی
بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں
تمہارے ہم تو قدیمی غلام بندے ہیں
تمہیں نہ چاہیے ہم سے حجاب آنکھوں میں
قسم ہے چشم گلابی کی تیری اے گل رو
کہ یاں کھینچے ہے پڑا تن گلاب آنکھوں میں
خدا کی شان جنہیں بات بھی نہ آتی تھی
وہ اب کریں ہیں سوال و جواب آنکھوں میں
شتابی آن کے محبوبؔ پگڑیاں رنگ لو
نظیر لایا ہے بھر کر شباب آنکھوں میں

(360)

اپنی پرستشوں کی گرچہ نہایتیں ہیں
لیکن بتوں کی ہم سے اب تک شکایتیں ہیں
منہ کو پھرا کے ہم نے آئینے کو دکھانا
آئینہ رویوں کی کیا کیا رعایتیں ہیں
کہتے ہیں ہم جو آؤ تو در جواب اس کے
ایک اک سخن میں سو سو طرزیں کنایتیں ہیں
بے رحمیٔ نگہ کی فریاد جب ہیں کرتے
ت وہم کو جھڑکیاں ہیں اس کی حمایتیں ہیں
سن کر کسی کے غم کو کہتے نہیں کہ سچ ہے
تحریک لب کی اپنے یاں تک کنایتیں ہیں
دے کر نظیر دل کو جو جو سہیں جفائیں
کہیے کہاں تک ان کو لاکھوں حکایتیں ہیں

(361)

یہ جو گلرو نگار ہنستے ہیں
فتنہ گر ہیں ہزار ہنستے ہیں
عرض بوسے کی سچ نہ جانو تم
ہم تو اے گلعذار ہنستے ہیں
دل کو دے مفت ہنستے ہیں ہم یوں
جس طرح شرمسار ہنستے ہیں

ہم جو کرتے ہیں عشق پیری میں
خوبرو بار بار ہنستے ہیں
جو قدیمی ہیں یار دوست نظیر
وہ بھی بے اختیار ہنستے ہیں

(362)

کہتے ہیں جس کو نظیر سنیے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلم غریب بزدل و ترسندہ جاں
کوئی کتاب اس کے تیں صاف نہ تھی درس کی
آئے تو معنی کہے ورنہ پڑھائی رواں
فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے
فارسی میں ہاں مگر سمجھ تھا کچھ این و آں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کبھی
پختگی و خامی کے اس کا تھا خط درمیاں
شعر و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے
اپنے اسی شغل میں رہتا تھا خوش ہر زماں
ست روش پست قد سانولا ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں
ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسے کے طور
تھا وہ پڑا آن کر ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اسکی تھی تس پہ نہ رکھتا تھا ریش
موچھیں تھیں اور کانوں پہ پٹے بھی تھے پنبہ ساں

پیری میں جیسی کہ تھی اس کو دل افسردگی
ویسی ہی رہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں
جتنے غرض کام ہیں اور پڑھانے کے سوا
چاہیے کچھ اس سے ہوں اتنی لیاقت کہاں
فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و نان

(363)

نہ میں دل کو اب ہر مکاں بیچتا ہوں
کوئی خوب رو لے تو ہاں بیچتا ہوں
وہ مے جس کو سب بیچتے ہیں چھپا کر
میں اس مے کو یارو عیاں بیچتا ہوں
یہ دل جس کو کہتے ہیں عرش الٰہی
سو اس دل کو یارو میں یاں بیچتا ہوں
ذرا میری ہمت تو دیکھو عزیزو
کہاں کی ہے جنس اور کہاں بیچتا ہوں
لیے ہاتھ پر دل کو پھرتا ہوں یارو
کوئی مول لیوے تو ہاں بیچتا ہوں
وہ کہتا ہے جی کوئی بیچے تو ہم لیں
تو کہتا ہوں لو ہاں میاں بیچتا ہوں
میں ایک اپنے یوسف کی خاطر عزیزو
یہ ہستی کا سب کارواں بیچتا ہوں

جو پورا خریدا پاؤں تو یارو
میں یہ سب زمین و زماں بیچتا ہوں
زمیں آسماں عرش کرسی بھی کیا ہے
کوئی لے تو میں لامکاں بیچتا ہوں
جسے مول لینا ہو لے لے خوشی سے
میں اس وقت دونوں جہاں بیچتا ہوں
بکی جنس خالی دوکاں رہ گئی ہے
سو اب اس دوکاں کو بھی ہاں بیچتا ہوں
محبت کے بازار میں اے نظیر اب
میں عاجز غریب اپنی جاں بیچتا ہوں

(364)

جان کر ہم سے نہ پوچھو کہ تم عاشق ہو بہ جاں
ہم تو عاشق ہی تمہارے ہیں عیاں راچہ بیاں

(365)

وہ بدو اس بت سرکش کی پینہ ہوتا اے دل
مژہ اور ابرو کی تیار ہے واں تیر و کماں
جب یہ کہتے ہیں کہ ہم دل سے تمہیں چاہتے ہیں
دیکھ کر ہم کو تعجب سے یہ کہتا ہے کہ ہاں

(366)

چاہت کے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں
کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں
رو آئینے کو دیتے ہو برعکس ہمارے
آئینہ رخو طالب دیدار تو ہم ہیں
گلشن میں عجب جاتے ہو حسن کی تزئین
اس جنس دل آرا کے خریدار تو ہم ہیں
کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدہ شوخی رفتار تو ہم ہیں
کی چشم سوئے نرگس بیمار تو پھر کیا
اس عین عنایت کے سزاوار تو ہم ہیں
دل دے کر دل آزار کو کیا شکوہ بیداد
گر سوچیے اپنے لیے آزاد تو ہم ہیں
جس دن سے چھٹے دیکھتی نہ پھر شکل رہائی
کیا کہیے نظیر ایسے گرفتار تو ہم ہیں

(367)

عبث چمن میں نہیں گل عذار آتے ہیں
گلوں کو اپنی دکھانے بہار آتے ہیں
گھڑی گھڑی ہمیں دیکھ اُنے در پہ کہتا ہے
یہ کون ہیں جو ادھر بار بار آتے ہیں

قرار لینے کو جاتے ہیں ہم جب اس کے پاس
زیادہ اور بھی ہو بے قرار آتے ہیں
جو ساری وضع میں کل لے گئے تھے ہوش اے دل
سنا ہے آج وہ کر کر سنگار آتے ہیں
گئے تھے ملنے کو شاید جھڑک دیا اس نے
میاں نظیرؔ تو کچھ شرمسار آتے ہیں

(368)

مجھ پہ ابرو کی تو نہ کھینچ کماں
او میں تیری کمان کے قرباں
داد تیرے بھی حسن کی دیتا
آج ہوتا اگر مہ کنعاں
ٹھنڈی آہیں جگر سے نکلی ہیں
اشک بھی متصل ہیں قطرہ زناں
دم غنیمت ہے پھر کہاں اے دل
یہ ہوا سرد اور یہ آب رواں
بوسہ لیجے جو ہو کے دست و کمر
اتنی ہم میں کہاں ہے تاب و تواں
وہ دہن اور کہاں لب اپنے نظیرؔ
وہ کمر اور کہاں اور ہاتھ میاں

(369)

تو کہتا ہے میں آؤں گا دو چار گھڑی میں
مر جائے گا ظالم ترا بیمار گھڑی میں
جس کام کو برسات میں لگتے ہیں مہینے
وہ کرتے ہیں یہ دیدہ خونبار گھڑی میں
میں تجھ کو نہ کہتا تھا نظیر اس سے نہ ملنا
اب دیکھیو حال اپنا تو ایک چار گھڑی میں

(370)

مرتے ہیں ہم تو اب جان یا نہ جان
باقی ہے کوئی آن تو اب جان یا نہ جان
تیری تغافلوں کی جفا سے ترس ترس
جی دیں گے ہم ندان تو اب جان یا نہ جان
مجنوں کے جو نشان تھے سو اب تجھ میں اے نظیر
ہیں بس وہی نشان تو اب جان یا نہ جان

(371)

چھوٹا سا خال اس رخ خورشید تاب میں
ذرہ سا گیا ہے دل آفتاب میں
مردے کو ٹھوکروں میں جلا دیتے ہوں جہاں
واں حضرت مسیح ہیں پھر کس حساب میں

ہر زخم پر ہے آہ کے بدلے صدائے واہ
کیا پر دلی ہے اس دل خانہ خراب میں
لگتے ہی آنکھ شب کو نظر آ گئی وہ شکل
پائی یہ ہم نے دولت دیدار خواب میں
آپ ہی تو دل کو لے گئے آپ ہی ہیں پوچھتے
کہیے میاں نظیر ہیں کس اضطراب میں
قدرت کہاں جو اس س کہوں میں یہ بات آہ
صاحب تمہیں تو ڈال گئے ہو عذاب میں

(372)

ہم میں بھی اور انہوں میں پہلے جو یاریاں تھیں
دونوں دلوں میں کیا کیا امیدواریاں تھیں
وہ منتظر کہ آویں ہم پر تپش کہ جاویں
اس ڈھب کی ہر دو جانب بے اختیاریاں تھیں
نہ ضبط ہے نگہ کا نہ رک سکے نظارہ
کیا شوق ورزیاں تھیں کیا بے قراریاں تھیں
اٹھنے میں بیٹھنے میں ہنسنے میں بولنے میں
کچھ بے شعوریاں تھیں کچھ ہوشیاریاں تھیں
جس جا نظر آ کر ہوتی ہیں انکھیں تو
واں ایسی ایسی کتنی عشرت شعاریاں تھیں

(373)

لطف جو چاہت کے ہیں سو وہ جتانے نہیں
چاہ چھپی کیجیے تا کوئی جانے نہیں
گنج محبت عبث کیجیے برباد کیوں
یہ تو بڑا نقد ہے آنے دو آنے نہیں
نکلیں ہیں جو اشک و آہ دل میں وہیں روکیے
دیدہ و لب کو مزے ان کے چکھانے نہیں
تھا جو نظیر اس کو ایک شخص ہو تم
واں بھی تو عشق کے راز اس کو بتانے نہیں
تھا جو نظیر اس کو ایک شخص نے آ کر کہا
پڑھیے کچھ اپنا سخن کیجیے بہانے نہیں
جب نہ پڑھا کچھ تو پھر اُ سنے خفا ہو کہا
کیا تمہیں شعر اپنے آہ ہم کو سنانے نہیں
سنتے ہی اس بات کے بھر کے دم سرد آہ
کہنے لگا کیا پڑھیں دل تو ٹھکانے نہیں

(374)

قتل پہ باندھ چکا وہ بت گمراہ میاں
دیکھیں اب کس طرح ہوتے ہیں اللہ میاں
نزع میں چشم کو دیدار سے محروم نہ رکھ
ورنہ تاحشر یہ دیکھیں گی تری راہ میاں

تو جدھر چاہے ادھر جا کہ سحر سے تا شام
میں بھی سائے کی طرح ہوں ترے ہمراہ میاں
ہم تری چاہ سے چاہیں گے اسے بھی دل سے
جس کو جی چاہے اسے شوق سے تو چاہ میاں
لیکن اتنا ہے کہ اس چاہ میں دریا ہیں کئی
ایسے ایسے کئی ہیں جن کی نہیں تھاہ میاں
آگے مختار ہو تم ہم جو تمہیں چاہے ہیں
اس سبب سے تمہیں ہم کرتے ہیں آگاہ میاں
جب دم نزع نہ آیا وہ ستمگر تو نظیر
مر گیا کہہ کے یہ حسرت زدہ اے واہ میاں

(375)

کی طلب ایک شہ لے کچھ پنداز حکیم نکتہ داں
اس نے سن کے یوں کہا اے صاحب اقبال و شاں
یاد رکھ اور پاک رکھ اور سخت رکھ اورج مع رکھ
کھا چھپا کاٹ اوراٹھا' دے لے بخوبی ہر زماں
اس نے اس مجمل کے تفصیلات جب پوچھے تو پھر
لطف سے اس نکتہ رس نے یوں کہا اس کا بیاں
یاد رکھ ہر دم خدا کو پاس رکھ حسن وفا
سخت رکھ دین کو مدام اور جمع کر علم اے جواں
کھا غضب غصہ چھپا عیب رفیق و آشنا
کاٹ رابط ہم نشیں بد کہ ہے اس میں زیاں

اور اٹھا ہر دم ضعیف و ناتواں سے ظلم و جور
داد مظلوموں کی دے اور لے بہشت جاوداں
نثر میں مجھ کو نظیر آئے تھے یہ نکتے نظیر
میں نے نظم ان کو کیا تو دل ہو ہر دم شادماں

(376)

جھکائے سر کو چپ ہوں یوں میں بحر غم کی لہروں میں
کوئی کھیلے ہے جیسے بازی شطرنج پہروں میں
چنے ہیں جیسے مہرے خانے خانے میں بساط اوپر
رکھیں ہیں دل یوں ہی اس زلف کے حلقوں کے لہروں میں
ہمارے دل کے کیا کیا پیل بند صبر توڑے ہے
پڑی ہے یہ جو زنجیر طلا چھلے سنہروں میں
رکھیں سرسبز کشت غم کو کیونکر اے شہ خوباں
نہیں یک قطرہ آب اب تو ان آنکھوں کی نہروں میں
تدرو و کبک فرزیں بند سے رخ ہیں اے مہ رخ
تری ان اچپلی چالوں کی سن کر دھوم شہروں میں
دلا تو پا پیادہ وہ سوار اسپ خوبی ہے
نہ کر ملیں گے منصوبے نہ پڑ ان سوچ گہروں میں
نظیر اب دل تمہیں دیتا ہے لے لو بدو ہی سمجھو
وگرنہ یار پھر ہو گی یہ بازی مات پہروں میں

(377)

نہ لذتیں ہیں وہ ہنسنے میں اور نہ رونے میں
جو کچھ مزا ہے ترے ساتھ مل کے سونے میں
پلنگ پر تیج بچھاتا ہوں مدتوں سے جان
کبھی تو ان کے سو جا مرے بچھونے میں
مسک گئی ہے وہ انگیا جو تنگ بندھنے سے
تو کیا بہار ہے کافر کے چاک ہونے میں
کہا میں اس سے کہ ایک بات مجھ کو کہنی ہے
کہوں میں جب کہ چلو میرے ساتھ کونے میں
یہ بات سنتے ہی جی میں سمجھ گئی کافر
کہ تیرا دل کچھ اب اور بات ہونے میں
یہ سن کے بولی کہ ہے ہے یہ کیا کیا تو نے
پڑا ہے کیوں مجھے دنائی سے اب تو کھونے میں
تو بوڑھا مردوا اور بارھویں برس مجھ کو
میں کس طرح سے چلوں تیرے ساتھ کونے میں
نظیر اس وہ عیار سرتی ہے کافر
کبھی نہ آوے گی وہ تیرے جادو ٹونے میں

(378)

حال دل ' ہم نے کہا زہرہ جبیں کہہ دیویں
پھر جو ہو حکم سو وہ دل کے تئیں کہہ دیویں

اس پہ جو جو کہ گزرتا ہے تغافل کے سبب
ہو اگر آپ کے خاطر کو یقیں کہہ دیویں
چاہ میں اس نے جو کچھ دیکھیں ہیں رنج و کلفت
اور وہ جتنی کہ جفائیں ہیں سہیں کہہ دیویں
سن کے اس بات کو اور ہم کو سمجھ کر بیباک
دل میں سوچا کہ مباوا یہ کہیں کہہ دیویں
ہنس دیا اور یہ کہا اس پہ جو گزری ہے نظیر
ہم کومعلوم ہے کہیے تو ہمیں کہہ دیویں

(379)

گر کسی صورت سے وہ صورت دکھا جاتے ہمیں
تو غم و درد آج یہ صورت نہ دکھلاتے ہمیں
وہ تو اپنا منہ دکھا کر چھپ گئے پر ہمنشیں
دوپہر اب چاہتیں پھر ہوش میں آتے ہمیں
جیسے کل تم نے خفا ہو کر کہا تھا مر رہو
سچ اگر پوچھو تو کیا لگتا تھا مر جاتے ہمیں
پر یہ ڈر تھا پھر جو بلواویں سو بلوایا ہے آج
کیوں جی مر جاتے تو اب پھر تم کہاں پاتے ہمیں
ہم تو یہ کرتے ہیں خاطر داریاں اور مہریاں
تو بھی تم واللہ خاطر میں نہیں لاتے ہمیں
سن کے فرمایا چہ خوش بس لگ نہ چلیے اس قدر
یہ تمہارے چوچلے ہی تو نہیں بھاتے ہمیں

ہجر کی سختی نظیر ایک تو یہ ہے جو شام سے
صبح ہو جاتی ہے اکثر سر کو ٹکراتے ہمیں

(380)

جب کی ائی م نے تکرار نظر پا آستیں
کھینچ لی اس نے رخ رشک قمر پرآستیں
اس پری رو کے دوانے کی یہ ہے شکل لباس
تار دامن خار پر شاخ شجر پر آستیں

(381)

طاعت یوسف صباحت میں ہے لاثانی ولے
یہ نمک یہ خال و خط یہ زلف یہ ابرو کہاں
کس طرح سنبھل ہو ان زلفوں سے آ کر سر بسر
یہ لٹک ' یہ بل' یہ پیچ و تاب' یہ خوش بو کہاں

(382)

یہ حسن دی بہاراں جن وہی آندیاں ہیں
کہ کہ طرح جگر وچ دھو ماں مچاندیاں ہیں
کوئی نہ ویکھدا ہے ویکھو ادھر تو پیارے
تم بن ہماری انکھیاں آنجھو بہاوندیاں ہیں

(383)

کل نظیر اس نے جو پوچھا بہ زبان پنجاب
نیہہ وچ مینڈی ہے کے حال تسا دا میاں
جوڑ ہتھ ہم نے کہا حالا اساڈے دل دا
تسی سب جن دی ہو جی اسے کی عرج کراں

(384)

چاہت سے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں
کیوں دل جھڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں
کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدہ شوخی رفتار تو ہم ہیں

مقطع

جتنا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیر
بیقرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

متفرقات (ن)

طوفان اٹھا رہا ہے مرے دو میں سیل اشک
وہ دن خدا نہ لائے جو میں آبدیدہ ہوں

صبح جب بول اٹھا مرغ سحر ککڑوں کوں
اٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹڑوں ٹوں

کس کو کہیے نیک اور ٹھہرائیے کس کو برا
غور سے دیکھا تو سب اپنے ہی بھائی بند ہیں

ردیف واؤ (و)

(385)

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو
جس کی نوید پہونچی ہے رنگ بسنت کو
دی بر میں اب لباس بسنتی کو جیسے جا
ایسے ہی تم ہمارے بھی سینے سے آ لگو
گر ہم نشے میں بوسے کہیں دو تو لطف ہے
تم پاس منہ کو لا کے یہ ہنس کر کہو کہ لو
بیٹھو چمن میں نرگس صد برگ کی طرف
نظارہ کر کے عیش و مسرت کی داد دو
سن کر بسنت مطرب زریں لباس سے
بھر بھر کے جام پھر مے خوشرنگ کے پیو
کچھ قمریوں کے نغمے کو دو سامعے میں جا
کچھ بلبلوں کا زمزمہ دل کشا سنو
مطلب ہے یہ نظیر کا یوں دیکھ کر بسنت
ہو تم بھی شاد دل کو ہمارے بھی خوش کرو

(386)

ہم دم چھپاوے واں کوئی کیا دل کی چاہ کو
شاہد جہاں سمجھتے ہیں پہلی نگاہ کو
دکھلا حنائی دست لیا جھپ سے دین و دل
کیا دسترس ہے دیکھیے اس دستگاہ کو
بیٹھا جو چاندنی میں تو رخ کی جھلک دکھا
خجلت تھی کون سی کہ نہ دی رائے ماہ کو
ناصح تو راست کہتا ہے لیکن وہ کیا کرے؟
دے بیٹھے اپنا دل جو کسی کج کلاہ کو
جھڑکی سے اس نے ہم کو خفا دیکھ کر کہا
"کیا ناپسند گنتے ہو اس رسم و راہ کو"
جانے ہیں جھڑکیوں میں ہماری وہ لذتیں
جو چاہ میں سمجھتے ہیں بہتر نگاہ کو
گر عار ہے کچھ اس میں تمہیں تو میاں نظیر
لے جاؤ اپنے اس دل عزت پناہ کو

(387)

حسن وفا سے کیا کیا دکھلا دیا ہے تم کو
کیوں جی دل اپنا ہم نے کیسا دیا ہے تم کو
ہوش و خرد دل و دیں صبر و قرار اپنا
دیکھو تو ہم نے اے جان کیا کیا دیا ہے تم کو

تیوری دکھا کے ہم کو بولا ادب سے رہنا
مت بھولنا یہ ہم نے سمجھا دیا ہے تم کو
چاہت کی دھن میں ہم سے اک مہرباں نے پوچھا
نقشا کسی نے اس کا بتلا دیا ہے تم کو
مشکل ہے وہ تو اور تم سمجھے نظیر آساں
یہ تو میاں کسی نے بہکا دیا ہے تم کو

(388)

چاہت میں جس سے اے دل کچھ بھی معاملہ ہو
وہ راہ واں نہ چلیے جس راہ کا گلہ ہو
مجنوں کی عشق بازی ہم نے سنی تو جانا
کیونکر نہ ہو وہ لیلی جس کا یہ حوصلہ ہو
بے بوسہ کف پا ہیہات تو نہ اے دل
ایسا نہ ہو کہ اس کے پاؤں میں آبلہ ہو
چاہت کی شرط یوں ہے ہو چاہ جس کی اس سے
ظاہر میں گر ہو دوری دل میں نہ فاصلہ ہو
مژگاں کی نوکیں جھوکیں دل کو نظیر اپنے
کب دیکھنے میں آویں جب پھر مقابلہ ہو

(389)

بھوؤں کی تیغ کہا دل پہ آزمانے دو

قرار ایک کا کر کر گئے لگا نے وہ

مجال کیا جو چھوئیں ہم تمہاری زلف اے جاں
بھلا ہمیں کف پا تک تو ہاتھ لانے دو

حنا لگائی ہے یا حرف ہے نزاکت کا
نہ باہر آنے کے اکثر یہ باتیں بہانے دو

کہا کسی نے نظیر آتا ہے تو اس گل نے
کہا کہ اس کو نہ آگے قدم بڑھانے دو

جو ہو بعید نہایت تو روک دو اس کو
ہمارے پاس نہ اس وقت اس کو آنے دو

(390)

جو دیکھو ہنس کے تم تو بند اشکوں کی روانی ہو
لب جاں بخش کو کھولو تو اپنی زندگانی ہو

وہ گورا چاند سا مکھڑا عرق آلودہ گر دیکھے
تو کیا شک ہے کہ بہہ جاوے پری کا حسن پانی ہو

مجھے کل اک پری نے یوں کہا ہم اے نظیر اس دم
کہیں اک بات ایسی جس میں تجھ کو شادمانی ہو

نہ مل اس سنگدل سے تو جو ملنا ہے تو مل ہم سے
کہا میں نے یہ سن کر واہ تم بھی خوب سیانی ہو

اسے میں چھوڑوں اور چاہوں تمہیں اے بھی یہ ممکن ہے
جب تم بھی کوئی الن سڑن کھٹن دوانی ہو

(391)

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
جدا جو ہم کو کرے اس صنم کے کوچے سے
الٰہی راہ میں ایسا کوئی رقیب نہ ہو
علاج کیا کریں حکما تپ جدائی کا
سوائے وصل کے اس کا کوئی طبیب نہ ہو
نظیر اپنا تو معشوق خوبصورت ہے
جو حسن اس میں ہے ایسا کوئی عجیب نہ ہو

(392)

مہ ہے اگر جوئے شیر تم بھی زری پوش ہو
دودھ چھٹی کا اسے یاد دلانے چلو
آئینہ ماہ کو لعل لب اپنے دکھا
چشمہ کافور میں آگ لگانے چلو
تم ہو مہ چاردہ چار قدم رکھ کے آج
بدر فلک قدر کی قدر گھٹانے چلو

(393)

تیر نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو
لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو

ان ابروؤں کے وہ بھی مقابل نہ ہو سکیں
بالفرض آسماں پہ اگر ہوں ہلال دو
ڈالی سمیت گل کو اٹھایا تو ہے ولے
پہنچے میں نازکی ہے بس اب اس کو ڈال دو
تلوار اس کے ابرو نے کھینچی میاں نظیر
دل تم بھی وہ بدہ ہی کے سانچے میں ڈھال دو

(394)

کہا جو ہم نے "ہمیں در سے کیوں اٹھاتے ہو؟"
کہا کہ"اس لیے تم یاں جو غل مچاتے ہو"
کہا "لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمدم؟"
کہا کہ "تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو" ۔
کہا جو حال دل اپنا تو اس نے ہنس ہنس کر
کہا "غلط ہے یہ باتیں جو تم بناتے ہو"
کہا "جتاتے ہو کیوں ہم سے روز ناز و ادا؟
کہا "کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو"
کہا کہ "عرض کریں ہم پہ جو گزرتا ہے"
کہا "خبر ہے ہمیں کیوں زباں پہ لاتے ہو"
کہا کہ "روٹھے کیوں ہم سے کیا سبب اس کا؟"
کہا "سبب ہے یہی تم جو دل چھپاتے ہو"
کہا کہ "ہمیں آنے کے یاں" تو اس نے نظیر
کہا کہ "سوچو تو کیا آپ سے تم آتے ہو؟"

(395)

دل جن کو دیا تام تلک ان کا نہ پوچھنا
تکلیف نہ ہو تالب ریحاں نفسوں کو
گو آتش گل بھڑکی ہے پر یہ نہیں توفیق
پھونکے جو اسیران چمن کے قفسوں کو

(396)

خط کی رخساروں پہ اس گل کے جو تحریریں ہیں وہ
ہے وہ مصحف رخ کہ جس کے ساتھ تفسیریں ہیں وہ
حسن وہ ترک ستمگر ہے کہ جس کے پاس چار
ترکشیں مژگاں کی اور ابرو کی شمشیریں ہیں وہ
یا بلاؤ ہم کو پنہاں یا تم آؤ چھپ کر یاں
گر ملا چاہو تو ملنے کی یہ تدبیریں ہیں وہ
فی الحقیقت فیض جذب عشق سے باہم ہیں ایک
لیلی و مجنوں کی گو ظاہر میں تصویریں ہیں وہ
دل دیا اور کی وفا اس کی جفاؤں پہ نظیر
غور سے دیکھا تو یہ اپنی ہی تقصیریں ہیں وہ

(397)

کچھ ڈر ہے ادھر آؤ اور اک آن نہ بیٹھو
ہنس کر یہ کہا تم کہیں پاس آن نہ بیٹھو

خوباں خرد و ہوش کو چھینے ہیں میاں دل
تم ان میں لیے ساتھ یہ سامان نہ بیٹھو
زلفوں میں پھنسا ہم کو یہ کہتا ہے وہ عیار
اس کوچے میں تم مثل پریشان نہ ہو
یوں کھول کے رخسار پہ کاکل سر محفل
غافل نظر بد سے مری جان نہ بیٹھو
آئے ہو نظیر جو تم اس بزم بتاں میں
نظارہ کرو سر بگریبان نہ بیٹھو

(398)

منہ کو دکھا کر ذرا اے گل خندان تو
پونچھ کبھی تو مرے دیدہ گریان تو
داغ بہ دل ، چشم تر ، آہ بلب، سینہ چاک
دیکھ مری چاہ کے آن کے سامان تو
ہنس کے رقیبوں کے ساتھ پیار سے یوں دمبدم
توڑے ہے کیوں زخم پر میرے نمکدان تو
شام سے لے صبح تک صبح سے لے تا بہ شام
دل سے نہیں بھولتا اب مرے ایک آن تو
جان تو دے گا نظیر جانے نہ دے گا تجھے
ہاتھ سے اس کے عبث کھینچے ہے دامان تو

(399)

جھڑکے کبھی نہ الفت سے جو امداد کوئی ہو
تو ناز کا حسرت زدہ کیا شاد کوئی ہو
مشاطہ لے ذرا بہر خدا حسن کی اس کے
اتنی نہ ہوا باندھ جو برباد کوئی ہو
اے دل تو عبث اس سے نہ کر خواہش دشنام
دشنام تو وہ دے جو اسے یاد کوئی ہو
تخفیف جفا کا یہ سبب ہے کہ مبادا
شاید کہیں مجھ سا نہ پریزاد کوئی ہو
منظور ہوا دام میں جب دل کو پھنسانا
پھر وسوسہ کیا چاہیے صیاد کوئی ہو
ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے
وہ آن غضب ہے جو خدا داد کوئی ہو
بیداد بھی کرتا ہے بہت وہ تو نظیر آہ
البتہ جو شائستہ بیداد کوئی ہو

(400)

آ پڑے ہیں اب تو کوئے یار میں ہم شاد ہو
دیکھیں اس افتاد کے آگے کو کیا افتاد ہو
ہے چمن میں اپنی رعنائی سے پابند غرور
گر وہ قد دیکھے تو سرو اس قید سے آزاد ہو
ایک بت بیداد گر سے ہم نے باعجز و نیاز
یوں کہا کچھ ہم کہیں خدمت میں گر ارشاد ہو

سن کے فرمایا کہو جب ہم نے یوں اس سے کہا
دل کو ہم اس شرط سے دیں گر نہ کچھ بیداد ہو
سوچ کر اس نے کہا ہم عہد تو کر لیں ولے
اور جو وقت جور وہ پیاں نہ ہم کو یاد ہو
پھر یہ کہیے کیا کرو گے جب تعدی و جفا
جو معین ہے وہ سب ہو بلکہ کچھ ایجاد ہو
عافیت کی گر ہوا خواہی تمہیں ہے تو نظیر
تم ہوا میں ہم سے بے دردوں کی مت برباد ہو

فرد

سر چشمہ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ
حضرت خضر کہیں سے جا کے شراب لاؤ

ردیف ہائے ہوز (ہ)

(401)

جنہیں بر آ رہے صحبت خیال یار کے ساتھ
وہ سب بہاریں ہی سمجھے ہیں اس بہار کے ساتھ

اکیلے باغ میں جانے سے لطف کیا ہمدم
چمن کی سیر جو کیجیے تو گلعذار کے ساتھ

ہوا میں ہو کے یہاں روح سنبلستاں کی
لگی پھرے ہے تری زلف مشکبار کے ساتھ

میں منتظر بھی ہوں اور پوچھ بھی نہیں سکتا
یہ اور رشک کا نسخہ ہے انتظار کے ساتھ

رقیب کہتے ہیں پھرتا ہے یار ساتھ تیرے
وہ گر پھرا بھی تو مجھ سے خراب و خوار کے ساتھ

شراب و شاہد و عیش و نشاط و درد و الم
یہ سب معاملے ہیں اک نفس کے تار کے ساتھ

نظیر کاکل پیچاں نہ جانیو اس کو
میاں یہ مار ہے بازی نہ کیجو مار کے ساتھ

(402)

دامان و کنار اشک سے کب تر نہ ہوئے آہ

دو چار بھی آنسو مرے گوہر نہ ہوئے آہ

جیسے کہ دل ان لالہ زاروں کے ہیں سنگیں

دل چاہنے والوں کے بھی پتھر نہ ہوئے آہ

کہتے ہیں کہ نکلا ہے وہ اب سیر چمن کو

کیا وقت ہے اس وقت مرے پر نہ ہوئے آہ

خوباں کے تو ہم فدوی و بندہ بھی کہائے

لیکن وہ ہمارے نہ ہوئے پر نہ ہوئے آہ

کیا تفرقہ ہے جب کہ گئے ہم تو نہ تھا وہ

اور آیا وہ ہم پاس تو ہم گھر نہ ہوئے آہ

کیا نقص ہے اس غیرت خورشید کے آگے

ہم لعل تو کب ہوتے ہیں اخگر نہ ہوئے آہ

دریا بھی بہے مے کے پر اے بادہ پرستاں

یہ خشک وہ لب ہیں کہ کبھی تر نہ ہوئے آہ

چیکو اس کو نظیر اب مجھے آتا ہے یہی رشک

کیوں ہم بھی اسی طرح کے دلبر نہ ہوئے آہ

(403)

پان کھا کر جب کہا اس نے کہ لانا آئینہ

رشک رنگ لعل ہو گا ہم نے جانا آئینہ

جب کہا کچھ ہم پہ فرمائش نہیں کرتے میاں

دیکھ کر منہ کو یہ فرمایا لے آنا آئینہ

دیر تک دیکھا کیا منہ کو تو ہم نے یوں کہا

دیکھیں ٹک اپنا میاں ہم کو دکھانا آئینہ
لینے جو آیا نظیر اس سے یہ بولا کے شوخ
ہاتھ سے ان کے نہیں یہ تو لگانا آئینہ
یہ پرانے ہیں اگرچہ تو گرفتاروں میں ہیں
خیر ان کو بھی کوئی لا دو پرانا آئینہ

(404)

جو کہتے ہو چلیں ہم بھی ترے ہمراہ بسم اللہ
پھر اس میں دیر کیا اور پوچھنا کیا واہ بسم اللہ
قدم اس ناز سے رکھتا ہوا آتا ہے محفل میں
کہ اہل بزم سب کہتے ہیں بسم اللہ بسم اللہ
لگائی اس نے جو جو تیغ ابرو کی مرے دل پہ
لب ہر زخم سے نکلی بجائے آہ بسم اللہ
شب مہ میں جو کل ٹک ڈگمگایا وہ شہ انجم
وہیں بولے خدا حافظ پکارا ماہ بسم اللہ
وہ جس دم نسخہ و ادا آغاز کرتا ہے
تو ہم کہتے ہیں ایک ایک آن پہ واللہ بسم اللہ
جو اس کی چاہ کا جی میں ارادہ ہے تو بس اے دل
مبارک ہو تجھے جا شوق سے تو چاہ بسم اللہ
نظیر اس دلربا محبوب چنچل سے لگا کر دل
ہمیں کہنا پڑا ہے دمبدم اللہ بسم اللہ

(405)

لگی ہے دل کی لگن اس حیا شعار کے ساتھ
جو آر سی کو دیکھے کبھی تو عار کے ساتھ

کمال شوخیاں تس پہ یہ تمکنت یہ مزاج
کہ ہے سبک سی ادا وہ بھی سو وقار کے ساتھ

ہزار گل کی بہاریں نہ ہو سکیں ہمسر
تمہارے ایک کرن پھول کی بہار کے ساتھ

جو چاہو طائرِ دل بچ سکے تو کیا امکان
ہجوم دام ہے کاکل کے تار تار کے ساتھ

اسے میں سحر کہوں یا فسون طرفہ نظیر
کہ ایک پل میں نگہ لڑ گئی ہزار کے ساتھ

(406)

زاہد و روضہ رضواں سے کہو عشق اللہ
عاشقو کوچہ جاناں سے کہو ، عشق اللہ

جس کی آنکھوں نے کیا بزم دو عالم کو خراب
کوئی اس فتنہ دوراں سے کہوٗ عشق اللہ

یارو دیکھو جو کہیں اس گل خنداں کا جمال
تو مرے دیدہ گریاں سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ کشتہ شمشیر نگاہ قاتل
جا کے ان گنج شہیداں سے کہو عشق اللہ

آہ کے ساتھ مرے سینے سے نکلے ہی دھواں
اے بتاں مجھ دل بریاں سے کہا عشق اللہ
یاد میں اس کے رخ و زلف کی ہر آن نظیر
روز و شب و ریحاں سے کہو عشق اللہ

(407)

نور حق لے شافع امت سے کہو عشق اللہ
ہر دم اس شاہ ولایت سے کہوٗ عشق اللہ
یاد کر مومنو اس کا وہ ہرا پیراہن
سبزہ باغ امامت سے کہوٗ عشق اللہ
لشکر شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا
گوہر درج شجاعت سے کہو عشق اللہ
پر سوا حق کی رضا اس نے نہ کچھ دم مارا
اس جواں مرد کی ہمت سے کہو عشق اللہ
ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں
سب ہر اک صاحب عزت سے کہوٗ عشق اللہ
رہ مولی میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر
ان شہیدوں کی شہادت سے کہو عشق اللہ
مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا
اس سخی دل کی سخاوت سے کہو ، عشق اللہ
دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ
ان جوانوں کے قناعت سے کہوٗ عشق اللہ

کہیں ہیں باطنی لوٹے ہیں عبادت کے مزے
دوستو ان کی عبادت سے کہو عشق اللہ
چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم لے لے
ان کی سب کشف و کرامت سے کہو عشق اللہ
کر سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیر
اس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

(408)

اس بت نے ایسے حسن کے پایا ہے گنجینے پہ ہاتھ
رکھتی ہے تعظیم کو جس کے پری سینے پہ ہاتھ
آج تو وہ حسن چمکا تھا کہ غش آتا ہے اسے
رکھ نہ دیتے ہم اگر جلدی سے آئینے پہ ہاتھ
یوں پڑا کوچے میں اس کے میں کہ اس نے رحم سے
رکھ لیا "ہا" کہہ کے اپنے سیم گوں سینے پہ ہاتھ
پاؤں اس کے داب تے غیروں نے دیکھا تھا مجھے
کوٹتے سب مل کے گر پاتے مرے سینے پہ ہاتھ
کب اترتا بام سے مرے وہ ملنے کو نظیر
دل نہ رکھتا زیر پا اس کے جو ہر زینے پہ ہاتھ

(409)

کل لگ چلے جو ہمدم ہم یار سے زیادہ

دشنام دے کے جھڑکا ہر بار سے زیادہ
بوسے جو کر کے وعدہ دینے لگا تو بولا
لو جی مگر نہ لینا اقرار سے زیادہ
ہے بالپن تو اس کا پر غور سے جو دیکھا
کیا کیا لگاوٹیں ہیں مقدار سے زیادہ
پوچھا تمہارے منہ کی ہے کس قدر تجلی
ہنس کر کہا کہ مے کے انوار سے زیادہ
بیدردی بتاں کا شکوہ نظیر مت کر
ان کی تو ہیں جفائیں اظہار سے زیادہ

(410)

گورے ہاتھ اس کے وہ رکھتے ہیں تجب بے تاب پہ ہاتھ
مار بیٹھے ہیں غرض پنجہ مہتاب پہ ہاتھ
پوچھا خواب آتا ہے تم کو تو اشاروں کے طریق
رکھ دیا ہم نے وہیں مسند کمخواب پہ ہاتھ
پڑ گئی دور سے تھی جی میں دھڑک تو لیکن
ہم نے دیکھا اسے رکھ کر دل بیتاب پہ ہاتھ
پاؤں میں دیکھ حنا اس کی سرانگشتوں کی
رکھ لیا شرم سے ہر برگ نے عناب پہ ہاتھ
دی جو دشنام بجائے شکر بوسہ نظیر
مارے خوش وقتی سے جب دل نے اسی راب پہ ہاتھ

(411)

بسکہ دل اس کا ہے مانوس خیال آئینہ
ہے وہ ملک حسن محروس خیال آئینہ
تھا وہ پشت بام پر عکس آری میں ہم نے بھی
زور حکمت سے لیا بوس خیال آئینہ
تاابد آزاد ہیں دام و قفس سے جور سے
بلبل تصویر و طاؤس خیال آئینہ
دل جفا سے اس کی آزردہ ہو سو ہوتا نہیں
بے خطر ہے رنگ سے روس خیال آئینہ
کل اسے آئینہ خانے میں جو تھی مشق خرام
تھا وہ صد جام ہم کو پابوس خیال آئینہ
صافی دل کا لغت اس سے نہ پھر پنہاں رہے
یک نظر دیکھے جو قاموس خیال آئینہ
ہو اگر منظور سیر عالم حیرت نظیر
تو دل اپنا کر تو محبوس خیال آئینہ

(412)

ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار ' آہ
ہم عید کے دن بھی رہے امید وار آہ!
مانا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ!

تھی آس عید کی ، سو گئی وہ بھی ، دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار ، آہ!
ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہم کنار آہ!
جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اس پر ہزار حیف ہے اور صد ہزار آہ

(413)

رکھتی ہے جیسے ناز میں اس کی جبیں گرہ
اس لطف کی تو آہ نہ ہو گی کہیں گرہ
منہ دیکھتے ہی دور سے تیوری چڑھائی ہو
پھر کہیے دل میں آپ کے کیونکر نہیں گرہ
غیروں کی تاب یا جو رکھیں ہم نے کچھ مروڑ
بس جانا ہم نے رکھتے ہو ہم سے تمہیں گرہ
دل میں چمن کے ہے تری حسرت کی گل چھڑی
باور نہیں تو دیکھ یہ غنچہ نہیں گرہ
ہم سے تو نزع میں بھی نہ بولا وہ غنچہ لب
اپنی کھلی نہ تابہ دم واپسیں گرہ
چین جبیں عرق میں ہوئی اس صنم کی تر
اے و بس اب تو چل کہ یہ کھلتی نہیں گرہ
کوتہ نہ ہووے رشتہ عمر آہ کس طرح
جب غم میں اس کے آ کے پڑے ہر کہیں گرہ

مر کر بھی اپنا عقدہ مشکل ہوا نہ وا
سچ پوچھیے تو کہتے ہیں اس کے تئیں گرہ

الفت کا تار توڑ کے جوڑا تو کیا ہوا
خوبی جبھی تلک ہے کہ جب تک نہیں گرہ

کانوں کے موتیوں کو ترے دیکھ رشک سے
تنہا چمن میں دانہ شبنم نہیں گرہ

وہ کیا کلی کلی کے جگر میں ہے بے کلی
کلیاں بھی کیا کہ پہونچی ہے تاروں تئیں گرہ

اس بحر میں نظیر تو لکھ اور بھی غزل
زلف سخن میں چاہیے ہو ہر کہیں گرہ

(414)

یوں ہم سے اس کی رکھتی ہے زلف اور جبیں گرہ
پڑتی ہے جیسے پاس گرہ کے کہیں گرہ

ظاہر ہے گو وہ تیوری چڑھاتا ہے ہم کو دیکھ
لیکن ہزار شکر کہ دل میں نہیں گرہ

ڈوری کی یہ گرہ نہیں جولے تو اس کو کھول
ناصح ہے مہر اس کے تو اب ریشمیں گرہ

بہر عمر میرے دل کا یہ غنچہ کھلا نہ آہ
ایسی فلک نے کس کے دی میرے تئیں گرہ

ملنے کے یاد رکھنے کو مدت کے بیچ آہ
دے کر گیا ہے بند میں وہ نازنیں گرہ

بندھتا ہے جیسا دل کا محبت کا وہ عقدہ
ایسی جہاں میں کوئی نہیں دل نشین گرہ

تم اپنے دل میں چاہیے جیسی رکھو مروڑ
ورنہ ہمارے دل میں تو ہرگز نہیں گرہ

نافے میں مشک غم سے گرہ ہو کے مر گیا
دیکھ اس پری کی زلف کی وہ عنبریں گرہ

اے شوخ تیرے خیمے کے نکلے کے رشک میں
دریامیں سوکھ کر ہوا در ثمیں گرہ

مدت میں کل تو زلف کے دل کی جبیں کی آہ
کھولی ہے ہم نے بیٹھ کے اے ہم نشیں گرہ

باقی رہی گرہ جو محبت کی غیر کی
وہ بھی نظیر کھویں گے آخر ہمیں گرہ

(415)

رفتارہے دلوں کو کچلتے ہیں وہ جو آہ
اپنا یہ بدچلن دل انہیں کا ہے خاک راہ

سچ پوچھیے تو اس میں خطا دل کی کچھ نہیں
خوباں کی شوخیاں ہی بڑھاتی ہیں جی کی چاہ

دشنام میں یہ کچھ ہے حلاوت کہ دم بہ دم
ہوتے ہیں ہم اسی کے لیے مصدر گناہ

تیوری چڑھا کے دیکھیں ہیں جس دم عتاب سے
کس کس طرح کے لطف دکھاتی ہے وہ نگاہ

چٹکی میں دیر ہووے تو ہوتے ہیں ہم وہیں
بے رحمی و تغافل ناخن کے داد خواہ
کہنی کے التماس کا رہتا ہے جاں کو عزم
ٹھوکر کے اشتیاق میں پھرتا ہے دل تباہ
کہیے اگر کہ ہم ہیں تمہیں دل سے چاہتے
تو کہتے ہیں چہ خوش کوئی شاہد کوئی گواہ
گر چشم نم نے دی بھی گواہی تو کہتے ہیں
اے بے وقوف کس نے کہا تھا تو ہم کو چاہ
یہ کہہ کے جب جھڑکتے ہیں ہو کر خفا نظیر
وہ جھڑکیاں بھی ایسی ہی دل خواہ ہیں کہ واہ

(416)

صحن گلشن میں چلی پھر کے ہوا بسم اللہ
چشم بد دور بہار آئی ہے کیا بسم اللہ
مصحف رخ پہ ترے ابروئے پیوستہ نہیں
موقلم سے ید قدرت نے لکھا بسم اللہ
اس قدر تاہو وہ نشہ میں کہ یکا یک جو گرا
میں نہ بولا پہ مرے دل نے کہا بسم اللہ
زلف اس عارض رنگیں پہ بکھرنے جو لگی
بول اٹھی منہ سے وہیں باد صبا بسم اللہ
آج گلشن میں ذرا پاؤں جو پھسلا اس کا
گل ہنسا غنچے نے جلدی سے کہا بسم الل

یار قاتل میرے جو جو کہ لگاتا تھا وار
لب پہ ہر زخم کے نکلے تھی صدا بسم اللہ
شیشہ و ساقی و ساغر سبھی حاضر ہیں نظیر
مے کشی کیجیے اب دیر ہے کیا بسم اللہ

(417)

تری وہ شان کی رفعت ہے یا رسول اللہؐ
کہ لامکاں نے کہا "لا الہ الا اللہ"
وہ نور دیدہ احمدؐ کہ جس کے رتبے کی
صدیقؓ بضعتہ منی ہے جو جہاں میں گواہ

متفرقات ردیف (ہ)

مطلع

غم نہیں گر دل بری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

ردیف یائے تحتانی (ی)

(418)

خجلت تو نہ دی کچھ اس بے مہر کی یاری نے
شرمندہ کیا ہم کو ناتجربہ کاری نے
گلشن میں نقاب الٹا دوبار رخ اس کے سے
کیا لطف کیا ہم پر کل باد بہاری نے
صد پارہ کیا دم سے گل گل کے گریباں کو
اس رشک گلستاں کی اک زیب شعاری نے
رات اس کو نہ آتے پھر صبح تلک ہم کو
اک لحظہ نہ دی فرصت ساعات شماری نے
کیا کیا چمن پر گل دکھلائے نظیر اس دم
اس دست نگاریں کی توصیف شماری نے

(410)

میاں دل تجھے لے چلے حسن والے
کہوں اور کیا جا خدا کے حوالے
ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رو لوں
تو مجھ سے ذرا مل کے آنسو بہا لے
چلا اب تو ساتھ ان کے تو بے بسی سے

لگا میرے پہلو میں فرقت کے بھالے
خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے
کہیں مت نکلنا اندھیرے اجالے
ترے اور بھی ہیں طلب گار کتنے
مبادا کوئی تجھ کو واں سے اڑا لے
کہیں قہر ایسا نہ کیجو کہ مجھ کو
بلا نے پڑیں فال تعویز والے
کسی کا تو کچھ بھی نہ جاوے گا لیکن
پڑیں گے مجھے اپنے جینے کے لالے
تری کچھ سفارش میں ان سے بھی کر دوں
کرے گا تو کیا یاد مجھ کو بھلا لے
سنو دلبرو! گل رخو! مہ جبینو!
میں تم پاس آیا ہوں اک التجا لے
خدا کی رضا یا محبت سے اپنی
پڑا اب تو آ کر تمہارے یہ پالے
تم اپنے ہی قدموں تلے اس کو رکھیو
تسلی دلاسے میں ہر دم سنبھالے
کبھی اس کو تکلیف ایسی نہ دیجو
کہ غم میں یہ رہ کر کرے آہ و نالے
تمہارے یہ سب ناز اٹھاوے گا لیکن
وہی بوجھ رکھیو جسے یہ اٹھا لے
نظیر آہ دل کی جدائی بری ہے

یہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو بہا لے
اگر دسترس ہو تو کیجے منادی
کہ پھر کوئی سینے میں دل کو نہ پالے

(420)

اب دیکھیں پھر ہم اے ہمدم کس روز منہ اس کا دیکھیں گے
وہ زلف وہ تل وہ خال وہ خد وہ رنگ وہ نقشا دیکھیں گے
جب پاس صنم کے بیٹھیں گے خوش ہو کے اس لطف سے ہم
وہ بزم وہ خط وہ عیش وہ مئے وہ جام وہ مینا دیکھیں گے
مسرور بہت دل ہووے گا خوش جی بھی ہو گا کیا کیا جب
وہ از وہ ڈھنگ وہ آن وہ کج وہ زیب وہ بالا دیکھیں گے
وہ کاجل چنچل آنکھوں کا وہ مہندی نازک ہاتھوں کی
وہ پان وہ لب وہ حسن وہ چھب وہ گوش وہ بالا دیکھیں گے
ہے جو جو خواہش دل میں نظیر آئے گا ادھر محبوب تو ہم
وہ ربط و وہن وہ چین و سکھ وہ سیر و چرچا دیکھیں گے

(421)

خوشی وہ چند تمہیں سیر ماہتاب میں ہے
جلو میں چاہنے والے قمر رکاب میں ہے
لیا ہے ہم سے دل اور دیں بھی ہو طلب کرتے
دل اس تقاضے سے اپنا تو پیچ و تاب میں ہے

کہا کہ دفتر حسن پری رخوں کی نظیر
تمہیں خبر نہیں یہ بھی اسی حساب میں ہے
ملا ہے اس لب میگوں کے ساتھ خال اے دل
فقط یہی نہیں افیون بھی اس شراب میں ہے
وہ جلوہ گر ہو تو رہتی ہے جان وگرنہ آج
دل نظارہ طلب سخت اضطراب میں ہے

(422)

تھے آگے بہت جیسے خوش اے یار ہمیں سے
ایسے ہی تم اب رہتے ہو بیزار ہمیں سے
ہیں سب سے تو اے ماہ اشارات و لیکن
رہتی ہے پھری ابروئے خمدار ہمیں سے
محفل میں جو دیکھا تو ادھر تم ہو خفا اور
ساقی کو بھی ہے حجت و تکرار ہمیں سے
اوروں سے جو کہتے ہو کہ ہم ان سے ہیں ناخوش
اس کو تو فقط کرنا ہے اظہار ہمیں سے
گلگشت چمن کرتے ہو جب ہمرہ یاراں
واں بھی غرض آتی ہے تمہیں عار ہمیں سے
اقرار ملاقات ہے ہر اک سے بصد مہر
کی غور تو ہے گا تمہیں انکار ہمیں سے
سمجھے گا جو رہنے کو نظیر اہل وفا کے
تو ملنے لگے گا وہ طرح دار ہمیں سے

(423)

دل لے کے پھر نہ کیجے ہنس کر ملا کرو گے
یا کر کے عار ہم سے چھٹکے رہا کرو گے
کہتے ہو اب جو ہر دم بس جاؤ خوش رہو تم
جاویں گے جب تو تم بھی پھر خوش رہا کرو گے
خوبی تو لطف میں ہے اے جاں وگرنہ ہم تو
سختی بھی کھینچ لیں گے گر تم جفا کرو گے
ہر دم تو دیکھو رکھ کر اپنے فریب دل میں
کہتا ہے تم تو اک دن ہم سے دغا کرو گے
مت عاشقی میں یارو نا خوش نظیر سے ہو
اب تو ہوا وہ عاشق پھر کیجے کیا کرو گے

(424)

مجبور ہو ہم اس کی یوں انجمن سے نکلے
جیسے قفس میں پڑ کر بلبل چمن سے نکلے
دل دے کے شمع رو کے کوچے سے کب اٹھیں ہم
پروانہ پر جلا کر کیونکر لگن سے نکلے
سحر نگہ کے ہمرہ پہلو سے یوں چلا دل
جیسے کوئی ہو بے بس اپنے وطن سے نکلے
لیلی وشوں کو اس کی ہو کس طرح نہ الفت
مجنوں کی شان جس کے دیوانہ پن سے نکلے

کل تو وہ وضع بدل کے دل لے گیا ہمارا
آج اے نظیر دیکھیں وہ کس پھبن سے نکلے

(425)

عشق پھر رنگ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
ناز اٹھانے میں جفائیں تو اٹھائیں لیکن
لطف بھی ایسا اٹھایا ہے کہ جی جانے ہے
زخم اس تیغ نگہ کا مرے دل نے ہنس ہنس کر
اس مزیداری سے کھایا ہے کہ جی جانے ہے
اس کی دزدیہ نگہ نے مرے دل میں چھپ کر
تیر اس ڈھب سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے
بام پر چڑھ کے تماشے کو ہمیں حسن اپنا
اس تماشے سے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
اس کی فرقت میں ہمیں چرخ ستمگار نے آہ
یہ رلایا یہ رلایا ہے کہ جی جانے ہے
حکم چپ رہنے کا ہوا شب تو سحر تک ہم نے
رتجگا ایسا منایا ہے کہ جی جانے ہے
تلوے سہلانے میں گو اونگھ کے جھک جھک تو پڑے
پر مزا بھی وہ اڑایا ہے کہ جی جانے ہے
رنج ملنے کے بہت دل نے ہے لیکن نظیر
یار بھی ایسا ہی پایا ہے کہ جی جانے ہے

(426)

دوری میں اس قمر کے جب آتی ہے چاندنی
خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی
مہ آسماں پہ ہوتا ہے دیکھ اس کو شرمسار
روئے زمیں پہ ٹھوکریں کھاتی ہے چاندنی
محفل میں ہم کو دیکھ یہ کہتا ہے منہ کو پھیر
کیا میلی مفت میں ہوئی جاتی ہے چاندنی
اس سیمبر کے تن کی نزاکت کو باغ میں
نسریں و نسترن کو دکھاتی ہے چاندنی
کیا یک دلی ہے ہم نے جو کہہ بھیجا اے نظیر
تم بن ہمارے دل کو ستاتی ہے چاندنی
سن کر پیامبر سے کہا جا کے تو یہ کہہ دے
البتہ اپنا جی بھی کڑھاتی ہے چاندنی
گر ہم بغیر واں شب مہ سے ہو تم خفا
تو تم بغیر یاں کسے بھاتی ہے چاندنی

(427)

جاں بھی بجاں ہے ہجر میں اور دل فگار بھی
تر ہے مژہ بھی اشک سے جیب بھی اور کنار بھی
طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

کوچے میں اس کے بیٹھنا حسن کو اس کے دیکھنا
ہم تو اسی کو سمجھے ہیں باغ بھی اور بہار بھی
دیکھیے کیا ہو بے طرح کی لگے ہیں گھات میں
غمزہ پہ فریب بھی عشوہ سحر کار بھی
زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیے ہے مستعد طرہ تابدار بھی
بیٹھے بتوں کی بزم میں جنگلی بے قدر جب وہ لوگ
اپنے فریب و فن سے واں تھا یہ خراب و خوار بھی
گننے لگے وہ اپنے جب چاہنے والوں کو نظیر
اٹھ کے یکایک اس گھڑی ہم نے کہا ہیں یار بھی

(428)

جو تو کہتا ہے اے غافل یہ میرا ہے یہ تیرا ہے
یہ جس کا ہے اسی کا ہے نہ تیرا ہے نہ میرا ہے
تو اول سوچ تو دل میں کہ تو ہے کون اور کیا ہے
نمازی ہے ' شرابی ہے' اچکا ہے ' لٹیرا ہے
فرشتہ ہے ' پری ہے' دیو ہے ' یا آدمی جن ہے
بلا ہے ' بھوت ہے ' یا من مزورایا کمیرا ہے
تری کیا ذات ہے کیا نام ہے کیا کام کرتا ہے
مسافر بے وطن ہے یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہے
جب ان چیزوں سے تو اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہرا لے
تو اس کے بعد پھر کہیو یہ میرا ہے یہ تیرا ہے

یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں تو اپنا ہی نہیں مالک
تجھے اور بے خبر ناداں یہ کس غفلت نے گھیرا ہے
تو کچے سوت کا دھاگا ہے عبث بل پیچ کھاتا ہے
یہ سب وہم غلط ہے اور قصور فہم تیرا ہے
تو کیا جانے تجھ کو کس ہنے کس چرخے میں کاتا ہے
تو کیا جانے کہ تجھ کو کس اہرن میں اہیرا ہے
تماشا ہے مزا ہے سیر ہے ا ہا ہا ہا !
مصور نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہے
ترقی میں تنزل ہے تنزل میں ترقی ہے
اندھیرے میں اجالا ہے اجالے میں اندھیرا ہے
طلسمات حقیقی ہے یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا
یہی چاند اور یہی سورج، یہی شام اور سویرا ہے
نظیر اللہ! اس جہاں میں دم غنیمت ہے
کہاں ہم اور کہاں پھر تم، کوئی دم کا بسیرا ہے

(429)

ابرو نے کماں زلف نے زنجیر دکھا دی
مژگاں نے بھی اک ترکش پہ تیر دکھا دی
مل کر دردنداں میں مسی شوخ نے ہنس کر
کیا کیا رقم طرفہ کی تحریر دکھا دی
کوچے کو تری خاک نشینی نے ہمیں تو
تانبا ہو طلا جس سے وہ اکسیر دکھا دی

کل اس نے کہا حسن میں ہم رشک پری ہیں
مکھڑے نے ہمارے ہے وہ تنویر دکھا دی
ہم بولے نظیر اس سے کہ ہے جھوٹ تو ہنس کر
جھٹ اس نے پری کی ہمیں تصویر دکھا دی

(430)

ناگن ہے نئی زلف کی دل کیوں کر نہ ڈر جائے
یہ کاٹ بھی کھاوے جو کسی کو تو مکر جائے
شکل و بدن و زیور و پوشاک سب اس کی
اک عالم تصویر ہیں جس جس پہ نظر جائے
عشاق سے ہے گرم تپاک اتنی ہی خاطر
تو کوئی مرے در سے دم سرد نہ بھر جائے
ہے حسن پرستی بھی عجب چیز وفا کیش
دل پہ یہی ہو جائے تو اس کا نہ اثر جائے
محبوب کے رتبے پہ نظر رکھیو نظیر آہ
ایسا نہ ہو جو یار کے دل میں اتر جائے

(431)

نہ سرخی غنچۂ گل میں ترے دہن کی سی
نہ یاسمن میں صفائی ترے بدن کی سی
میں کیوں نہ پھولوں کہ اس گلبدن کے آنے سے

بہار آج مرے گھر میں ہے چمن کی سی
یہ برق ابر میں دیکھے سے یاد آتی ہے
جھلک کسی کے دوپٹے میں نورتن کی سی
گلوں کے رنگ کو کیا دیکھتے ہو اے خوباں
یہ رنگتیں ہیں تمہارے ہی پیراہن کی سی
جو دل تھا وصل میں آباد تیرے ہجر میں آہ!
بنی ہے شکل اب اس کی اجاڑ بن کی سی
تو اپنے تن کو نہ دے نسترن سے اب تشبیہ
بھلا تو دیکھ یہ نرمی ہے تیرے تن کی سی؟
ترا جو پاؤں کا تلوا ہے نرم مخمل سا
صفائی اس میں ہے کہنے تو نسترن کی سی
نظیر ایک غزل اس زمیں میں اور بھی لکھ
کہ اب تو کم ہے روانی ترے سخن کی سی

(432)

نہیں ہوا میں یہ بو نافہ ختن کی سی
لپٹ ہے یہ تو کسی زلف پر شکن کی سی
میں ہنس کے اس لیے منہ چومتا ہوں غنچے کا
کہ کچھ نشانی ہے اس میں ترے دہن کی سی
خدا کے واسطے گل کو نہ میرے ہاتھ سے لو
مجھے بو آتی ہے اس میں کسی بدن کی سی
ہزار تن کے چلیں بانکے خوبرو لیکن

کسی میں آن نہیں تیرے بانکپن کی سی
مجھے تو اس پہ نہایت ہی رشک آتا ہے
کہ جس کے ہاتھ نے پوشاک تیرے تن کی سی
کہا جو تم نے کہ "منکا اِ ڈھلا تو آؤں گا"
ہے بات کچھ نہ کچھ اس میں بھی مکروفن کی سی
وگرنہ سچ ہے تو اے جان اتنی مدت میں
یہی بس ایک کہی تم نے میرے من کی سی
وہ دیکھ شیخ کو لاحول پڑھ کے کہتا ہے
"یہ آئے دیکھیے ڈاڑھی لگا کے سن کی سی"
کہاں تو اور کہاں اس پری کا وصل نظیرؔ
میاں تو چھوڑ یہ باتیں دوانے پن کی سی

(433)

دل میں کچھ خوشدلی جو آپہونچی
ایسی دل کو نوید کیا پہونچی
کیوں نہ ہو رشک اس کے کوچے میں
ہم نہ پہونچے مگر صبا پہونچی
کف کبھی اپنے ہاتھ کی ہیہات
اس کے پہنچے تلک نہ جا پہونچی
سن کے شہرت نظیرؔ چاہت کی
واں سے تاکید اختفا پہونچی
بچ گیا یاں وہ کوس شیدائی ؎

جس کو کوسوں تلک صدا پہونچی

(434)

کیوں نہ اس کی ہو دلربا پہونچی ع
جس کے پہونچے پہ ہو فدا پہونچی
گر پہونچ ہو تو ہم ملیں آنکھیں
ایسی اس کی ہے خوشنما پہونچی
دل کو پہونچے ہے رنج کیا کیا وہ
اپنی لیتا ہے جب چھپا پہونچی
ایک چھڑی گل کی بھیج کر اس کو
فکر تھی وہ نہ پہونچی یا پہونچی
صبح پوچھی رسید جب تو نظیر
دی ہمیں شوخ نے دکھا پہونچی

(435)

اس صنم کا قرار کیا کہیے
سختی انتظار کیا کہیے
ملتفت ہو تو کچھ کہیں اے دل
وہ تو کرتا ہے عار کیا کہیے
ہم تجھے چاہیں تو نہ پوچھ بات
یہ طرح ہو تو یار کیا کہیے

اور اب واہ کے سوا تجھ سے
اے تغافل شعار کیا کہیے
تھا جو کہنا سو ہم نظیر اس سے
کہہ چکے بار بار کیا کہیے

(436)

کئی دن سے ہم بھی ہیں دیکھتے اسے ہم پہ ناز و عتاب ہے
کبھی منہ بنا کبھی رخ پھرا کبھی چیں جبیں پہ شتاب ہے
ہے پھنسا جو زلف میں اس کے دل تو بتا دیں کیا تجھے ہمنشیں
کبھی بل سے بل کبھی خم سے خم، کبھی تاب چین سے تاب ہے
وہ خفا جو ہم سے ہے غنچہ لب تو ہماری شکل یہ ہے کہ اب
کبھی رنج دل کبھی آہ جاں کبھی چشم غم سے پر آب ہے
نہیں آتا وہ جو ادھر ذرا ہمیں انتظار میں اس کے یاں
کبھی جھانکنا کبھی تاکنا کبھی بے کلی پئے خواب ہے
وہ نظیر ہم سے جو آ ملا تو پھر اس گھڑی سے یہ عیش ہیں
کبھی رخ پہ رخ کبھی لب پہ لب کبھی ساغر مئے ناب ہے

(437)

جب آیا وہ یاں دلربائی جتانے
تو کیا کیا لگا خوش ادائی جتانے
دکھانے لگی زلف اپنی درازی

مژہ بھی لگی کچھ رسائی جتانے
نظیر اک دن اس پری رو کے آگے
گئے ہم جو کچھ آشنائی جتانے
دیا جام اور ہم جو چپکے لے تو بولا
تم آئے ہو نفرت فزائی جتانے
پلا دیں گے ہم تو میاں فائدہ کیا
لگے تم جو یاں پارسائی جتانے

(438)

پھر اس طرف سے وہ پری رو جھلکتا آتا ہے
برنگ مہر عجب کچھ چمکتا آتا ہے
ادھر ادھر جو نظر ہے تو اس لیے یارو
جو ڈھب سے تاکتے ہیں ان کو تکتا آتا ہے
کوئی جو راہ میں کہتا ہے دل کی بے تابی
تو اس سے کہتا ہے تو یہ بکتا آتا ہے
ملاپ کرتا ہے جس سے تو اس کی جانب واہ
قدم اٹھاتا ہے جلد اور ہمکتا لے آتا ہے
ہمارے دل کی جو آتش ہے وہی پھر بھڑکا
جبھی نظیر وہ پلکیں جھپکتا آتا ہے

(439)

دیکھ عقد ثریا ہمیں انور کی سوجھی
کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیاد ور کی سوجھی
موسیٰ کے تئیں گو شجر طور کی سوجھی
پر ختم رسالت کو بہت دور کی سوجھی
غش کھا کے گرا پہلے ہی شعلے کی جھلک سے
موسیٰ کو بھلا کہیے تو کیا طور کی سوجھی
ہم نے تو اسے دیکھ یہ جانا کہ پری ہے
پریوں نے جو دیکھا تو انہیں حور کی سوجھی
دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اس کا
بلور کی چوکی پہ جھلک نور کی سوجھی
سر پاؤں سے جب پھنس گئے اس زلف سیہ میں
جب ہم کو سیاہی شب دیجور کی سوجھی
جنت کے لیے شیخ جو کرتا ہے عبادت
کی غور جو ظاہر میں تو مزدور کی سوجھی
مصنوع میں صانع نظر آوے تو نظیر آہ
نزدیک ہی پھر کی ہے جہاں دور کی سوجھی

(440)

یہاں تو کچھ اپنی خوشی سے نہیں آئے ہم ہوئے
اک زبردست کے ہیں کھینچ کے بلوائے ہوئے
آتے ہی روئے تو آگے کے کو نہ روویں کیونکر
ہم تو ہیں روز تولد ہی کے دکھ پائے ہوئے

دیکھ کر غیر کے ساتھ اس کو کہا یوں ہم نے
ہو تو تم چاند پر اس وقت ہو گہنائے ہوئے
کل جو گلشن میں گئے ہم تو عجب شکل سے آہ
ہجر کے مارے ہوئے جی سے تنگ آئے ہوئے
گل جو تازے تھے کھلے تھے کہتے تھے شبنم سے یہ بات
دیکھ کر ان کو جو وہ پھول تھے کملائے ہوئے
آج ہیں شاخ پہ جس طور سے پژمردہ نظیر
کل اسی طرح سے ہم ہوویں گے مرجھائے ہوئے

(441)

جام نہ رکھ ساقیا شب ہے پڑی اور بھی
پہر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی
پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے
اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی
پلکیں تو چھیدیں تھیں دل مارے تھی برچھی نگاہ
ابرو نے اس پر سے ایک تیغ جڑی اور بھی
کچھ طپش دل تھی سنتے ہی فرقت کا نام
آگ سی ایک آگ پر آن پڑی اور بھی
میری شب وصل کی صبح چلی آتی ہے
روک لے اس دم فلک ایک گھڑی اور بھی
گرچہ ابھر آئی ہیں تن پہ مرے پر میاں
اتنی لگائیں جہاں ایک چھڑی اور بھی

کیا کہوں اس شوخ کی واہ میں خوبی نظیر
سنتے ہی اس بات کے ایک جڑی اور بھی

(442)

جہاں ہے قد اس کا جلوہ فرما تو سرو واں کس حساب میں ہے
وہ قامت ایسا ہے کچھ قیامت' قیامت اس کی رکاب میں ہے
یہ سب غلط ہے جو یوں ہیں کہتے کہ اس کا مکھڑا نقاب میں ہے
نقاب کیا ہے وہ شرمگیں تو نقاب سے بھی حجاب میں ہے
رہے گا محبوب جس مکان میں تو واں ہی دیکھیں گے اس کو جا کر
غرض وہ جس کا کہ نام دل ہے یہ دھن اس عالیجناب میں ہے
جو غصہ ہو کر وہ دیوے گالی تو اس ادا سے کہ ہم تو کیا ہیں
فرشتے غش ہو کے لوٹ جاویں یہ لطف اس کے عتاب میں ہے
بندھا ہے جب سے خیال اس کا عجب طرح کی لگن لگی ہے
کبھی وہ دل میں کبھی وہ جی میں کبھی وہ چشم پر آب میں ہے
وہی ادھر ہے وہی ادھر ہے وہی زباں پر وہی نظر میں
جو جاگتا ہوں تو دھیان میں ہے جو سو گیا ہوں تو خواب میں ہے
نظیر سیکھے سے علم رسمی بشر کی ہوتی ہیں چار آنکھیں
پڑھے سے جس کے ہوں لاکھ آنکھیں وہ علم دل کی کتاب میں ہے

(443)

ہم تو عاشق ہیں ترے ناز اٹھانے والے

تم سے کم دیکھے ہیں محبوب ستانے والے
بند کر قید محبت میں خبر میری نہ لی
دام میں جس کے پھنسے دام چھڑانے والے
کل شب وصل میں کیا جلد گئی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے
کل جو رستے میں ملاقات ہوئی تو یہ کہا
کہاں جاتے ہو طرحدار جلانے والے
گزری مدت کہ مرے ساتھ لپٹنے نہیں آئے
کیا ہوئے یارو گلے ہم کو لگانے والے
یوں تو اوقات گزرتی ہے مزیداری میں
نہ ملے چین مزے دار کھانے والے
اب کے ملنا ہو نظیر اس سے تو کہنا جا کے
کیا ملیں ہم نہ رہے یار ملانے والے

(444)

کسی کی چھن نہ لی ہم نے چاہ کی گٹھری
نظر پڑی نہیں ہرگز نباہ کی گٹھری
پس از اوقات نہ آئے ہماری تربت پر
بجائے سبزہ رکھی لا کے کاہ کی گٹھری
مژہ سے اس کی پڑا ہے مقابلہ یارب
ادھر یہ دل ہے ادھر ہے سپاہ کی گٹھری
تمہارے طرہ دستار نے اٹھائی ہے

متاع صبر اسی داد خواہ کی گٹھری
حضور میں تری رحمت کے جھک نہیں سکتا
کہ سر پہ مرے بار گناہ کی گٹھری
رکھے ہے کون، جنوں وادی محبت میں
بغیر آبلہ پا زاد راہ کی گٹھری
بہم ہوا تھا جو کچھ یاں طواف کعبہ سے
کرشمے نے وہ بتوں کے تباہ کی گٹھری
کوئی تو غرق ہے بحر فراق کا یاں شوخ
نہیں حباب یہ ہے سوز و آہ کی گٹھری
ابھار سینے پہ اس کے کچوں کا ہے بارے
یہ شاہ حسن کے ہے خیمہ گاہ کی گٹھری
پڑا ہے ناز و ادا کا بہم جو یہ لشکر
بجا ہے گر کہیں گرد سپاہ کی گٹھری
زمیں نظیر نہیں گرم اس میں ہے کیا خاک
مگر بزور طبیعت نباہ کی گٹھری

(445)

نہیں آئے کل سے جو تم ادھر اسے کیا خیال میں لایئے
جو کچھ عذر اے ہو تو بیاں کرو نہیں جیسے آتے تھے آیئے
یہ کہا ہم سے بھی بولیے تو بنا کے منہ کہا غیرت
یہ سخن ہے سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منہ نہ لگایئے
لگے جب بچھانے بساط ہم گلی اس کی میں تو کہا میاں

یہ جو دام بیٹھے بچھاتے ہو اسے جلدیاں سے اٹھایئے
وہ نگار گل رخ و گلبدن جو گلے سے آ کے لگے تو پھر
یہ شگفتگی ہو برنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمایئے
یہ وہ ہاتھ نہیں کہ تم کریں یہ بہار ان کی عجب ہو جب
کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا ان میں خوب رچایئے
جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمہیں پاس اپنے بٹھا چکے
نہیں لائق اس کے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھایئے
جوں ہی آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنی ہنس کے کہا کہ ہاں
تمہیں لائی اپنی کشش ادھر اجی آیئے اجی آیئے

(446)

یہ چھپکے کا جو بالا کان میں اب تم نے ڈالا ہے
اسی بالے کی دولت سے تمہارا بو بالا ہے
نزاکت سر سے پاؤں تک پڑی قربان ہوتی ہے
الٰہی اس بدن کو تو نے کس سانچے میں ڈھالا ہے
یہ دل کیونکر نگہ سے اس کی چھدتے ہیں میں حیراں ہوں
نہ خنجر ہے نہ نشتر ہے، نہ جمدھر ہے نہ بھالا ہے
بلائیں ناگ کالی ناگنیں اور سانپ کے بچے
خدا جانے کہ اس جوڑے میں کیا کیا باندھ ڈالا ہے
نہ غول آتا ہے خوباں کا سرک اے دل میں کہتا ہوں
یہ کمپو کی نہیں پلٹن یہ پریوں کا رسالا ہے
جسے تم لے کے بیدردی سے پاؤں میں کچلتے ہو

یہ دل میں نے تو اے صاحب بڑی محنت سے پالا ہے
نظیر اک اور لکھ ایسی غزل جو سن کے جی خوش ہو
تری اس ڈھب کی باتوں نے تو دل میں شور ڈالا ہے

(447)

نہ مہ نے کوند بجلی کی نہ شعلے کا اجالا ہے
کچھ اس گورے سے مکھڑے کا جھمڑا ہی نرالا ہے
وہ مکھڑا گل سا اور اس پر جو نارنجی دوشالا ہے
سحر خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے
کہیں خورشید بھی چھپتا ہے پردے میں چھپائے سے
اٹھا وہ منہ سے پردے کو بڑا پردا نکالا ہے
کھلے بالوں میں منہ کی روشنی پھوٹے نکلتی ہے
تمہارا حسن تو صاحب اندھیروں کا اجالا ہے
نہ جھمکیں کس طرح کانوں میں اس کے حسن کے جھمکے
ادھر جھمکا ادھر بندا ادھر بجلی کا بالا ہے
رقیب اور یار آتے تھے سو ہم نے مکر سے یارو
اسے دل دے کے رکھا ہے اور اسے دم دے کے ٹالا ہے
کن انکھیوں کی نگہ کپتی اشارت قہر چتون کے
جو ووں دیکھا تو برچھی ہے جو یوں دیکھا تو بھالا ہے
اتارا گالیوں پر پہلے پھر بوسہ لیا ہم نے
جب اس نقشے پہ کھینچا تھا اب اس قالب میں ڈھالا ہے
ہوئے ہیں ہم چراغ صبح کیا تم ایسے بیٹھے ہو

جو تم نے اب تلک کانوں میں اپنے تیل ڈالا ہے
جہاں تک رنگ ہیں دونوں جہاں میں سب اسی کے ہیں
ولے وہ آپ تو ہرگز نہ گورا ہے نہ کالا ہے
نظیر اس سنگدل قاتل سے دعویٰ خون کا مت کر
میاں جا تجھ سے یاں کتنوں کو اس نے مار ڈالا ہے

(448)

کون یاں ساتھ لیے تاج و سریر آیا ہے
یاں تو جو آیا ہے پہلے سو فقیر آیا ہے
عشق لایا ہے فقط ایک ہی سینے کے سپر
حسن باندھے ہوئے سو ترکش و تیر لایا ہے
کل کسی شخص نے اس شوخ سے جا کر یہ کہا
آج در پر ترے اک عاشق پیر آیا ہے
پشت خم کردہ عصا ہاتھ میں گردن ملتی
ضعف پیری سے نہایت ہی حقیر آیا ہے
سن کے یہ شکل و شباہت مری اس شوخ نے آہ
وہیں معلوم کیا یہ کہ نظیر آیا ہے

(449)

ہوش تکمہ لے چکی زلف کی اب گھات ہے
دیکھیے آگے ابھی پہلی ملاقات ہے

کھینچ کے ابرو کی تیغ کہتے ہو کچھ ڈر نہیں
میرا تو کانپے ہے دل آپ کی کیا بات ہے
اٹھتے ہو کیوں ڈر کے تم جان تمہاری مجھے
زلف سیہ کی قسم چار گھڑی رات ہے
بوسے کی درخواست میں تم نے جو دشنام دی
دل میں نہ کچھ لائے ہم کو مساوات ہے
مشت لے اٹھائی نظیر تم کو تو اس شوخ نے
اب جو کھسکتے نہیں یاں سے تو پھر لات ہے

(450)

دیکھ رک کرتی گلے میں سبز دھانی آپ کی
دھان کی بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی
کیا تعجب ہے اگر دیکھے تو مردہ جی اٹھے
چین نیفے کی دھلک پیڑو پہ آنی آپ کی
ہم تو کیا ہیں دل فرشتے کا بھی کافر چھین لے
تک جھمک دکھلا کے پھر انگیا چھپانی آپ کی
آ پڑے دو سو برس کے مردہ بیجان میں جان
جس کے اوپر دو گھڑی ہو مہربانی آپ کی
اک لپٹ کشتی کی ہم سے بھی تو کر دیکھو ذرا
ہاں بھلا ہم بھی تو جانیں پہلوانی آپ کی
دیکھو کہنا مانو مت خالی سلائی سے رکھو
ورنہ کوسے گی ہمیں یہ سرمہ دانی آپ کی

چھلے لے غیروں پاس تو وہ خاتم زر اے نگار
ہے ہمارے پاس بھی اب تک نشانی آپ کی

وقت تو جاتا رہا پر بات باقی رہ گئی
ہے یہ جھوٹی دوستی اب ہم نے جانی آپ کی

ہم کو بھیجا تم کو تم کہتے ہو یاں پہونچا نہیں
کھا گئی شاید وہ کٹنی میری یہ جانی آپ کی

ایک یہ شب اے جان جاں گھر میں مرے رہ جایئے
حال پر بندے کے ہو گی مہربانی آپ کی

یہ کیا عجب صورت رقیب روسیہ کی دیکھ کر
خوف سے حالت ہوئی ہو پانی پانی آپ کی

وہ ایک عالم کوہکن کی طرح سر پھوڑے گا اب
گر اسی صورت رہی شیریں زبانی آپ کی

کیا ہمیں لگتی ہے پیاری جب وہ کہتی ہے نظیر
ہے میاں کچھ ان دنوں نامہربانی آپ کی

(451)

ہنسے، روئے، پھرے، رسوا ہوئے، جاگے، بندھے، چھوٹے
غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبت کے مزے لوٹے

کلیجے میں پھپھولے دل میں داغ اور گل ہیں ہاتھوں پر
کھلے ہیں کھیلیے، ہم میں بھی یہ الفت کے گل بوٹے

تفاوت کچھ نہیں گل چیں میں اور بیدرد خوبان میں
جو اس کے ہاتھ گل ٹوٹے تو ان کے ہاتھ دل ٹوٹے

ہزاروں گالیاں دیں پھر ذرا ہنس کر ادھر دیکھا
بھلا اتنی تسلی سے پھپھولے دل کے کب پھوٹے
کہاتے ہو مجھے تم، میں یہ مانگوں ہوں دعا دل میں
کوئی دلبر مرے آگے تمہیں بھی خوب سا کوٹے بے
زباں کی کر کے مقراض اور بنا دشنام کا کاغذ
ہمارے حق میں کیا کیا آپ نے کترے ہیں گل بوٹے بے
یہ کہتے ہیں کہ عاشق چھوٹ جاتا ہے اذیت سے
جب اس کی عمر کو لشکر اجل کا آن کر لوٹے
ہماری روح تو پھرتی ہے معشوقوں کی گلیوں میں
نظیرؔ اب ہم تو مر کر بھی نہ اس جنجال سے چھوٹے

(452)

چھپا کر جو بھاگے ہم اس سے ذرا جی
تو بولا کہاں جایئے گا بچا جی
ہو کچھ حسن میں اس کی خاطر ہے نازک
پری میں کہاں ایسی نازک مزاجی
خفا اس سے ہو کر ہم آئے تو لیکن
کئی دن تک اپنا بھٹکتا رہا جی
جو بیٹھا تھا جا کر نظیرؔ اس کے در پر
بہت حسن الفت سے اپنا لگا جی
اٹھایا جو اس نے جھڑک کر تو واں سے
چلا ہو کے بے بس یہ کہتا بھلا جی

(453)

ہم دیکھیں کس دن حسن اے دل اس رشک پری کا دیکھیں گے
وہ قد وہ کمر وہ چشم وہ لب وہ زلف وہ مکھڑا دیکھیں گے
مت دیکھ بتوں کی ابرو کو ہٹ یاں سے تو اے دل ورنہ تجھے
ایک آن میں بسمل کر دیں گے اور آپ تماشا دیکھیں گے
دل دے کر ہم نے آج اسے ہی دیکھی صورت تیوری کی
یہ شکل رہی تو اے ہمدم کل دیکھیں کیا کیا دیکھیں گے
جب دیکھی اس کی چیں جبیں یوں ہم نے نظیر اس بت سے کہا
خیر آپ تو ہم سے ناخوش ہیں اب اور کو ہم جا دیکھیں گے
کیا لطف رہا اس چاہت میں جو وہ چاہیں اور تم ہو خفا
یہ بات سنی تو وہ چنچل یوں ہنس کر بولا دیکھیں گے

(454)

ہے عزم یہ دل میں ہم بھی اسے اک روز نظر بھر دیکھیں گے
گر کھولے گا پر تیر نگہ چھد جائیں گے ہم پر دیکھیں گے
جو نقشہ ہو گا الفت کا اور بات بھی کچھ بن آوے گی
کیا بات ہے اے دل پھر تو اسے ہم جا کر اکثر دیکھیں گے
سر رکھ کر اس کی چوکھٹ پر بس ہم تو اسی کے در کے ہیں
اب اور کسی کے کہنے سے کب اور کوئی در دیکھیں گے
وہ حسن کی تابش سے منہ پر کہتے ہیں کہ پردہ رکھتا ہے
بن دیکھے ہی پھر آئیں گے یاں ہم آہ یوں ہی کر دیکھیں گے

اور شاید مکھڑا کھول دیا کر لطف نظیر اس نے پھر ہم
ٹھہرے گی نگہ تو دیکھیں گے جو نہ ٹھہری تو کیونکر دیکھیں گے

(455)

ناز اس کا اس کے جو تھپیڑا ہے
طبع مشتاق کو وہ پیڑا ہے
کچھ تماشے جنوں کے بھی دیکھو
گر دوانے کو تم نے چھیڑا ہے
دیکھو نرگس کے تک خیاباں کو
دید بازوں کا یہ بھی کھیڑا ہے
دیکھ انکار جام اس نے نظیر
یوں کہا میاں یہ کیا بکھیڑا ہے
پی لو جلدی ابھی تو ساغر ہے
ورنہ پھر تم ہو اور تریڑا ہے

(456)

نہ آیا آج بھی سب کھیل اپنا مٹی ہے
تمام رات یہ سر اور پلنگ کی پٹی ہے
جبیں پہ قہر نہ تنہا سیاہ پٹی ہے
بھوؤں کی تیغ بھی کافر بڑی ہی کٹی ہے
چھلکتی ٹکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارو

ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہ
گلے لگایئے منہ چومیے سلا رکھیے
ہمارے دل میں بھی کیا کیا ہوس اٹھی ہے
کوئی حجاب نہیں تجھ میں اور صنم میں نظیر
مگر تو آپ ہی پردہ اور آپ ٹٹی ہے

(457)

منہ سے پردہ نہ اٹھے صاحب سن یاد رہے
پھر قیامت ہی عیاں ہے یہ سخن یاد رہے
کھلواتی نہ زباں غنچہ دہن یاد رہے
پھر ہمارے بھی دہن ہے یہ سخن یاد رہے
کوچہ گردوں میں نہیں ہم جو یہ کوچہ چھوڑیں
خاک کرنا ہے ہمیں یاں ہی بدن یاد رہے
عہد آنے کا کیا ہے تو گرہ ع میں دے
اس سے شاید تجھے اس عہد شکن یاد رہے
آپ کے کوچے کو ہم کعبہ مقصود سمجھ
بھول بیٹھے ہیں سب آرام وطن یاد رہے
حرف اٹھ جانے کا کہہ بیٹھے ہو اب تو لیکن
پھر نہ کہیے گا کبھی قبلہ من یاد رہے
مر بھی جاویں گے تو جز پیرہن عریانی
آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے
اب تو ہے ناز یہ ٹھکرا کے سروں کو چلنا

لیکن آخر نہیں اچھا یہ چلن یاد رہے
سو چمن ایک فقط مکھڑے میں اس کے ہیں نظیر
جب یہ صورت ہو تو پھر کس کو چمن یاد رہے

(458)

ٹک ہونٹ ہلاؤں تو یہ کہتا ہے نہ بک بے
اور پاس بیٹھوں تو سنتا ہے سرک بے
کہتا ہوں کبھی گھر میں مرے آ، تو ہے کہتا
چوکھٹ پہ ہماری کوئی دن سر تو پٹک بے
جب بدر نکلتا ہے تو کہتا ہے وہ مغرور
کہدو اسے یاں آن کے اتنا نہ چمک بے
پردہ جو الٹ دوں گا ابھی منہ سے تو دم میں
اڑ جائے گی چہرے کی ترے یہ سب چمک بے
سب بانکپن اب تیرا نظیر عشق نے کھویا
کیا ہو گئی سچ کہہ وہ تیری دوت لے دبک بے

(459)

اس کا ادھر وہ حسن دکھانا گھڑی گھڑی
اور ہم کو غش پہ غش ادھر آنا گھڑی گھڑی
دن رات اس کے ہجر میں گھڑیال کی طرح
پڑتا ہے ہم کو شور مچانا گھڑی گھڑی

آتا ہ اب تو پہر میں کچھ آٹھ سات بار
کیا جانے کیا کرے گا یہ آنا گھڑی گھڑی
باہر کبھی جو نکلے تو کہہ آوے گھر میں یوں
گر دیر ہو تو مجھ کو بلانا گھڑی گھڑی
ہو شب جو وصل کی تو بہت ہو کے مضطرب
کرنا ہر ایک طرح بہانا گھڑی گھڑی
القصہ وقت صبح تک اس کو تو روٹھنا
اور ہم کو پاؤں پڑ کے منانا گھڑی گھڑی
آنا کبھی تو گھر میں یہ کہہ آنا بار بار
یعنی کہ مجھ کو واں سے بلانا گھڑی گھڑی
اور آپ بھی جو چار گھڑی بیٹھنا تو پھر
کرنا ہر ایک طرح کا بہانا گھڑی گھڑی
گر وصل کی ہو شب تو انہیں ہونا مضطرب
کہتے جاؤں جاؤں مجھ کو کڑھانا گھڑی گھڑی
جاتی ہے اس میں قدر کچھ اچھا نہیں نظیر
گھر میں کسی کے دوڑ کے جانا گھڑی گھڑی

(460)

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے
پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے
کھنچی کنگھی، گندھی چوٹی، جمی پٹی لگا کاجل
کماں ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہے

جبیں مہتاب آنکھیں شوخ، شیریں لب گہر دنداں
بدن موتی، دہن غنچہ ادا ہنسنے کی پیاری ہے
نیا کمخواب کا لہنگا، جھمکے تاش کی انگیا
کچیں تصویر سی جن پر لگا گوٹا کناری ہے
ملائم پیٹ مخمل سا کلی سی ناف کی صورت
اٹھا سینہ، صفا پیڑو عجب جوبن کی ناری ہے
سریں نازک کمر پتلی، خط گلزار روما دل
کہوں کیا آگے اب اس کے مقام پردہ داری ہے
لٹکتی چال، مدھ ماتی، چلے بچھوں کو جھنکاری
ادا میں دل لیے جاتی عجب سمدھن ہماری ہے
بھرے جوبن پہ اتراتی جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے

(461)

گل رنگی و گل پیرہنی گل بدنی ہے
وہ نام خدا حسن میں سچ مچ کی بنی ہے
گلزار میں خوبی کے اب اس گل کے برابر
بوٹا ہے نہ شمشاد نہ سرو چمنی ہے
انداز بلا ناز ، ستم ، قہر ، تبسم
اور تس پہ غضب کم نگہی کم سخنی ہے
اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کرے آہ
ختم اس کے اوپر گلرخی و سیمتنی ہے

منہ چاند کا ٹکڑا ہے بدن چاند کی تختی
دنداں میں گہر ہونٹ عقیق یمنی ہے
بلور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ
یا چیں میں اک چینی کی مورت یہ بنی ہے
نرمی میں صفائی میں نزاکت میں تن اس کا
ریشم ہے نہ گلبرگ نہ برگ سمنی ہے
گر پھول کی پتی کی بنا پہنے وہ پوشاک
چھل جاوے بدن اس کا یہ نازک بدنی ہے
کل میں نے کسی شخص سے نام اس کا جو پوچھا
یعنی یہ پری یا کہ غزال ختنی ہے
وہ بولا کہ اس شوخ کے تئیں کہتے ہیں ہیرا
کام اس کا سدا دلبری و دل شکنی ہے
تب میں نے وہیں ہنس کے کہا اس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہے

(462)

کمر تک اس نے زلفوں کو جو بل دے دے کے چھوڑا ہے
یہ دو زلفیں نہیں ہیں کافر ایک ناگن کا جوڑا ہے
سمندر آسماں کب آپ سے دوڑے ہے اس پر تو
کسی کی ایڑ پر ہے ایڑ اور کوڑے پہ کوڑا ہے
دیا اس سنگدل کے ہاتھ اپنے شیشہ دل کو
جو سچ پوچھو تو میں نے لعل کو پتھر سے پھوڑا ہے

یہی ہے دھوم کہ سے وہ مرے ملنے کو آتا ہے
گلے میں ہار ہے اور تن میں نافرمانی جوڑا ہے

پھرے ہے حرص سے بلبل چمن کے تختے تختے میں
جو کچھ بھی صبر ہو تو ایک گل کیا اس کو تھوڑا ہے

کل اس نے نیلگوں ناخن سے ایسے میرے چٹکی لی
کہ جس کے نیل کہ اب تک مرے تن میں ددوڑا ہے

تپک ہے درد ہے کوندن پڑی ہے ہول اٹھتے ہیں
مرے پہلو میں کیوں یارو یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے

نشے میں پا کے اس کو کس طرح بوسہ میں نہ لیتا
بھلا یارو کسی نے بھی شکار اپنے کو چھوڑا ہے

عبث اس بے وفا کے تو جو نکتوڑے اٹھاتا ہے
ارے دل تجھ کو کیا دنیا میں محبوں کا توڑا ہے

غرض میں تو نظیر اس سے سمجھتا ہوں کہیں شاید
کسی کا نیک لے بگڑا ہے جو یہ طوفان جوڑا ہے

(463)

تمہارے حسن کے شعلے کو دیکھے شمع جلتی ہے
چھپی ہے پردہ فانوس میں جس پر پگھلتی ہے

حنا اس ہاتھ سے بند کر کھلی ہے ایسی کچھ جس سے
پری کے ہاتھ کی مہندی بھی اپنے ہاتھ ملتی ہے

منہ اپنا دیکھتا ہے شوخ آئینے میں خوش ہو کر
بتوں کی شوخیوں کے سامنے کچھ بات چلتی ہے

نزاکت سے جو آیا ہے پسینہ اس کے عارض پر
تو کیا پنکھا موافق کا جھپک مژگاں کی جھلتی ہے
صفت کرتا ہے وہ اٹکھیلیوں کی چال چلنے کی
کہ جس کے دل کو شوخی اس کے پے در پے کچلتی ہے
نگہ لیتی ہے دل کو دیکھتے ہی دیکھتے جھپ سے
ہنسی کی آن بھی ہنستے ہی ہنستے دل کو چھلتی ہے
نظیر اب دل تو مچلا یار کے کوچے میں کیا کیجے
اٹھو جلدی نہیں تو جان بھی اب دم میں چلتی ہے

(464)

درج غم میں چشم نے گوہر اگل کر بھر دیے
اشک نے جنگل دم میں ڈھل کر بھر دیے
جلوہ گر محفل میں رات اس حسن کے شعلے کے دیکھ
شمعدان شمعوں نے اپنے سب گل کر بھر دیے
کل جو ناک رویا کسی کو یاد کر وہ گلبدن
اشک تھے آنکھوں میں یا موتی نکل کر بھر دیے
جام کم بھرنے میں ساقی کو ذرا چھیڑا جو ہیں
اس نے ایک دو چار ساغر مجھ کو جل کر بھر دیے
ذبح کرتا تھا وہ قاتل مجھ تپش آلودہ نے
خوں میں سب دامن کے پاٹ اس کے اچھل کر بھر دیے
زخم شانوں کے تری زلفوں نے اے وعدہ خلاف
آخرش لیت و لعل سے آج کل بھر دیے

کہتے ہیں اے باغباں جتنے کہ خالی تھے چمن
جوش گل نے آ کے سب وہ پھول پھل کر بھر دیے
اب ترے رونے کا عالم حد سے گزرا اے نظیر
اشک نے تیرے تو سب جل تھل نکل کر بھر دیے

(465)

رخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب، نام خدا ہو ترے قربان پری
جھمکے جھمکے وہ ثریا کے کرن پھول وہ پھول
بندے بالے پری موتی پری، اور کان پری
رشک خورشید جبیں ابر سیہ کی سی پٹی
لہر چوٹی کی غضب زلف پریشان پری
حسن گلزار قمر شکل صراحی گردن
مہ جبیں سیب ذقن چاہ زنخدان پری
مار غمزہ کی بلا تیر نگہ، دست سناں
تیغ ابرو کی ستم ترکش مژگان پری
مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی
آن ہنسنے کی قیامت ، لب و دندان پری
آن مستی کی بھری شوخ نگاہیں چنچل
قہر کاجل کی کھچاوٹ مسی و پان پری
بنی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھدے دل جس سے
حور چنی کی جھلک گوہر غلطان پری

دھکدھکی چاند سی، جگنو بھی ستاروں کی مثال
عطر داں طرفہ، وہ توڑے بھی درخشاں پری
چاک سینے کا غضب صاف بدن موتی سا
مانگیا تصویر سی کرتی کا گریبان پری
پشت گلبرگ شکم سیز، کمر تار نگاہ
ساق بلور، گلاوٹ میں ہر اک رآن پری
گھیر پشواز کا وہ جس کے کناری قرباں
چال آفت کی نشاں جنبش داماں پری
کیا کہوں اس کے سراپا کی میں تعریف نظیر
قد پری، دھج پری، عالم پری، اور شان پری

(466)

سمجھے تھے چاہ ہم کو یاں غم نہ لینے دے گی
کچھ گاہ گاہ ہو گا پیہم نہ لینے دے گی
اس زلف میں نہ پھنسیو وہ پیچ و خم سے اپنے
پھر چین تجھ کو اے دل اک دم نہ لینے دے گا
ابرو کی تیغ جس دم زخمی کرے گی پھر تو
ٹانکا نہ دینے دے گی مرہم نہ لینے دے گی
مت دو نظیر دل کو اس تندخو کی چاہت
دم خوش دلی کا تم کو باہم نہ لینے دے گی
مشکل پڑے گی وہ تو پھر آنے واں نہ دے گا
اور بے قراری تم کو یاں دم نہ لینے دے گی

(467)

وہ جب گھر سے نکلا تکلتے تکلتے
قدم بھی اٹھائے جھجکتے جھجکتے
نہ مانا کبھی دل نے کہنا ہمارا
نہایت ہم عاجز ہوئے بکتے بکتے
نہ آیا ادھر کر کے وعدہ وہ اور ہم
گئے جی میں گھبرا ادھر تکتے تکتے
نظیرؔ اس کی محفل میں جب دور بیٹھا
ہوا جب وہ ناخوش جھڑکتے جھڑکتے
بٹھایا تو دور اس نے اپنے ڈھب سے
وہ پھر واں ہی پہونچا سرکتے سرکتے

(468)

ادھر جو دیکھا تو اس پری کی نگاہ جام شراب لائی
اڑا دیا ہوش ایک پل میں نشہ کچھ ایسا شتاب لائی
اٹھایا اس نے جو رخ سے پردہ ہماری خاطر سے پر کہیں کیا
بہت یہ چاہا کہ دیکھیں اک دم نگاہ ہرگز نہ تاب لائی
کہا جو ہم نے کہ دل کو لیجے تو شرمگین ہو نہیں تو کی پر
وہ دل کا لینا ہی تھا جو اس کی حیا جبیں پر حجاب لائی
گلہ جفا کا نظیرؔ ہم نے کیا جو اس نازنیں سے جا کر
تو سن کے اس کی وہ چین ابرو کچھ اس طرح کا عتاب لائی

جو غش آیا ہمیں پسینہ تو پھر ہنسا وہ کچھ اس ادا سے
کہ تھی عرق کی تری جو منہ پہ وہی تری پھر گلاب لائی

(469)

دیا جسے دل تو پھر ستم کا نہ اس کے ہرگز حساب کیجیے
گلے کو جی میں نہ راہ دیجیے نہ چشم اپنی پہ آب کیجیے
کیا ہے آنے کا وعدہ اس نے لگی ہے ڈھلنے گو رات تو بھی
بجا ہے اب جاگنا ہی اے دل نہیں مناسب کہ خواب کیجیے
ہم آئے ملنے کو تم سے اس دم تم اپنا بیٹھے ہو منہ چھپا کر
یہی وضع کیا ہے جو دل کو لیجیے اور ایسے تازہ عتاب کیجیے
جو یوں ہی ٹھہری تو ڈر ہے کس کا بس ایک گھڑی ہی دیکے جھڑکی
ہمیں اٹھا دیجیے یہاں سے اے جاں وگرنہ ترک حجاب کیجیے
میاں نظیر اب ہو تم جو عاقل تو جتنی فرصت نظر میں ہے یاں
ورنگ اس میں نہ آنے دیجیے جو کچھ ہے کرنا شتاب کیجیے

(470)

پھر بہار آئی ہے اور موج ہوا لہرائے ہے
دیکھیے اپنے جنوں کو اب کے کیا لہر آئے ہے
اس کی چوٹی کا تصور دل میں یوں لہرائے ہے
سانپ کے کاٹے کو جیسے لہر پہ لہر آئے ہے
صبح کا کرتا ہے وعدہ وہ تو پھر آتا ہے کب

دوسرے دن کا کہیں جب تیسرا پہر آئے ہے
گر وہ بوسے کی طلب میں ہو خفا تو ہے بجا
ہنس کے اک دشنام دینے میں جسے قہر آئے ہے
مجھ کو کاٹا ہے صریحاً زلف کی ناگن نے آہ
تو مجھے اُبھی گزیدہ کس طرح ٹھہرائے ہے
زہر مہرے سے مسی مالیدہ لب کے کر علاج
ورنہ مجھ کو بے طرح چڑھتا ہوا زہر آئے ہے
گر وہ روٹھا ہے تو تو بھی اس کو کہہ بھیج اے نظیر
ہم بھی پا رکھتے نہیں مندی تو کیا گھرائے ہے

(471)

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہوئے
عمر بھر پھر وہ ہمارے گہر گوش ہوئے
کل جو گزرے تھے ہم اک کہنہ مزارستان میں
واں عجب طور کی عبرت سے ہم آغوش ہوئے
یعنی اک شخص یہ بولا کئی یاں عظم دہن
سخت بوسیدہ نگہ سے مری ہم دوش ہوئے
مجھ سے یوں کہنے لگے جن کے ہیں یہ عظیم رمیم
وہ بصد عیش و طرب خوش خور و خوش پوش ہوئے
رات دن فرحت و عشرت میں بسر کرتے تھے
کبھی گلشن میں پھرے اور کبھی مے نوش ہوئے
ایک دم چرخ حسد پیشہ سے مانند چراغ

دیر پل بھر نہ لگی آہ جو خاموش ہوئے
اب کوئی نام و نشاں سے نہیں ان کے آگاہ
ایسے وہ خاطر عالم سے فراموش ہوئے
جب سنا میں نے اس شخص سے احوال نظیر
روح تھرا گئی لرزاں خرد و ہوش ہوئے

(472)

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
کہتے ہیں جنہیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے
دن رات وہ محبوب میسر تھے کہ جن کی
زلفیں الم شاخ تھیں رخ رشک سحر تھے
ساقی کے ادھر جام ادھر ناز و ادا سے
جادو نظر خوش نگہاں پیش نظر تھے
محفل سے جو اٹھتے تھے ذرا ہم تو لپٹ کر
نازک بدناں مو کمراں دست و کمر تھے
ہمراہ گل اندا موں کے ہو خرم و خنداں
باغ و چمن و گلشن و بستاں میں گزر تھے
کیا شور تھے کیا زور تھے ہر لحظہ ا ہا ہا
کیا ولولے کیا قہقہے بے خوف و خطر تھے
دکھلا کے جھمک جاتے رہے دم میں نظیر آہ
کیا جانے وہ دن برق تھے یا مثل شرر تھے

(473)

گلباز عشرت ہو جیے کای گلرخوں سے وہ گھڑی
کرتا ہے گلبازی کی یاں اک دم میں گردوں گل جھڑی
ہر دم تغیر دیکھ یاں ہیبت سے یوں کانپے ہے جاں
جیسے ہوا سے ہر زماں ہو بید کی لرزاں چھڑی
اک گلبدن مغرور تھا رقص اس کا بس مشہور تھا
جس جس کا وہ منظور تھا کرتا تھا جو راس پر کڑی
دل اس نے دیکھا جس جگہ بے جرم و تقصیر و گنہ
مارا وہیں تیر نگہ یا تیغ ابرو کی جڑی
ہر دم نگاہ جانستاں لے کر ٹپا غمزے کا ہاں
کرتی تھی کیا کیا پھرتیاں واں جاں پڑی یاں آ پڑی
سر پاؤں سے گلپوش تھا بلبل و شوں کا جوش تھا
ہر دل پڑا بیہوش تھا جاں دست بستہ تھی کھڑی
وہ گرم دیکھ اس کی دکاں اک سرد مہری کر عیاں
ناگاہ جور آسماں اس مہر پیکر سے لڑی
وہ حسن سب جاتا رہا میں نے کہا یہ کیا ہوا
بولا میاں اب کہیے کیا حیرت ہے مجھ کو بھی بڑی
تھی جو نظیر ایسی چمک جاتی رہی سب یک بیک
کیا جانے وہ ظالم جھمک مہتاب تھی یا پھل جھڑی

(474)

کیا کہیں دنیا میں ہم انساں یا حیوان تھے
خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے

کر رہے تھے اپنا قبضہ غیر کی املاک پر
غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے

اور کی چیزیں دبا رکھنا بڑی سمجھی تھی عقل
چھین لیں جب اس نے جب جانا کہ ہم نادان تھے

ایک دن اک استخواں اوپر پڑا میرا جو پاؤں
کیا کہوں اس دم مجھے غفلت میں کیا کیا دھیان تھے

پاؤں پڑتے ہی غرض اس استخواں نے آہ کی
اور کہا غافل کبھی تو ہم بھی صاحب جان تھے

دست و پا، زانو، سر و گردن شکم پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے

ابر و بینی، جبیں نقش و نگار و خال و خط
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے

رات کو سونے کا کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا کوٹھے اور دالان تھے

کھل رہا تھا رو برو جنت کے گلشن کا چمن
نازنیں محبوب گویا حور اور غلمان تھے

لگ رہا تھا دل کئی چنچل پریزادوں کے ساتھ
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے

گلبدن اور گلعذاروں کے کنارہ بوس سے
کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے

مچ رہے تھے چھچے اور اڑ رہے تھے قہقہے
ساقی و ساغر صراحی پھول عطر و پان تھے
ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر
جو نہ ہم تھے اور وہ سب عیش کے سامان تھے
ایسی بے دردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں تیری طرح ہم بھی کبھی انسان تھے

(475)

تاب اس کے دیکھنے کی نہ لائے چلے گئے
کیا کیا پری جوان تھے آئے چلے گئے
آدم رہا نہ کوئی پیمبر رہا یہاں
وہ بھی سرزمیں میں سمائے چلے گئے
دارا رہا نہ جم نہ سکندر سا بادشاہ
تخت زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے
عالم تھا یہ زلیخا کا یوسف کی چاہ میں
رقعے ہزار بیاہ کے آئے چلے گئے
دیکھا نظیر میں نے چمن میں جو آپ کو
مہندی بھرے جو ہاتھ دکھائے چلے گئے

(476)

سرشک چشم سے موتی بہت پروئے گئے

ولے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے

غرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر

پہ اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملوئے گئے

ہماری ان کی رہی عمر بھر یہی صحبت

ادھر وہ ہنستے گئے ہم ادھر سے روئے گئے

سمائے ایسے ہیں آ کر کہ پھر مرے دل سے

نہ جاگتے میں کبھی اور کبھی نہ سوئے گئے

نظیر کیا ہی مزہ تھا کہ کل خوشی سے ہم

گئے تھے یار کو لینے سو آپ کھوئے گئے

(477)

لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے

بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے

مرا دل دیکھتے ہی اس صنم کو ہو گیا شاداں

نگاہیں دم بدم سو عیش و عشرت سے لگیں چلنے

کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی کبھی بولا اہا ہا ہا

عجب لوٹے مزے اس وقت نظاروں کی انگل نے

نہ بولا منہ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوشدلی میری

مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے

مجھے کر جل سے نافل بھولی صورت کا بنا نقشہ

کیااک بار منہ غصہ میں سرخ عیار اچپل نے

اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی

اٹھا کر جھٹ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے
چلا ڈرتا جو آگے کو تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
اڑا کر مفت نظارے بچا اب تم گئے ٹلنے
ادب سے یوں کہا اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے قطرے پسینے کے مرے منہ سے وہیں ڈھلنے
لگے غمزے لگانے تیرا ادھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر سے تیغ کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے
ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے
دکھا کر مجھ کو اپنی واں زبردستی یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیر اس شوخ چنچل نے

(478)

الطاف بیاں کب ہم سے ہوں اے جاں تمہارے صورت کے
ہیں لاکھوں اپنی آنکھوں میں احساں تمہاری صورت کے
کچھ کہنے پر موقوف نہیں معلوم ابھی ہو جاوے گا
خورشید مقابل ہو دیکھے اک آن تمہاری صورت کے
منہ دیکھے کی یہ بات نہیں سچ پوچھو تو اب دنیا میں
بے صبر کریں ہیں یوں کو انسان تمہاری صورت کے
آئینہ رخوں کی محفل میں جس وقت تم عیاں ہوئے
سب آئینہ ساں رہ جاتے ہیں حیران تمہاری صورت کے
کی عرض نظیر اک بوسے کی تو ہنس کے چنچل یوں بولا

اس منہ سے بوسہ لیجے گا قربان تمہاری صورت کے

(479)

لے ہوش دل کو لینا ٹھہرا دیا ابھی سے
ہم کو یہ ناز اس نے دکھلا دیا ابھی سے
بوسے کی ہم کی چینک اور واں ہے تازہ الفت
اس آرزو نے دل کو للچا دیا ابھی سے
کر عہد مہربانی دکھلا دی چین ابرو
اس شمع رو نے دل کو بالا دیا ابھی سے
پہلے ہی دیکھنے میں انکھیں دکھائیں کیا کیا
چنچل نے ہم کو یارو دہلا دیا ابھی سے
کیونکر نظیر اس کی چاہت نبھے گی دل سے
ہم کو تو ایک ادا نے گھبرا دیا ابھی سے

(480)

دل و جاں ہمارے نہ غنچے سے ملتے
جو اس گل سے ملتے تو ہم گل سے کھلتے
دکھائے ستم تو ہمیں پر اسی نے
چھلائے وہ گر نہ وہ ہم سے نہ جھلتے
وہ کجرے جو تھے نسترن کے توان سے
نزاکت نہ ہوتی تو پہونچے نہ چھلتے

اگر جا ہمیں اس کے کوچے میں ملتی
تو پھر عمر بھر واں سے نہ ہلتے
ملا وہ تو بولا نظیرؔ اس سے ہنس کر
میاں تم نہ ملتے تو ہم کیوں کر ملتے

(481)

ہوئے خوش ہم ایک نگار سے ہوئے شاد اس کی بہار سے
کبھی شان سے کبھی آن سے کبھی ناز سے کبھی پیار سے
ہوئی پیرہن سے بھی خوش دلی کلی دل کی اور بہت کھلی
کبھی طرے سے کبھی گجرے سے کبھی بدھی سے کبھی ہار سے
وہ کناری ان میں جو تھی گندھی اس دیکھ کر بھی ہوئی خوشی
کبھی نور سے کبھی لہر سے کبھی تاب سے کبھی تار سے
گئے اس کے ساتھ چمن میں ہم تو کلیوں کو دیکھ کو خوش ہوئے
کبھی سرو سے کبھی نہر سے کبھی برگ سے کبھی بار سے
وہ نظیرؔ سے تو ملا کیا مگر اپنی وضع میں اس طرح
کبھی جلد سے کبھی دیر سے کبھی لطف سے کبھی عار سے

(482)

ہوئی شکل اپنی یہ ہمنشیں جو صنم کو ہم سے حجاب ہے
کبھی اشک ہے کبھی آہ ہے کبھی رنج ہے کبھی تاب ہے
ذرا در پہ اس کے پہونچ کے ہم جو بلاویں اس کو تو دوستو

کبھی غصہ ہے کبھی چھیڑ ہے کبھی حیلہ ہے کبھی خواب ہے

جو اس انجمن میں ہیں بیٹھتے تو مزاج اس کے ہم کو واں

کبھی عجز ہے کبھی بیم ہے کبھی رعب ہے کبھی داب ہے

وہ ادھر سے جا کے جو آتا ہے اسے دونوں حال سے دل میں یاں

کبھی سوچ ہے کبھی فکر ہے کبھی غور ہے کبھی تاب ہے

جو وہ بعد بوسہ کے ناز سے ذرا جھڑکے ہے تو نظیر کو

کبھی مصری ہے کبھی قند ہے کبھی شہد ہے کبھی راب ہے

(483)

جن دنوں چاہت کی ہم کو دمبدم تقریر تھی

ہے جو نقش حب اسی کی رات دن تحریر تھی

کس روش سے دیکھیے ملیے اس سے کس طرح

تھا یہی اندیشہ دل میں اور یہی تدبیر تھی

ہم نے دیکھا وہ بدو اور تم نے چھیدا دل کو آہ

لائق تعزیر ہم تھے دل کی کیا تقصیر تھی

یوں نظر آیا ہمیں کل ایک جاگہ پہ نظیر

گریہ آور اس کی ہر دم آہ کی تاثیر تھی

تھا زمیں پہ پاؤں پھیلائے پڑا دیوانہ وار

چشم تھی حیرت زدہ اور ہاتھ میں تصویر تھی

(484)

جب اس کی زلف کے حلقے میں ہم اسیر ہوئے
شکن کے عادی ہوئے خم کے خو پذیر ہوئے
خدنگ دار جو غمزے تھے اس کے چھٹپن میں
پر اب نظر میں جو آئے تو رشک تیر ہوئے
جھڑک دیا ہمیں کوچے میں اسنے جس دم دیکھ
ہم اپنے دل میں کچھ اس دم خجل کثیر ہوئے
جو گاہ گاہ ادھر جاتے ہم تو رہتی قدر
گھڑی گھڑی جو گئے اس سبب حقیر ہوئے
نگہ کے لڑتے ہی ہنس کر کہا نظیر اس نے
یہ باتیں چھوڑ دو کچھ سمجھو اب تو پیر ہوئے

(485)

تن پر اس کے سیم فدا اور منہ پر مہ دیوانہ ہے
سر سے لے کر پاؤں تلک اک موتی کا سا دانہ ہے
ناز نیا انداز نرالا چتون آفت چال غضب
سینہ ابھرا صاف ستم اور جھپب کا قہر یگانہ ہے
بانکی سج دھج آن انوکھی بھولی صورت شوخ مزاج
نظروں میں کھل کھیل لگاوٹ آنکھوں میں شرمانا ہے
آج بھی کچھ گدرایا ہے اور قد بھی بڑھتا آتا ہے
کچھ کچھ حسن تو آیا ہے اور کچھ کچھ اور بھی آتا ہے
جب ایسا حسن قیامت ہو بیتاب نہ ہو دل کیونکر نظیر
جان پر اپنی کھیلیں گے اک روز یہ ہم نے جانا ہے

(486)

اس کے جھمکے کی لٹک سے جو ملا بالا ہے
دل مرا جھوک سے دنوں کی تہ و بالا ہے
بالے پن میں تو ہمیں تھے یہ قامت دیکھو
اب ذرا حسن جو چمکا تو ہمیں بالا ہے
جتنے اس باغ میں ہیں سرو صنوبر شمشاد
اس کا قدر نام خدا سب کے اوپر بالا ہے
خال چہرے پہ نہیں اس کے یہ اللہ نے واہ
حسن کے خوان میں کیا خوب نمک ڈالا ہے
سرخ رو پان ہوا اس کے لبوں سے ایسا
جس کے ہمرنگ نہ گلنار نہ گل لالا ہے
سنگدل ، شوخ، جفا کار ستمگر بے رحم
دل پرونے کے لیے جس کی نگہ بھالا ہے
قہر جھمکوں کی جھمک تس پہ غضب ہے بالا
اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے
ایسے ظالم سے کوئی دل کو لگاتا ہے نظیر
اب تری جان کا اللہ ہی رکھوالا ہے

(487)

ہمدم چلیں ہم اس کی طرف کیا نثار لے
جاویں مگر یہی دل امید وار لے

ہو بیقرار کیونکر نہ جاویں ہم اس کے پاس
ہم کو تو ہو قرار پہ جب دل قرار لے

اے حسرت نثار اس ابرو کے وار پر
جو تجھ کو وارنا ہے سو اب تو بھی وار لے

کوچے میں اس کے اشک مسلسل کے ہار گوندھ
جاتا ہوں جب میں ہاروں کو بے اختیار لے

کہتا ہوں گل فروش کی مانند بار بار
تازے ہیں موتیا کے اگر کوئی ہار لے

سو سو طرح کے مکر بناتا ہوں اس لیے
شاید وہ جل میں آن کے مجھ کو پکار لے

دل چیز کیا ہے جو اس کے تئیں دیجیے اے نظیر
ہم نقد جاں بھی دیویں اگر وہ ادھار لے

(488)

دست غیر اس کے حنا واں پاؤں پر اندھا کیے
یاں کئی مشفق ہمارے زخم سر باندھا کیے

اڑ کے آخر جا پڑی اس رخ رخشاں پر نگاہ
گرچہ ہم مدت سے اس طائر کے پر باندھا کیے

اپنے اشکوں سے ہم اس کے دست غم میں دمبدم
جب تلک جیتے رہے سلک گہر باندھا کیے

خال و ابرو کی نظر بازی سے باز آئے نہ ہم
گو وہ ہم پر ہر گھڑی تیغ و سپر باندھا کیے

قتل کا سنتے ہی مژدہ ہم تو شادیِ مرگ ہو
اول منزل کو پہونچے وہ کمر باندھا کیے
غش جو آیا رات اس کی چشم کے بیمار کو
رشتۂ چسم اس کے بازو تا سحر باندھا کیے
اشک ادھر پانی میں کچھ کھوا کیے اس دم نظیر
سرخ سی کچھ گولیاں لختِ جگر باندھا کیے

(489)

دل زلف میں رکھتے ہو تو اکتانے نہ پاوے
یہ صید نیا ہے ابھی گھبرانے نہ پاوے
کہتا ہے کہ کوچے میں ہمارے جو کوئی دل
لاوے تو نہ کچھ کہیو پہ لے جانے نہ پاوے
کاکل ہے کھلی اس لیے تا پاؤں تلک کا
اس ہی میں بندھے چہرے تلک آنے نہ پاوے
تیوری جو چڑھی رہتی ہے اس کا ہے سبب یہ
جو شکوہ زبان پہ کوئی کچھ لانے نہ پاوے
مشکل ہے کہ جو چاہے تو پھر آوے نہ در تک
اور دل کہیں بہلاوے تو بہلانے نہ پاوے
چپکے ہی جفائیں سہے کچھ بولے نہ ہرگز
بولے تو زباں گونگی ہو ہتلانے نہ پاوے
ہم ایک نظر دیکھ اس کو جو بھاگے
بولا کہ اے لیجیو ہاں جانے نہ پاوے

(490)

ادا و ناز میں کچھ کچھ جو ہوش اس نے سنبھالا ہے
تو اپنے حسن کا کیا کیا دلوں میں شور ڈالا ہے
ابھی کیا عمر ہے کیا عقل ہے کیا فہم ہے لیکن
ابھی سے دلفریبی کا لہر اک نقشہ نرالا ہے
تبسم قہر، ہنس دینا قیامت دیکھنا آفت
پلک دیکھو تو نشتر ہے نگہ دیکھو تو بھالا ہے
ابھی نوک نگہ میں اس قدر تیزی نہیں تس پر
کئی زخمی کیے ہیں اور کئی کو مار ڈالا ہے
اکڑنا ، تن کے چلنا دھج بنانا، وضع دکھلانا
کبھی نیمہ کبھی چپکن کبھی خالی دو شالا ہے
کسی کے ہاتھ کاندھے پر کسی کے لات سینے پر
کہیں نفرت کہیں الفت کہیں حیلہ حوالا ہے
نظیر ایسی ہی دلبر شہرہ آفاق ہوتا ہے
ابھی سے دیکھیے فتنے نے کیا ڈھب نکالا ہے

(491)

ہم کل ایک ایسے پریرو کے نظر بند ہوئے
جس کا منہ دیکھ کے پریوں کے بھی پر بند ہوئے
ایسے کمبخت ہوئے ہاتھ ہمارے ہیہات
ایک دن اس کی کمر کے نہ کمر بند ہوئے

حور پہونچے نہ پری جن کی نزاکت کو نظیر
ایسے کچھ حضرت آدم کے جگر بند ہوئے

(492)

کیا ادا کیا ناز ہے کیا آن ہے
یاں پری کا حسن بھی حیران ہے
حور بھی دیکھے تو ہو جاوے فدا
آج اس عالم کا وہ انسان ہے
اس کے رنگ سبز کی ہے چین میں دھوم
کیوں نہ ہو آکر کو ہندوستان ہے
جان و دل ہم نذر کو لائے ہیں آج
لیجیے یہ دل ہے اور یہ جان ہے
دل بھی ہے دل سے تصدق پر آپ
جان بھی جی جان سے قربان ہے
دل کہاں پہلو میں جو ہم دیں تمہیں
یہ تو گھر اک عمر سے ویران ہے
عقل و ہوش و صبر سب جاتے رہے
ہاں مگر اک ادھ موئی سی جان ہے
وہ بھی گر لینی ہو تو لے جایئے
خیر یہ بھی آپ کا احسان ہے
آن کر مل تو نظیر اپنے سے جان
اب وہ کوئی آن کا مہمان ہے

(493)

جب آنکھ اس صنم سے لڑی تب خبر پڑی
غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی

پیالے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ!
دل بر نے دی تب اس سے کڑی تب خبر پڑی

لائے تھے ہم تو عمر پٹا یاں لکھا و لے
جب سیاہی پہ سفیدہ چڑی تب خبر پڑی

داڑھیں لگیں اکھڑنے کو دنداں ہوئے شہید
مجلس میں چل چل یہ پڑی تب خبر پڑی

بن دانت بھی ہے پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ!
جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی

شہتیر سا وہ قد تھا، سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر پڑی

نیچا دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ
جب چاپ لی گلے کی نڑی تب خبر پڑی

کپڑے بدل کے عطر لگا پہن پھول ہار
نکلی سواری دھوم پڑی تب خبر پڑی

جب آئے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار من
اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر پڑی

(494)

دیر سے آج جو نکلے بت ذی شان کئی
لے گئے صبر کئی دیں کئی ایمان کئی

اتنا رویا ہوں کہ اب لخت جگر کے پارہ
ڈھیر ہیں چشم سے لے کر تا سر داماں کئی

اب تو ٹک منہ کو دکھا ، یار کر نرگس بن کر
نکلے ہیں خاک چمن سے تیرے حیران کئی

اس کے دامن سے لگوں پاؤں پڑوں ساتھ چلوں
خاک ہوں تو بھی مرے دل میں ہیں ارمان کئی

آخر آیا ہے تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریباں کئی

پان کھا کھا نہ ہنس اس وجہ تو اے دشمن جاں
ابھی بھر جائیں گے خون میں لب و دنداں کئی

نظر آتے ہیں مجھے اس کی گلی میں رات دن
ٹکڑے ٹکڑے کئی بسمل کی بے جان کئی

جان کر گور غریباں میں قیامت نہ مچا
ابھی سوتے ہیں ترے بے سر و سامان کئی

بادشا کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر
سال شہ حسن کے آئے ہیں مجھے فرمان کئی

(495)

بافرض اگر ہم ہوئے حوا کے شکم سے
آدم کے تئیں پوچھے تو یہ کس کا جنا ہے

حکمت کا الٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل یہ بقا ہے یہ فنا ہے
اک اس کی وہ کبھی نہیں جاتی نظیر آہ!
کچھ اور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

(496)

زلف ہو برسر احساں تو گرفتار رہے
چشم کی عین عنایت ہو تو بیمار کرے
تیغ ابرو کی نوازش ہو تو زخم حصول
شور لب زخم کو چاہے تو نمک زار کرے

(497)

پکارا قاصد اشک آج فوج غم کے ہاتھوں سے
ہوا تاراج پہلے شہر جاں دل کا نگر پیچھے
سنو میں خوں کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور باقی
چلے آتے ہیں اٹھتے بیٹھتے لخت جگر پیچھے

(498)

جو اس کے ناز و ادا ہم کو دل پذیر ہوئے
تو اس کے کاکل پر خم میں ہم اسیر ہوئے
چھوئی جو زلف ذرا اس کی ہم نے ہو گستاخ

تو غصہ ہو کے کہا تم بھی اب شریر ہوئے
نہ چھوٹا ہم سے وہ نقشہ نگہ لڑانے کا
ہے دل کی دھن تو وہی کیا ہوا جو پیر ہوئے
حقیر ہونے کی خوبی انہیں کو ہے معلوم
جو خوش نگاہوں کی نظروں میں کچھ حقیر ہوئے
بتوں کے ناز کی جب شوخیاں نظر آئیں
میاں نظیر سے جب ہم فقط نظیر ہوئے

(499)

جب اس مہ جبیں پاس ہم شب کو پہونچے
فروغ مسرت کے منصب کو پہونچے
جو دیکھی میاں ہم نے تسخیر تم میں
پری کی لگاوٹ کب اس ڈھب کو پہونچے
نگہ کی جو صہبا طلب کی تو بولا
تمہارا لب اس کے نہ مشرب کو پہونچے
تمہیں اس کی دل میں تمنا عبث ہے
یہ وہ مے نہیں جو ہم سب کو پہونچے
جو شکوہ جفا سے کرے کچھ نہ ہرگز
وہی یاں نظیر اپنے مطلب کو پہونچے

(500)

خفا ان دنوں ہم سے وہ دلربا ہے
کہیں کچھ جھنجھلا کے کہتا ہے کیا ہے
ابھی ہم تو ہو جاویں اس بت سے ناخوش
والے کیونکر ہو دل تو اس پہ فدا ہے
اسے چھیڑ کر وہ جو کھاتے ہیں جھڑکی
وہی جانتے ہیں جو اس کا مزا ہے
کسی نے کہا اس سے میکش ہے وہ تو
نظیر اب جو اے جاں تمہیں چاہتا ہے
کہا اس نے یہ سن کر او میاں تمہیں کیا
کوئی رند ہے یاں کوئی پارسا ہے

(501)

ہمیں اس نے وعدہ سے شاید چھلا ہے
کہ دن چڑھ گیا ہے اس قدر جو ڈھلا ہے
جو کہتے ہیں بوسہ ہمیں بھی ملے گا
تو اس کی زبان پہ بھلا جی بھلا ہے
کڑا وہ جو نازک ہے پہونچے میں اس کے
نزاکت کے سانچے میں کیا کیا ڈھلا ہے
جتاتا ہے کچھ ناز اس گل نے جس کو
وہی باغ الفت میں پھولا پھلا ہے
تعدی نظیر اس کی تم بھی اٹھا لو
میاں اب اسی میں تمہارا بھلا ہے

(502)

تن دیکھنے جس گل کی ہر برگ سمن نکلے
وہ سیم تن اس تن سے کس طور نہ تن نکلے
یوں زلف کے حلقے سے رخسار نمایاں ہے
جوں مار سیہ منہ میں پکڑے ہوئے من نکلے
یہ نقش ہیں چیچک کے منہ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے سے کئی چھن نکلے
دل چاہ زنخداں میں گو غرق ہوا لیکن
اب بھی وہ اگر پاوے زلفوں کی رسن نکلے
تھا میں جو نظیر اس کے دنداں کے تصور میں
جب منہ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

(503)

جو دیکھی بالیدگی ہر دم بہار حسن نگار ہم نے
تو ویسی بڑھتی کبھی نہ دیکھی کسی چمن کی بہار ہم نے
ادائیں غمزے کی ہیں جتاتی کہ فی الحقیقت اگر کسی نے
رکھا ہے دل طاق آسماں پر لیا ہے واں سے اتار ہم نے
پھنسا کے نخچیر دل ہمارا ہمیں سے کہتا ہے پھر یہ ہنس کر
کہ آج تم ہم کو تہنیت دو کیا ہے پہلا شکار ہم نے
قدم وہ گن گن ادا سے رکھنا کچھ اور مطلب نہیں مگر ہاں
غرض ہے گن گن کے دل کچلنا کیا جو دل میں شمار ہم نے

کہا جو کاکل سے دل لیے ہو کہو تو بولی وہ ہنس کے تو سو
جو پوچھا آنکھوں سے تم ہی کہہ دو تو ہنس کے بولیں ہزار ہم نے
جو زلف جھٹکے تو مکھڑا ٹپکے جو مکھڑا ٹپکے تو زلف جھٹکے
یہی دلوں کی خرابیاں ہیں جو دیکھے لیل و نہار ہم نے
نظیر چاہے جو قدر اپنی تو ایسے چنچل سے مت لگا دل
کیا ہے کتنوں کو خوار اس نے جتا دیا تجھکو یار ہم نے

(504)

کاکل مشکیں کا تجھ کوشوق بے تابانہ ہے
اے دل صد چاک سچ کہہ دل ہے تو یا شانہ ہے
کر دیا پہلے ہی ساغر ہمیں مست و خراب
ہمنشیں چشم بتاں کا بھی عجب میخانہ ہے
شمع رویوں کو تو کچھ پروا نہیں پر کیا کریں
دل جو ہم رکھتے ہیں وہ دل تو نہیں پروانہ ہے
پڑ گئی تھی ایک دن چشم گلابی پر نگاہ
اب تلک پا میں ہمارے لغزش مستانہ ہے
پھر وہ چسم مست ادھر کو میل کرتی ہے والا
یاد ہے اس کا نشہ کچھ یہ وہی میخانہ ہے
حال دل ہم نے کہا جس دم تو بولا سچ کہو
یہ کوئی قصہ نیا ہے یا کہن افسانہ ہے
اس پری رو سے چاہا پھر دل لگانے کو نظیر
کیا کہیں یہ شخص بھی کوئی عجب دیوانہ ہے

(505)

مکھڑے پہ اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
یہ تو بھبوکا وہ نہیں چھپ سکے جو نقاب سے
دل کو دوانہ کر گیا زلف کی پیچ و تاب سے
آنکھوں سے خواب لے گیا نرگس نیم خواب سے
قدر ہے وہ اس کا جلوہ گر دیدہ تر سے میرے یوں
جیسے عیاں ہو عکس سر و نہر چمن سے آب سے
اپنا کتابی رخ جو تم پھیرو ہو مجھ سے دمبدم
تم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی اس کتاب سے
سویا ہے وہ ابھی نسیم لگیو نہ اس کے تن سے تو
اور جو لگی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے
سخت عذاب تھا ہمیں ہاتھ سیدل کے رات کو
بارے وہ تم نے لے لیا چھوٹے ہم اس عذاب سے
کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک حباب سے

(506)

دیکھی نہ جدا یار کی ابرو کبھی چیں سے
یہ ہم کو توقع نہ تھی اس زہرہ جبیں سے
کیونکر نہ چمن میں ترے قامت پہ فدا ہو
ہر سرو اسی چاؤ میں نکلا ہے زمیں سے

دی سینے میں جا نقش محبت کو جو اس کے
ہم جی میں بہت شاد ہوئے دل کے نگیں سے
جب دیکھ کے ہم کو در منظر کو لیا بھیڑ
یہ بات کہی ہم نے تب اس غرفہ نشیں سے
کیوں جی تمہیں کیا عار ہمیں سے ہے یہ رکھنی
سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہاں جی تمہیں سے

(507)

آدم اک دمڑی کی ہنیا کو رہے عاجز سدا
ہم کو کیا کیا پہلوان اور گڑگڑی پر ناز ہے
غور سے دیکھا تو اب وہ یہ مثل ہے اے نظیر
باپ نے پڑی نہ ماری بیٹا ترا انداز ہے

(508)

یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد
آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیر ایک نے کل شکل وصل یار
ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہیے کیا ہوئی
جو شکل دور باش تھی روز نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

(509)

لو نہ ہنس ہنس کے تم اغیار کے گل دستوں سے
اتنی ضد بھی نہ رکھو اپنے جگر خستوں سے
فندقیں بزم میں دیکھ اس کے سر انگشتوں سے
رشتہ ربط نے لی رہ کف گل دستوں سے
روبرو ہووے نہ چشمان بتاں سے اے دل
ڈرتے ہی رہنا ہے مناسب سیہ مستوں سے
دست صیاد سے چھوٹے تو اچھل پے درپے
ورنہ کیا فائدہ اے آہوئے دل جستوں سے
پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر
کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستوں سے

(510)

ایا نہیں جو کر کر اقرار ہنستے ہنستے
جل دے گیا ہے شاید عیار ہنستے ہنستے
اتنا نہ ہنس دل اس سے ایسا نہ ہو کہ چنچل
لڑنے کو تجھ سے ہووے تیار ہنستے ہنستے
لے کر صریح دل کو وہ گلعذار یارو
ظاہر کرے ہے کیا کیا انکار ہنستے ہنستے
ہنس ہنس کے چھیڑ اس کو زنہار تو نہ اے دل
ہو گا گلے کا تیرے یہ ہار ہنستے ہنستے
ہنسنے کی آن دکھلا لیتا ہے دل کو گلرو
کرتا ہے شوخ یارو یہ کار ہنستے ہنستے

جھنجھلا کے حال دل کا کہنا نہیں روا ہے
لائق یہاں تو کرنا انکار ہنستے ہنستے
دستار سرخ کج کے طرہ زری کا رکھ کر
آیا جو دل کو لینے دلدار ہنستے ہنستے
آنکھیں لڑا کے اس نے ہنس کر نگہ کی ایسی
جو لے گیا دل آخر خونخوار ہنستے ہنستے
آیا ہے دیکھنے کو تیرے نظیر اے گل
دکھلا دے تک تو اس کو دیدار ہنستے ہنستے

(511)

بھرے ہیں اس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو ادھر موتی
کوئی بندوں سے مل کر کان کے نرموں میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی
وہ سرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اس کے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی
وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جوا ہر خانہ قدرت
ادھر لعل اور ادھر نیلم ادھر مرجاں ادھر موتی
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی
فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشک قمر موتی

جو کہتا ہوں اے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی
کڑے سونے کے کیا موتی بھی اس کے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہ ہو دیکھو ہیں یہ اس کی کفش پر موتی
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشم تر موتی
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اس کے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی
نظیر اس ریختے کو سن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

(512)

ناخوش دکھا کے جس کو ناز و عتاب کیجیے
اے مہرباں پھر اس کو خوش بھی شتاب کیجیے
جو اپنے مبتلا ہوں اور دل سے چاہتے ہیں
لازم نہیں پھر ان سے رکیے حجاب کیجیے
بیٹھے جو شام تک ہم بولا وہ مہرباں ہو
جو خواہشیں ہیں ان کا کچھ انتخاب کیجیے
ہم نے نظیر ہنس کر اس شوخ سے کہا یوں
ہیں خواہشیں تو اتنی کیا کیا حساب کیجیے
موقع کی اب تو یہ ہے جو وقت شب ہے اے جاں
ہم بیٹھے پاؤں دابیں اور آپ خواب کیجیے

(513)

گئے ہم جو الفت کی واں راہ نے
ارادے سے چاہت کے آگاہ کرنے
کہا اس نے آنا ہوا کس سبب سے
کہا آپ کے دل کو ہمراہ کرنے
بٹھایا اور اک چٹکی لی ایسی جس سے
لگے منہ بنا ہم وہیں آہ کرنے
جو یہ شکل دیکھی تو چٹکی بجا کر
کہا یوں نظیر اور لگا واہ کرنے
میاں ایک چٹکی سے کی آہ رک کر
اسی منہ سے آئے ہو تم چاہ کرنے

(514)

پہلے ہی جو بتوں کی گھاتیں شمار کرتے ہیں
تو ہم سے دل یہ لے کر کاہے کو عار کرتے ہیں
اے دل تجھے تو ہم نے اکثر جتا دیا تھا
واں دام زلف ہر دم ہیں آشکار کرتے ہیں
جو آ گیا ادھر کو نخچیر دل تو پھر وہ
اک آن میں ہیں اس کو اپنا شکار کرتے ہیں
سمجھتے تلک اشارت کی تو بھی تو نہ سمجھا
غافل تجھے کہاں تک ہم ہوشیار کرتے ہیں

جب دل نظیر بولا ہوتا تو اس طرح تھا
کیا حاصل اب جو مجھ کو ہو شرمسار کرتے

(515)

سحر کو نکلے تھے سیر کرنے جو ہمدم اک دن ہم اپنے گھر سے
تو ایک گورا وہ شوخ دیکھا رخ اس کا بہتر رخ سحر سے
جو ہم کو دیکھا کیا تبسم بہت ہوئے خوش ہم اپنے دل میں
کہا نہ منہ سے کہ آؤ بیٹھو مگر اشارت کیے نظر سے
ہمیں بھی کچھ کچھ تھی رمز فہمی جو دلبروں سے ملے تھے اکثر
سمجھ اشارت نگہ کی بیٹھے بہت ادب سے ذرا حذر سے
کہا تمہارے ہے کیا ارادہ کہا یہ ہم نے ارادہ کیا ہے
مگر گھڑی دو گھڑی ہیں ملتے پری رخان کرشمہ گر سے
یہ سن کے اس نے نظیر ہم کو دکھائی ایک آن ایسی ہنس کر
کہ بیٹھے دیکھ اس ادا کو ایسے کہ نہ سر سے ہم اس کے در سے

(516)

کی اس صنم نے جس دم ہم پر نگاہ دل سے
ہم نے بھی اس نگہ سے کی اس کی چاہ دل سے
چاہت ہماری اے جاں تم ظاہری نہ سمجھو
ہم چاہتے ہیں تم کو اے رشک ماہ دل سے
جب دیکھتے ہیں اس کی طرز خرام یارو

ہم ہر قدم پہ کیا کیا کہتے ہیں واہ دل سے
بن دیکھے اس پری کے بے تابیاں ہماری
گھیرے ہیں گاہ جی کو لپٹے ہیں گاہ دل سے
باتیں ہمارے دل کی کہدیں نظیر اس نے
ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

(517)

ہے زلف خوش جو ایسی اور ہے وہ بند دل کی
کیا کہیے بے وقوفی اس خود پسند دل کی
ہجراں نے جس کو ہمدم مجبور کر دیا ہو
جز وصل پھر دوا کیا اس درد مند دل کی
دشنام اس کی لب کے کھائے جو ہیں مکرر
اب گر گیا ہے یارو نظروں سے قند دل کی
جتنا چھوڑایا اس سے اتنا ہی جا کے لپٹا
کرتی ہے کچھ یہ صورت چاہت میں پند دل کی
نکلی نظیر ہرگز حلقے سے پھر نہ گردن
ایسی ہوئی وہ پرخم کاکل کمند دل کی

(518)

کوچے میں اس کے اکثر کہتے ہیں یاں سے اٹھیے
پر ہم سے دل کہتا ہے مت خوف جاں سے اٹھیے

کہنے سے غیر کے تو ہم کب اٹھیں گے یارو
جب تک نہ وہ کہے گا اپنی زباں سے اٹھیے
بیٹھ اس کے پاس ہم نے ٹک چھو لیا جو زانو
ہنس کر کہا یہ اس نے اب آپ یاں سے اٹھیے
رہ دیر میں تو اے دل مت یاد خانقہ کر
واں بیٹھیے نہ ہرگز پھر جس مکاں سے اٹھیے
دیں دے چکے تھے پہلے دے بیٹھے دل نظیر اب
کس زندگی کی خاطر کوئے بتاں سے اٹھیے

(519)

لیجیے یہ دل نہایت اچھا ہے
کیا بیاں کیجیے اس میں کیا کیا ہے
اور کو کیا خبر وہی جانے
ہم نے جس ڈھب سے اس کو دیکھا ہے
الفت غیر ہم پہ ٹھہرا کر
رات دن اب اسی کا چرچا ہے
ایک دل تھا سو دے چکے تم کو
ہم پہ یہ اتہام بے جا ہے
منہ دکھاتے نظیر رکتے نہیں
یہ بھی کچھ اور ہی تماشا ہے

(520)

وہ مہ جبیں جو آیا شب کو ہمارے آگے
اس لطف سے ہمارے سوتے نصیب جاگے
جلتی نہ ہو کے گریاں تو یاں اگر نہ ڈھلتی
دشمن ہوئے ہی تیرے اے شمع تن کے تاگے
ہم مستقل تھے دل میں مس کی طرح نہایت
چکر دیا یہ تو نے اے چاہ سے سہاگے
دکھلائی اس نے کیا کیا ابرو کی تیغ پر ہم
نظریں رہے لڑاتے اور اک قدم نہ بھاگے
تم تو نظیر مکرے اور ہم نے کل یہی دیکھا
تھے تم تو پیچھے پیچھے وہ شوخ آگے آگے

(521)

کب آہ وہ کر سکتے ہیں دل کی چپشوں سے
صحبت ہے جنہیں حسن کے نازک منشوں سے
کر چرب زباں سے نہ پریوؤں کی تسخیر
یہ لوگ جو ملتے ہیں تو دل کی کششوں سے
ہے آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم
کل سر کو ٹپکنا ہے چمن کی روشوں سے
خوباں تو چلے ہم سے چلن ناز کے لیکن
چھیڑا ہے انہیں ہم نے بھی کن کن روشوں سے
مدت میں نظیر اس نے کیا دل کے تئیں قتل
صد شکر کہ ہم آج چھٹے سب خلشوں سے

(522)

بے کام جس کے دل و اس زلف عنبریں سے
کب ہو وہ چیں بہ برو ایک آن اس کی چیں سے
چمکے ہے چاندنی میں جب شوخ کی انگوٹھی
مہتاب میں ہیں گویا الماس کے نگیں سے
تھا خواب میں جو اک شب ہم نے پری کو دیکھا
تعبیر اس کی پوچھی جب ایک پیش بیں سے
سن کر کہا یہ اس نے ظاہر ہے جو تمہارا
دل ان دنوں میں اٹکے اک شوخ مہ جبیں سے
باتیں نظیر جس کی ہوں قند سے زیادہ
دشنام اس سے بہتر ہوں کیوں نہ انگبیں سے

(523)

کل سنا ہم نے یہ کہتا تھا وہ اک ہمراز سے
دیکھتا تھا مجھ کو آج اک شخص عجب انداز سے
وہ نیاز و عجز تھا اس کی نگہ سے آشکار
جس طرح طائر کسی جا تھک رہے پرواز سے
تو جو واقف ہو تو جا اس کو بلا لا جلد یاں
میں تسلی دوں اسے کچھ شرم سے کچھ ناز سے
ہے مرا دل اس سے ملنے کو نہایت بے قرار
سن کے وہ ہمراز بولا اس بت طناز سے

میں تو اس کو جانتا ہوں نام ہے اس کا نظیر
اور خبر ہے مجھ کو اس کی چاہ کے آغاز سے
تم ہو سادے مہرباں اس کو بکھیڑے یاد ہیں
اور سوا اس کے مرا ڈرتا ہے جی غماز سے
سن کے یہ ہمراز سے اس نے کہا ہنس کر میاں
کچھ بھی ہو ہم تو ملیں گے اس بکھیڑے باز سے

(524)

ہم دل نہ دیں گے ہنس کر بولا یہ کیا سخن ہے
ہم نے کہا حضرت اس ن کہا کہ سن ہے
اب نہ دل دیویں اپنا یا دیویں اس صنم کو
ہر آن اب اسی کی جی میں ادھیڑ بن ہے
کاکل ہیں اس پری کے حسرت فزائے سنبل
رخ رونق چمن ہے قدر شک سروبن ہے
اب تک نظیر کیا کیا بھرتا ہے چاہ کی دم
ہر چند مدتوں سے قد خم ہے اور کہن ہے
مانا ہے جو پری رو دیکھے ہے وہ بدو ہو
گو پیر ہے پر اب بھی دل میں یہ اس کے دھن ہے

(525)

پھڑکتی چشم ہے اور شوق بیتابی جتاتا ہے

خوشی سے جاں بھی اور دل بھی نہیں پھولا سماتا ہے
نگہ بھی لحظہ لحظہ سوئے در آتی ہے گھبرا کر
خیال گوش بھی ہر دم طرف کھٹکے جاتا ہے
نجومی خود بخود آ کہہ گیا خوش وقتیاں ہوں گی
ادھر کچھ زاغ بھی پیام صدا اپنی سناتا ہے
شگوں جتنے جہاں میں ہیں معین شاد ہونے کے
ہر اک آن سے بھی ہر ساعت بروئے کار آتا ہے
تو ہم مضطرب ہو دوڑتا ہے دمبدم کہہ کر
چلیں دیکھیں کوئی تو حلقہ اور کھٹکھٹاتا ہے
نگار خوشدلی کرتا ہے وابند نقاب اپنا
طرب سے دست عشرت بھی تکدر کو مٹاتا ہے
نظیر ایسی تو باتوں سے عیاں ہے یہ کہ وہ گلرو
کوئی دم یا کوئی پل میں ابھی تشریف لاتا ہے

(526)

رکھیں نہ کیونکر ہم اپنے کنارے دل کی خوشی
ہمیں تو چاہیے اے جاں تمہارے دل کی خوشی
ہمارے دل کے نہ ہاتھ آنے سے جو ناخوش تھے
لیا وہ تم نے ہوئی اب تو بارے دل کی خوشی
یہ تم جو دیتے ہو دشنام اور جھڑکتے ہو
نہ سہتے ہم جو نہ ہوتی پیارے دل کی خوشی
نہ چھنتے چشم کی ایما سے زلف میں ہرگز

اگر نہ ہوتی ہمیں کچھ اشارے دل کی خوشی
گلہ نہ آنے کا سن کر کہا نظیرؔ اس نے
نہ آئے ہم تو نہ آئے ہمارے دل کی خوشی

(527)

کچھ نہ دیکھا میں نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اب مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے
پنجہ خورشید بھولا تھا ید بیضا کا رشک
پھر وہی رشک اس کو آیا یاد تیرے ہاتھ سے
زخم کھایا ہم نے منہ پر جب تو قاتل نے کہا
اپنے چہرے پر ہوا یہ صاف تیرے ہاتھ سے
کھولی ناخن سے رگ دل تو نے اے فضا جاں
یہ نیا نشتر ہوا ایجاد تیرے ہاتھ سے
صدی کیا تو نے تو مارا دل پہ صیادوں کے ہاتھ
ہاتھ ملتے ہیں غرض صیاد تیرے ہاتھ سے
ہاتھ ٹوٹیں تیرے گل چیں تو نے کیوں توڑے یہ گل
حیف کیا گلشن ہوا برباد تیرے ہاتھ سے
تو نے چنگل سے چھڑایا یار کا دامن نظیرؔ
ہم ہوئے جی میں نہایت شاد تیرے ہاتھ سے

(528)

دل جب بندھا ہمارا اس زلف کی رسن سے
کس کس طرح کی بندش دیکھی شکن شکن سے
شبنم نے زیب جیسا پایا ہے گل سے ہمدم
لی پیرہن نے زینت ویسی ہی اس کے تن سے
ہر چند منہ پہ اپنے لاتا نہیں ولیکن
تہ تہ میں تنگی ہے غنچے کو اس دہن سے
کل چھو لیا جو ہم نے ٹک دامن اس صنم کا
نزدیک ہو کے کچھ کچھ اپنے کسی جتن سے
پھولے خوشی سے ایسے جو دل نظیر بولا
ایسا نہ ہو جو نکلو آغوش پیرہن سے

(529)

دل لینے کے اوروں کو ہنر کیا نہیں آتے
پر جو تمہیں آتے ہیں وہ اصلا نہیں آتے
بازی گریاں ہم تو بہت کرتے ہیں لیکن
محبوب کبھی بہرتماشا نہیں آتے
ہم حال تو کہہ سکتے ہیں اپنا پہ کہیں کیا
جب وہ ادھر آتے ہیں تو تنہا نہیں آتے
وعدہ تو کیا ہے کہ ہم آئیں گے پر ان کو
حیلے جو ہیں جل دینے کے کیا کیا نہیں آتے
جب ہم نے نظیر اس سے کہا آیئے ٹک یاں
سن کر تب اک آن سے بولا نہیں آتے

(530)

غنچے کا منفعل ہے اس کے دہن دہن سے
گل کا بھی شرمگیں ہے کیا کیا بدن بدن سے
سج دھج کی ہم نے اس کی تعریف کس طرح ہو
حیرت میں ہے پری کا جس کے بدن بدن سے
دیکھی جو زلف ہم نے آئیں نظر میں کیا کیا
چینوں سے چینیں باہم یک جا شکن شکن سے
تم نے جو ڈھب نکالے ہم نے بھی فن جتائے
ہم یہ تمہارے اے جاں سیکھے چلن چلن سے
یہ حسن ہے نظیر اب بازار میں ہیں بیٹھے
گل شوق رخ میں اس کے آ کر چمن چمن سے

(531)

دل اپنا جو ہم عاشق اس کا کریں گے
تو دھن ہے کہ ہرگز نہ افشا کریں گے
مناسب نہ ہو گا جو منہ دیکھنا واں
تو پھر ڈھب سے کچھ اور نقشا کریں گے
نظیر ایک دن بازیگر لے بن کے ہم نے
کہا ہم بھی یاں کچھ تماشا کریں گے
تو بولا ہمیں یاد ہے وہ تماشے
کہ تم کو گھڑی بھر میں شیدا کریں گے

جنوں میں تماشے جو کچھ تم سے ہوں گے
ہم ان کو سب ہنس ہنس کے دیکھا کریں گے

(532)

سہی گو کہ جھڑکی نرالی نکالی
جو سہ لی وہ جھڑکی تو گالی نکالی
ذرا دل نہ گوری جبیں کی جو چیں سے
تو خونخوار کاکل نے گالی ؟ نکالی
کھڑے ہو کے جب زلف کھولی تو گویا
صنوبر نے سنبل کی ڈالی نکالی

(533)

جو میخانے میں جا کر ایک جام مے پیا ہم نے
تو جس جا خشت پائے خم تھی واں سر رکھدیا ہم نے
اٹھائے ناز خوباں کے بہاریں حسن کی دیکھیں
مزا دشنام اور بوسے کا بھی اکثر لیا ہم نے
بنا کر چاہ میں چہرے کی رنگت کو برنگ زرر
بھلا کر یاد میں سونا یہ سیکھی کیمیا ہم نے
کبھی زلف پری زادوں کے دامن سے لگے جا کر
کبھی ان کی تعدی سے گریباں کو سیا ہم نے
لے روٹھے ' ہنسے روئے پھرے بیٹھے ڈرے ' سنبھلے

نظیر اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

(534)

یہ میکشی ہو بھلا کس لے نمط زمیں کے تلے
کب اس شراب کی ملتی ہے بط زمیں کے تلے
رقم ہیں اور یکسر عیاں مگر ہیں گے
زر دفینہ کے حرف و نقط زمیں کے تلے
یہ رسم نامہ نویسی تو جیتے جی تک ہے
وگرنہ لکھتا ہے پھر کون خط زمیں کے تلے
نہ نکلے رہ کے کوئی جس جگہ سے حشر تلک
سو وہ مکاں تو ہے یارو فقط زمیں کے تلے
نہاتے دھوتے جواب میں ہیں سو بعد مرگ کہاں
اگرچہ کتنے ہی جاری ہیں شط ع زمیں کے تلے
محرف اور برابر تو ہیں یہیں یارو
قل کو کون لگاتا ہے قط زمیں کے تلے
یہ دھومیں چہلیں جو زیر فلک عیاں ہیں نظیر
جو چاہو پھر یہ ملیں سب غلط زمیں کے تلے

(535)

تم سے ہم اے حسن کے سردار رخصت ہو چلے
مدتوں میں دیکھ کر دیدار رخصت ہو چلے

چاہتا تھا دل تو یوں رہتے تمہارے پاس ہم
پر فلک کے ہاتھ سے ناچار رخصت ہو چلے
آ گئے تھے سیر کرتے تم کو دیکھا خوش ہوئے
اب خدا حافظ ہے ہم اے یار رخصت ہو چلے
کیوں نہ لالے کی طرح دل ہو ہمارا داغدار
کس مزے میں چھوڑ کر گلزار رخصت ہو چلے
گل رخوں کی بزم میں کیا بیٹھتے ہو اے نظیر
تم بھی رخصت ہو کہ اب سب یار رخصت ہو چلے

(536)

نہیں آئے کل سے جو تم ادھر اسے کیا خیال میں لائیے
جو کچھ عذر ہو تو بیان کرو نہیں جیسے آئے تھے آئیے
کہا جب کہ ہم بھی بولیے تو بنا کے منہ کہا غیر سے
یہ سخن ہے سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منہ نہ لگائیے
لگے جب بچھانے بساط ہم گلی اس کی میں تو کہا میاں
یہ جو دام یہاں پہ بچھاتے ہو اسے جلد یاں سے اٹھائیے
وہ نگار گل رخ و غنچہ لب جو گلے سے آ کے لگے تو پھر
یہ شگفتگی ہو بہ رنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمائیے
یہ وہ ہاتھ ہیں کہ ستم کریں یہ بہار ان کی عجب ہو جب
کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا ان میں خوب رچائیے
جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمہیں پاس اپنے بٹھائیں گے
نہیں لائق اس کے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

جو ہیں آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنے ہنس کے کہا کہ ہاں
تمھیں لائی اپنی کشش ادھر اجی آیئے اجی آیئے

(537)

دل اس کی زلف میں پھنس کر یہ خوش دلی تو لے
کہ جب صبا سے ہلے وہ تو اس میں تو جھولے
نشہ ہے اس کو بہت وقت ہے ابھی اے دل
میں اس کے چوم لوں منہ تو زلف کو چھولے
جو وہ بدو ہو دل اس کے بتو کیونکر ہو جاں بر
بچے جو تیر نگہ سے تو تیغ ابرو لے
ہے اس کی چشم سیہ وہ کہ دیکھ کر اس کو
مقام حلقہ حیرت میں چشم آہو لے
ہنسی ہنسی میں دل اپنے کو مفت کھو بیٹھے
میاں نظیر بتوں کے تپاک پر پھولے

(538)

نہ دیں گے ہم دل اور تم ہو کہتے وہ زبردستی
نہ صاحب ہم نہیں راضی مگر لے لو زبردستی
جو تم زور آوری کرتے ہو ہم سے دل لگانے میں
کسی نے دل لگایا ہے کہیں لوگو زبردستی
ہمیں کچھ مدعا ہوتا تو آپ ہی بیٹھتے اس جا

تمہیں کچھ ہے غرض جب تو بٹھاتے ہو زبردستی
بتاں دست حنا بستہ یہ کرتے ہیں جسے مائل
وہ جانے ہے کریں ہیں اس پہ ہیں جو جو زبردستی
کہاں تک دل نہ دیوے وہ کہ ہر دم جس کے پاس اے جاں
بنا کر حسن تم ہنس ہنس کر آ کر بیٹھو زبردستی
نہ ہوتے ہم تو مل کر تم سے بے بس اس قدر لیک
کریں کیا جب تمہیں آپ ہی سے آ لپٹو زبردستی
جو محبوبوں سے دل مانگیں تو جھڑکیں اور بٹھا رکھیں
نہ دل دیویں نہ گھر جانے دیں یہ دیکھو زبردستی
کریں حجت تو کہتے ہیں خوشی سے کیا دیا تھا دل
ارے ناداں لیا ہے گا وہ ہم نے تو زبردستی
نظیر اب تو تمہارے بس میں ہے کچھ کہہ نہیں سکتا
کرو جو ہو سکے تم سے زبردستو زبردستی

(539)

جو تم نے پوچھا تو حرف الفت بر آیا صاحب ہمارے لب سے
سو اس کو سن کے ہوئے خفا تم نہ کہتے تھے ہم اسی سبب سے
نہ دیتے ہم تو کبھی دل اپنا نہ ہوتے ہرگز خراب و رسوا
ول کریں کیا کہ تم نے ہم کو دکھائیں جھمکیں عجب ہی چھب سے
وہ جعد مشکیں جو دن کو دیکھے تو یاد اس کی میں شام ہی سے
یہ پیچ و تاب آ کے دل سے الجھے کہ پھر سحر تک نہ سلجھے شب سے
لگائی فندق جو ہم نے اس کی کلائی پکڑی تو ہنس کے بولا

یہ اٹکل پہنچے کی یاں نہ ٹھہری بس آپ رہیے ذرا ادب سے
کہا تھا ہم کچھ کہیں گے تم سے کا تو ایسا کہ ہم نہ سمجھے
سمجھتے کیونکر کہ اس نے لب سے سخن نکالا کچھ ایسے ڈھب سے
ہوس تو بوسے کی ہے نہایت پہ کیجیے کیا کہ بس نہیں ہے
جو دست رس ہو تو مثل ساغر لگاویں لب کو ہم ان کے لب سے
کسی نے پوچھا نظیرؔ کو بھی تمہاری محفل میں بار ہو گا
کہا کہ ہو گا وہ بولا کب سے کہا کبھو کا کبھی نہ اب اس سے

(540)

قدم پہ نقد دل اپنا رکھ دیں جو اس طرف بھی ہو جلوہ سازی
تمہیں تو پروا نہیں ولیکن ہماری اس میں ہے سرفرازی
مقابل اس چشم کے ہوں کیونکہ دیتی فرصت نہیں ہے پل بھر
ادھر نگاہوں کی ترکتازی ادھر کو مژگاں کی نیزہ بازی
جو حال دل کا کبھی ہیں کہتے تو وہ ہی باتیں ہے سن کے کہتا
یہ خوبی ہم تو سمجھتے اس کو جو تم نہ کہتے یہ این درازی
کہا یہ ایک شمع رو نے شب کو کہ ہم کو چاہو تو ہم یہ بولے
وہ دل کو تم سے لگاوے صاحب کہ جس کو لینی ہو دل گدازی
جو ایک دلبر سے دل چھڑایا تو دوسرے سے وہیں لگایا
نظیرؔ ہم تو رہیں خوشی سے جو چین لینے دے عشق بازی

(541)

بوسہ لب سے ہمیں ہم خوش کیجیے
پھر ہمیں دل چاہے سو کہہ لیجیے

ہے تمہیں اے جاں مرے سر کی قسم
آج تو ایک ساغر مے پیجیے

قابل محفل ہمیں سمجھو اگر
تو کبھی آنے ہمیں واں دیجیے

جیب لے تو پھاڑا مرا دلدار نے
فائدہ کیا ہے اسے جو سیجیے

صبح کو تم پاس آیا ہے نظیر
اور جو لڑتا ہے تو لڑ لیجیے

(542)

جلد آؤ اگر تم کو مری خواہش خوں ہے
کچھ دیر نہیں لگنے کی یاں صید زبوں ہے

عشاق سے ملنے کو عبث پوچھو ہو ساعت
جب دل ادھر آ جاوے وہی نیک شگوں ہے

جب میں نے کہا تم مجھے پہچانتے ہو گے
میں وہ ہوں کہ مدت سے جسے شوق دروں ہے

یہ سن کے نظیر اس نے کہا کہتا ہے کس سے
ہیں یہ بھی کوئی زور تماشے کا فسوں ہے

ہم تیری تو صورت سے بھی واقف نہیں ہرگز
اے شخص تو بے عقل ہے یا تجھ کو جنوں ہے

(543)

بھولتی دل سے نہیں ہوش ربائی تیری
دلبری عشوہ گری جلوہ نمائی تیری

کیوں نہ پہروں میں تکوں اب تیرے مکھڑے کی طرف
کیا کروں مجھ کو یہ صورت ہے خوش آئی تیری

مہ کی صورت مجھے آ گے تیرے کب خوب لگے
اس کے چہرے سے تو صورت ہے سوائی تیری

آنکھ جوں آئینہ رہ جاتی ہے پریوں کی کھلی
جب نظر آتی ہے مکھڑے کی صفائی تیری

ہے تو مختار جو کچھ چاہے سو کر ناز غرور
کشور دل میں پھری اب تو دہائی تیری

کل جو گلشن میں گیا میں کہ ذرا غم بھولے
واں بھی ہر گل نے مجھے یاد دلائی تیری

سونگھا ایک گل کو جو ہیں میں نے تو اس میں بھی وہیں
اے مرے غنچہ دہن بو مجھے آئی تیری

غم میں مرتا تھا نظیر اس کو جلایا تو نے
جان کس منہ سے کہوں اب میں برائی تیری

(544)

سب ٹھاٹھ ہے یہ ایک بوند سے قدرت کی بنا ہے
یاں اور کسی کی نہ منی ہے نہ منا ہے

بالفرض اگر ہم ہوئے حوا کے شکم سے
آدم کے تئیں دیکھیے وہ کس کا جنا ہے
یاں لوگ دولھا کے قصے میں پھنسے ہیں
واں اور بنت ہے نہ بنی ہے نہ بنا ہے
حکمت کا الٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل یہ بقا ہے یہ فنا ہے
لے عرش سے تا فرش جو روشن ہے طلسمات
ی نور سب اس نور کی چھلنی سے چھنا ہے
ہم کچے سے کچا اسے سمجھے ہیں وگرنہ
اس دیگ کے چاول میں کنی ہے نہ کنا ہے
ماننا بھی غرض کا ہے لڑائی بھی غرض کی
نہیں اور کسی سے کوئی روٹھا نہ منا ہے
حاجت نہ بر آئی تو وہیں کرنے لگے ہجو
اور ہو گیا مطلب تو وہیں وصف و ثنا ہے
یا بس کہیں مرطوب کہیں گرم کہیں سرد
مصری میں کہیں زہر ، ہلاہل میں سنا ہے
ایک اس کی دوا کچھ نہیں جاتی نظیر آہ
کچھ زور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

(545)

سر سبز رکھیو کشت کو اے چشم تو مری
تیری ہی آب سے ہے بس اب آبرو مری

گو میں جفا سے مر گیا رک رک کے روسیاہ
پر شکر ہے وفا تو ہوئی سرخ رو مری
اس کی جبیں پاک پہ اس دم تک اے نسیم
کافر ہوں گر پڑی ہو نظر بے وضو مری
بل کھا کے زلف کان میں اس کان حسن کے
پھونکے ہے پردے پردے میں کچھ مو بہ مو مری
مر گیا تھا زہر جو کھا کر تو اس لیے
یعنی وہ شاد ہو کہ مٹی پاؤ ہو مری
سو تو نے میرے غم میں رلایا اے فلک
اے رو سیاہ یہ تو نہ تھی آرزو مری
پہروں تلک بکا میں پہ اس شوخ نے نظیر
ایک چٹکی میں اڑا دی وہ سب گفتگو مری

(546)

تن لے دیکھ کے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے
وہ سیم تن اس تن سے کس طرح نہ تن نکلے
ہیں خال سر کاکل یا ڈالیاں سنبل کی
چرنے کے لیے شب کو آہوئے ختن نکلے
ہم درج گہر اپنے سینے میں سمجھتے تھے
جب روئے تو آنکھوں سے لعل یمن نکلے
آنے کی قسم کھا کر پھر منہ بھی نہ دکھلایا
سادہ جنہیں سمجھے تھے سو ان میں یہ فن نکلے

اب روئے الفت کو یا ٹھونکیے قسمت کو
جو قول کے پورے تھے وہ عہد شکن نکلے
تھا میں جو نظیر اس کے دنداں کے تصور میں
جب منہ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

(547)

ہمیں اس غنچہ لب کی بات کیا دل سے لگی پیاری
کہ جس کو بے کلی یعنی ہو وہ ہم سے کرے یاری
جو دل کے لینے والے ہیں وہ لے ہی جاتے ہیں آخر
دھری رہتی ہے سب اپنی نگہبانی و ہشیاری
کیا ہم نے یہ استفسار اس سے یعنی اب ہم پہ
کسی کے کہنے سننے سے یہ رہتی ہے ستمگاری
اگر کہنے سے ہو تو کچھ کریں تدبیر ہم اس کی
وگر اپنی ہی مرضی ہے یونہی تو خیر لاچاری
مکدر ہو گیا لیتے ہی دل کے یک بہ یک ہم سے
نظیر اس آئینہ رو نے تو کی یہ صاف عیاری

(548)

اظہار ہم بھی کرتے احوال دل فگاری
شرم وفا گر ایک دم دیتی زباں کو یاری
جن میں فریب و فن کی سو پختہ کاریاں ہیں

ہم ان میں مبتلا ہیں اے وائے خام کاری
شکوہ فرامشی کا کیا ان سے کیجیے جن کو
صورت ہی بھول جاوے پھر کیسی یادگاری
یک بار ملتے ملتے رک جاؤ تم تو اے جاں
دل بستگاں کی پھر ہو کیونکر نہ اشک باری
وعدے پہ گل رخوں کے مت کھا فریب اے دل
ان کے قرار میں ہیں صد خار بے قراری
لیتی ہے ہم سے بدلہ صبح حشر اس کا
جو شام مو میں ہم نے کی تھی سیاہ کاری
گر کر نظیر ہم اس محبوب کی نظر سے
ایسے ہوئے ہیں ہلکے جو زندگی ہے بھاری

(549)

جس وقت خواب ناز سے وہ چشم وا ہوئی
صد خستہ نہ خفتہ کی حاجت روا ہوئی
لابوئے گل نہ کلبہ احزاں میں اے نسیم
یہ کب ہماری روح کی راحت فزا ہوئی
یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد
آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیر ایک نے کل شکل وصل یار
ہم نے کہا یہ اس کہ کیا کہیے کیا ہوئی
جو شکل دور باش تھی روز محنت کی

اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

(550)

بتا کے منہ جو سراسر ہمیں برا کہیے
تمہارا ہم نے بگاڑا ہے کیا بھلا کہیے
غرض تھی چاہ سے ہم کو سو ہم نے کی آگے
گناہ اس کو سمجھ لیجیے خطا کہیے
وفا جو ہم میں ہے کم سیکڑوں میں نکلے گی
اگر ہزار طرح ہم کو بے وفا کہیے
صریح خوش تھے ہمیں دیکھ کر ہوئے ناخوش
یہ اختلاط میں ہے کون سی ادا کہیے
جو چاہے آپ کو دل سے اسے خفا کیجیے
یہ ناروا ہے محبت میں یا روا کہیے
رہو خوشی سے تم اپنی تو ہے مراد مری
تمہارے دل کا جو کچھ ہو وہ مدعا کہیے
ہم آویں جاویں بھلا کیا خوشی سے آپ کے پاس
نہ جا نکالیے لب سے کبھی نہ آ کہیے
جو لے گئے دل کو کریں رات دن ستم گاری
تو منصفو انہیں پھر کچھ نہ کہیے کیا کہیے
گلے کی داد نزاکت سے دیتے ہم بھی نظیر
پر اس صنم کا ہے نازک مزاج کیا کہیے

(551)

ہم اطوار تاسف سے نہ کرتے آج جانکاہی
گر اس بے درد کے طرزوں سے ہوتی کچھ بھی آگاہی
خیال شوخی چشم ہے اس کا اپنے دیدہ تر میں
پھرے ہے یوں کہ جیسے ہو شناور بحر میں ماہی
ہم اس کو بادکش بھی جھل نہیں سکتے ہیں اس ڈر سے
کہ ہے وہ رمز فہم اور اس میں ہے طرز ہوا خواہی
نہ کر پہلو تہی اس کے جفا و جور سے اے دل
مزا کیا عشق کے آفات کا جب عافیت چاہی
بتوں کو دل دیا تھا تو نے اب دیں کو بھی دے بیٹھا
ارے کچھ تو خدا سے ڈر نظیر اتنی بھی گمراہی

(552)

غفلت میں جو رہا وہ نہ بھولے تو کیا کرے
فربہ جسے کیا وہ نہ پھولے تو کیا کرے
گل سے کوئی کہے کہ شگفتن سے باز آ
اس کو تو پھولنا ہے نہ پھولے تو کیا کرے
جو ناقبول شے کے بنایا قبول ہو
پھر اس کو وہ بھلا نہ قبولے تو کیا کرے
لڑکے کو دیں جو مہد میں مادر پدر سلا
لاچار پھر وہ اس میں نہ جھولے تو کیا کرے

جس فیلباں کو حکم ہو سردار کا نظیر
پھر وہ غریب ہاتھی نہ ہو لے تو کیا کرے

(553)

اس رشک مہ کے منہ پہ وہ مشکیں جو خال ہے
ایسا تو خال خلق میں اب خال خال ہے
اے مردمان چشم بتاں یہ وہ خال ہے
تم سب کے آج خال کو یاں جائے حال ہے
کیا دام زلف چاہیے جس جا پہ خال ہے
دانا کے واسطے تو یہ دانہ ہی جال ہے
اس مہ جبیں کے گوشہ ابرو میں خال ہے
جیسا وہ نیمچہ ہے یہ ویساہی ڈھال ہے
مکھڑے پہ اس کے گرچہ بناوٹ کا خال ہے
اصلی کو پر یہ حسن بنانا محال ہے
جس منہ پہ جوش حسن سے تل بھر بھی جا نہ ہو
واں تل بھی آ پڑے تو یہ تل کا کمال ہے
اس خال کے فراق میں اپنے جگر کا آج
وہ حال ہے جو چاند کے سینے کا حال ہے
خوبی میں اس کی چشم سلیمانی کہیے آہ
نیلم ہے یا کہ مردم چشم غزال ہے
اب کس سے اس کے خال کو تشبیہ دیں نظیر
کافر یہ روسیہ تو کوئی بے مثال ہے

(554)

اب تو ہر لحظہ وہ بے درد ستاتا ہے مجھے
بے نہایت ستم و ظلم دکھاتا ہے مجھے
جاگتا ہوں تو یہ کہتا ہے کہ جا سو بھی کہیں
اور جو سوتا ہوں تو ٹھوکر سے جگاتا ہے مجھے
جس طرح جلتی ہے فانوس میں شمع محفل
اس طرح پردے ہی پردے میں جلاتا ہے مجھے
خوش نصیبی مری الفت کی تو دیکھو یارو
یاد کرتا ہے جسے میں وہ بھلاتا ہے مجھے
شوق دیدار ہے یا جذبہ الفت ہے غرض
کوئی تو ہے جو کھینچے لیے جاتا ہے مجھے
آج وہ خاک نشیں ہوں میں کہ جوں نقش قدم
ہر کوئی پاؤں کی ٹھوکر سے مٹاتا ہے مجھے
عشق میں اس کے نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں نظیرؔ
ایسی مشکل ہے کہ کچھ بن نہیں آتا ہے مجھے

(555)

یہ کس نے آج چمن میں قبا اتاری ہے
کہ جس کی ہر بو ایک گل کو بے قراری ہے
تو وہ ہے گل کہ ہمیشہ قدم قدم پہ ترے
چمن نے باغ میں سو سو بہار واری ہے

ترا میں حسن زلیخا سے پوچھ آتا جان
تو کیا کروں کہ وہ تشریف لے سدھاری ہے
نہ برق میں ہے نہ سیماب میں نہ شعلے میں
الٰہی دل کو کہاں کی یہ بے قراری ہے
نظیر ابروئے مژگاں کو اپنا دل دے ڈال
نہیں تو دم میں میاں پھر چھری کٹاری ہے

(556)

لینے کو ہم آئے ہیں دل زار کسی سے
کچھ اور نہیں حجت و تکرار کسی سے
اب خیر اسی میں ہے کہ دے ڈالیے دل کو
تا مفت نہ ہو قصہ و پیکار کسی سے
ہم اپنی ہی خوبی سے نہیں بولے ہیں ورنہ
ہوتا خلش اب تک تو کئی بار کسی سے
اقرار جو کر کے کوئی مکرے تو وہ جانے
ہم نے تو کیا کچھ نہیں اقرار کسی سے
سب جانتے ہیں دل کے تئیں مفت لیا
بوسے بھی نہیں پائے ہیں دو چار کسی سے
کیا وجہ نہ دینے کی کوئی منہ سے تو بولا
تو ہم بھی نہ ہوں دل کے طلب گار کسی سے
یہ سن کر نظیر اس نے کہا سنتے ہو یارو
ہم کو تو عداوت نہیں زنہار کسی سے

سو آپ میں اس مکر کو رہوں خوب سمجھتا ہوں
اس پہ تو نہ بولے میری بیزار کسی سے

(557)

جلد اتنا نہ چل او جلوہ دکھانے والے
ہیں نقاہت زدہ پیچھے ترے آنے والے
وائے غفلت جنہیں ہے فکر جراحت درپیش
ہم انہیں سمجھے ہیں مرہم لگانے والے
جرم میں چاہ کے جو چاہو سو کہہ لو صاحب
شرم سے ہم نہیں اب سر کو اٹھانے والے
یک سر مو نہ پریشان تو ہو اے کاکل یار
ہم ترے دام میں آ کر نہیں جانے والے
ہم تو جا بیٹھیں ابھی یار کے کوچے مگر
چین دینے کے نہیں رشک کے کھانے والے
دل نہ بے درد بتوں سے ہمیں ہے خوف نظیر
تو ہے کمزور وہ ہیں زور جتانے والے

(558)

کہہ کے اس قاتل نے آج ایک بات میرے سامنے
دل کے دو ٹکڑے کیے ہیہات میرے سامنے
شعلہ دل سے مرے پروانہ کیا ہو گا دوچار

شمع نے رو رو دیا تھا ' رات میرے سامنے

کیا کوئی اس شعلہ رو سے ہو مقابل حسن میں

ہو گئی پرسوں پری بھی مات میرے سامنے

نقطہ حسن اس کے رخ کا ایک کتاب حسن ہے

ہو چکی اس کی بھی تحقیقات میرے سامنے

اس کی ابرو کی صفت میں ہر کماں ابرو نے رات

بزم میں کیا کیا پڑھیں ابیات میرے سامنے

میں تو اس غماز کو کیا کیا سزا دیتا مگر

کیا کروں منکر ہوا بدذات میرے سامنے

پھر چلا تو آج اس چنچل کے کوچے میں نظیر

کل تو تو آیا تھا کھا کر لات میرے سامنے

(559)

گئی فلک تئیں پراس کے دل میں راہ نہ کی

ہماری آہ نے پیدا یہ دستگاہ نہ کی

جگر کو دیکھیے میرے کہ یوں ہوا ہوں قتل

سپر تو کیا ہے کہ ہاتھوں تلک پناہ نہ کی

زیادہ اس سے اب اخفائے درد کیا ہو گا

کہ جان آنکھوں میں آ آ گئی پہ آہ نہ کی

کہا میں یار سے ایک دن کہ اے مہ تاباں

ہماری شام بھی تم نے صبح گاہ نہ کی

نہ ہم سے پیار نہ الفت نہ مہر نہ اخلاص

جو سرسری سی نگہ گاہ کی تو گاہ نہ کی
یہ سن کے مجھ سے کہا یاں بھی کچھ اجارہ ہے
نہ کی تو چال ہے نہ کی، واہ خواہ مخواہ نہ کی
میاں نظیر ہمیں چاہتے رہے سب کو
ہزار حیف کسی نے ہماری چاہ نہ کی

(560)

غنچہ لب مہر جبیں، عارض گلفام پری
گلشن حسن ہے اب تو وہ گل اندام پری
کیوں نہ جھمکیں طرب و عیش کہ جس بزم میں ہوں
مے و مینا پری ساقی پری اور جام پری
وہ پری رو جہاں آوے تو ہو واں کی یارو
دن پری ، پری ، صبح پری، شام پری
یوں مرے سینے پہ سوتا ہے شب وصل میں وہ
جس طرح اپنے پلنگ پر کرے آرام پری
اس کے مکھڑے کی جھمک وہی کرتی ہے جو کچھ
کرتی ہے حسن کی دکھلا کے جھمک کام پری
میں نے پوچھا کہ ہے کیا تمھارا نام کہیے
بولی کیا تو نہیں واقف ہے مرا نام پری
جس گل اندام کو اپنا دیا دل تو نے نظیر
حسن میں نام خدا ہے وہ دل آرام پری

(561)

ہو وہ چار صبح اس عارض برق تاب سے
نکلیں ستارے رشک کے دیدہ آفتاب سے
چھپتے ہیں یوں پری رخاں اس رخ مہرتاب سے
جیسے ستارے صبح کو چھپتے ہیں آفتاب سے
مکھڑے کی اس کے ہمسری کیونکر ہو ماہتاب سے
باتیں کرے ہے اب تو صاف بڑھ کے وہ آفتاب سے
دل کو اسیر کر لیا زلف کے پیچ و تاب سے
آنکھوں کی نیند لے گیا نرگس نیم خواب سے
چہرے پہ اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
یہ تو بھبھوکا اب نہیں وہ کہ چھپے نقاب سے
اس کا وہ روئے مہر وش چمکے ہے یوں نقاب سے
جیسے شعاع آفتاب پھوٹے تنک سحاب سے
سویا ہے ابھی وہ نسیم لگیو نہ اس کے تن سے تو
اور جو لگی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے
زلفیں جو کھولیں آپ نے سنبل تر کا جرم ہے
یا کہ ختن میں کچھ خطا ہو گئی مشک ناب سے
اس کا وہ قد ہے جلوہ گر دیدہ تر سے یوں مری
جیسے عیاں ہو عکس سروقہر چمن کے آب سے
اپنا کتابی رخ جو یوں پھیرو ہو ہم سے دم بدم
تم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی اس کتاب سے

چھوڑ کے مجھ کو نیم جاں اب تو چلے ہو تم مگر
دیر نہ کیجیو مہرباں پھریو ذرا شتاب سے
سخت عذاب تھا ہمیں آہوں سے دل کی کیا کہیں
بارے وہ تم نے لے لیا' چھوٹے ہم اس عذاب سے
کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ ایک جناب سے

(562)

ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے تک جم رہے رہے نہ رہے
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہماری کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے
مجھے ہے نزع وہ آتا ہے دیکھئے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے
بقا جو ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوک گیاہ
مثال قطرہ شبنم رہے رہے نہ رہے
تمہارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے
یہی سمجھ لو ہمیں تم کہ ایک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

نظیر آج ہی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

(563)

انداز کچھ اور ناز و ادا اور ہی کچھ ہے
جو بات ہے وہ نام خدا اور ہی کچھ ہے
نہ برق نہ خورشید نہ شعلہ نہ بھبوکا
کیوں صاحبو یہ حسن ہے یا اور ہی کچھ ہے
بلور کی چمکیں ہیں نہ الماس کی جھمکیں
اس گورے سے سینے کی صفا ہی کچھ اور ہے
پیچھے کو نظر کی تو وہ گدی ہے قیامت
آگے کو جو دیکھا تو گلا اور ہی کچھ ہے
سینے پہ کہا میں نے یہ دو سیب ہیں کیا
شرما کے یہ چپکے سے کہا اور ہی کچھ ہے
تم باتیں ہمیں کہتے ہو اور سنتے ہیں ہم چپ
اپنی خموشی بھی میں صدا اور ہی کچھ ہے
ہیں آپ کی باتیں تو شکر ریز پہ اے جاں
اس گونگے کے گڑ میں بھی مزا اور ہی کچھ ہے
پوچھی جو دوا ہم نے طبیبوں سے تو بولے
بیماری نہیں ہے یہ بلا اور ہی کچھ ہے
عناب نہ خطمی نہ بنفشہ نہ خیارین
اس ڈھب کے مریضوں کی دوا اور ہی کچھ ہے

ہم کو تو نظیر ان سے شکایت ہے جفا کی
اور ان کو جو سنیے تو گلہ اور ہی کچھ ہے

(564)

یہ جو اٹھتی کونپل ہے اپنا برگ نکالے گی
ڈالی ڈالی چاٹے گی اور پتا پتا کھا لے گی
ہونہار بروا کے چکنے چکنے پتے ہوتے ہیں
بہت نہیں کچھ تھوڑے ہی دن میں بیل پھنگ کو آ لے گی
ابھی تو کیا ہے بچپن ہے نادانی ہے بیہوشی ہے
قہر تو اس دن ہوویگا جب اپنا ہوش سنبھالے گی
ناز ادا اور غمزوں کے کچھ اور ہی کترے گی گل پھول
سین لگاوٹ چتون کا بھی اور ہی عطر نکالے گی
کاجل مہندی پان مسی اور کنگھی چوٹی میں ہر آن
کیا کیا رنگ بناوے گی اور کیا کیا نقشے ڈھالے گی
جب یہ تن گدراوے گا اور بازو بانہیں ہوں گے گول
اس دم دیکھا چاہیے کیا کیا پیٹ کے پاؤں نکالے گی
کس کس کا دل دھڑکے گا اور کون ملے گا ہاتھوں کو
پکیں سے جب انگیا میں یہ کچے سیب اچھالے گی
پان چبا اور آئینے میں دیکھ کے اپنے ہونٹوں کو
کیا کیا ہنس ہنس دیوے گی اور کیا کیا دیکھے بھالے گی
خانہ جنگیاں ہوویں گی اور لوگ مریں گے کٹ کٹ کر
شہر کے کوچے گلیوں میں ایک شور قیامت ڈالے گی

جی یہ میوہ حسن کا رس رس پک کر ہووے گا تیار
تا نکہ اس کی قیمت کا جب دیکھا چاہئے کیا لے گی
سونا روپا سیم و جواہر صبر و دل و دیں ہوش و قرار
آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہی ایک آن میں سب رکھوا لے گی
اپنے وقت جوانی میں یہ شوخ خدا ہی جانے نظیر
کس کس کا زر لوٹے گی اور کس کس کا گھر گھالے گی

(565)

چتون میں شرارت ہے اور سین بھی چنچل ہے
کافر تری نظروں میں کچھ اور ہی چھل بل ہے
بالا بھی چمکتا ہے جگنو بھی دملکا ہے
بدھی کی لپٹ تس پر تعویذ کی ہیکل ہے
گورا وہ گلا نازک اور پیٹ ملائی سا
سینے کی صفائی بھی ایسی گویا مخمل ہے
وہ حسن کے گلشن میں مغرور نہ ہو کیونکر
بڑھتی ہوئی ڈالی ہے اٹھتی ہوئی کونپل ہے
انگیا وہ غضب جس کو ململ ہی کرے دل بھی
کیا جانے کہ شبنم ہے نن سکھ ہے کہ ململ ہے
یہ دو جو نئے پھل ہیں سینے پہ ترے ظالم
ٹک ہاتھ لگانے دے جینے کا یہی پھل ہے
ابھرا ہوا ہے وہ سینہ وہ جوش بھرا جوبن
ایک ناز کا دریا ہے ایک حسن کا بادل ہے

کیا کیجیے بیاں یارو چنچل کی رکھاوٹ کا
ہر بات میں در در ہے ہر آن میں چلبل ہے
یہ وقت ہے خلوت کا اے جا نہ کر کل کی
کافر تری کل کل سے اب جی مرا بیکل ہے
کل میں نے کہا اس سے کیا دل میں یہ آیا جو
کنگھی ہے نہ چوٹی ہے مسی ہے نہ کاجل ہے
معلوم ہوا ہم سے روٹھے ہو تم اے جانی
الٹا ہی ڈوپٹے کا مکھڑے پہ یہ آنچل ہے
یہ سن کے لگی کہنے روٹھی تو نہیں تجھ سے
پر کیا کہوں وہ دن سے کچھ دل مرا بیکل ہے
جس دن ہی نظیر آ کر وہ شوخ ملے ہم سے
جتھ پھیر ہیں بوسے ہیں دن رات کی مل دل ہے

(566)

ترے رخ کی جھمکیں کیا کہوں جسے دیکھ رہیں مہ وشتری
روئے ہوش گنوا پھرے باؤلی سی تری ایک جھلک کو دیکھ پری
تری نظریں تیرماں بھویں تری آنکھیں ترک سناں مژہ
تیری آن بنیلی چلبلی تری شوخ ادائیں فریب بھری
تو نے پان سے منہ کو لال کیا جو کہوں کیا جو دل کا حال کیا
دیا سرمہ آنکھ میں وہ بلا جیسے اوپی تیغ پہ باڑھ دھری
تیرے تن کی نرمی کیا کہوں تیرے چھو کے پاؤں کے تلوے کو
چھوئی مخمل آن سے جس گھڑی لگی ہاتھ کو میرے وہ کھرکھری

زری پوش جو ہو کے نکلا ہے تو چمک جھمک سے لو میاں
ہے نظیرؔ بھی تیرا جتا! بھلا اس کے پاس بھی بیٹھ زری

(567)

چتون کی کہوں یا کہ ...... کی گرمی
ہے نام خدا اس میں ہر ایک بات کی گرمی

رونے سے مرے چلو عرق آ گیا یارو
سچ ہے کہ بری ہوتی ہے برسات کی گرمی

ٹک پھول چھوا تھا سو نزاکت سے کئی بار
رہ رہ کے دکھائی ' مجھے کل ہات کی گرمی

کھلواتے ہی بندوں کے بدن گرم ہو آیا
شاید کہ لگی اس کو مرے ہات کی گرمی

جلتا ہوں میں اور شعلے نہیں دیتے دکھائی
ہے عشق میں یارو یہ طلسمات کی گرمی

رہنا ہے کوئی دن تو سمجھ جائیو اے دل
یاں پھر وہی ٹھہری ہے ملاقات کی گرمی

گرمی تھی کہیں آہ ہم افسردہ دلوں میں
ساقی کی فقط ہے یہ عنایات کی گرمی

آتے ہی جو تم میرے گلے لگ گئے واللہ
اس وقت تو اس گرمی نے سب مات کی گرمی

کہتا ہے وہ جس دم کہ چلو ہم سے نہ بولو
اس بات میں ہے اور ہی ایک بات کی گرمی

سب پوچھ ہے ظاہر کی یہ شوخی و شرارت
معشوق میں جب تک کہ نہ ہو ذات کی گرمی

تم غصہ ہو یا قہر ہو آتش ہو غضب ہو
اب ہم نے یہ سب دل پہ مساوات کی گرمی

یا حضرت دل تم تو بڑے صاحب دل تھے
رکھتے تھے بہت اپنے کمالات کی گرمی

ایک ہی نگہ گرم سے بس ہو گئے تم سرد
اب کہیے کہاں ہے وہ کرامات کی گرمی

یوں گرمی صحبت تو بہت ہو گی نظیر آہ
پہ یار نہ بھولے گی مجھے رات کی گرمی

(568)

وہ صنم جو مہر خدا رہے اسے ہم سے ملنے میں عار ہے
ولے اپنا جو دل زار ہے وہ ہزار جان سے نثار ہے

ملے جب سے کوچے میں اس کے جا یہ سرور عیش ہے برملا
لب دل ہے اور وہ نقش پا برجان ہے اور دریا رہے

وہ نگہ جو اس کی ہے فتنہ گر اسے مشق صید ہے پیشتر
ہے جو دل کا طائر تیز پر اسی باز کا یہ شکار ہے

وہ مژہ لگا کے جو ایک سناں گئی پر تو کر نہ دل اب فغاں
کئی ایسے ہوویں گے امتحاں یہ بھی تو پہلا ہی وار ہے

جو بہار گل پہ رہ ہے تل ہمیں کیا جو حسن کی پی ہے مل
جنہیں چاہیے ہے وہ رشک گل انہیں گل سے کیا سروکار ہے

جو بتوں کو دیویں دل اور دیں رکھیں اس کو
بھلا کہیے یہ ان سے یہ عجب کچھ ان کا شعار ہے
کئی دن ہوئے ہیں نظیر اب نہ خفا ہے ہم سے وہ غنچہ لب
اسے کیا و لے ہمیں روز و شب نہ تو صبر ہے نہ قرار ہے

(569)

یک بہ یک مو کی سیاہی اس قدر جاتی رہی
کیا کہیں گویا سیاہی یک سر مو بھی نہ تھی
گو سفیدی مو کی یوں روشن ہے جوں آب حیات
لیکن اپنی تو اسی ظلمات سے تھی زندگی
دم بدم بزم سرود ہر گھڑی سیر چمن
عشرت و عیش و نشاط و خرمی و تازگی
خندہ شادی سے ہرگز لب نہ ہوتے تھے بہم
ساغر و مینا ' سرور و رقص و خوش طبعی ہنسی
جام دیتا تھا ادھر ساقی بہ منت بات جوڑ
اس طرف کیا کیا لگاوٹ دلبروں کی تھی نئی
گلبدن کرتے تھے کس کس طور اظہار اشتیاق
غنچہ لب ملتے تھے سو سو دل میں رکھ کر بیکلی
کوئی دیتا تھا محبت سے گلے میں ہاتھ ڈال
کوئی دیتا تھا زبردستی سے بوسہ ہر گھڑی
جس طرف تھے دیکھتے عیش و طرب کا جوش تھا
مستی و رندیٔ ہوس بازی و بے اندیشگی

آن کر مو کی سفیدی نے یہ کیں بربادیاں
کھول دیں جتنی بندھیں تھیں وہ ہوائیں عیش کی
قدم میں خم آنکھوں میں نم چہرے پہ جھری رنگ زرد
سر سے پا تک سخت ناخوش منظری بدہیئتی
کیا تماشہ انقلاب چرخ کے کہیے نظیر
دم میں وہ رونق تھی اور ایک دم میں یہ بے رونقی

(570)

فرض ہے سب کو جناب کبریا کی دوستی
ہے وہی بندہ کہ جس کو ہے خدا کی دوستی
گر شفاعت کی تمنا ہے تو رکھ جی میں سدا
شافع محشر محمد مصطفیؐ کی دوستی
جام کوثر کا پیا چاہے تو اپنے دل میں رکھ
ساقی کوثر علیؑ مرتضٰی کی دوستی
حشر میں کھیتی ہری چاہے تو کر یاں اختیار
سبز پیراہن امام مجتبیٰ کی دوستی
سرخ روئی دین، دنیا کی اگر درکار ہے
تو تو رکھ دل میں شہید کربلا کی دوستی
زیب و زینت حشر کی چاہے تو سینے میں بڑھا
عابد و باقر شہ ہر دو سرا کی دوستی
گر بہشتی جنتی ہونا ہو تو دل میں نقش
جعفرؑ و کاظم علی موسیٰ رضا کی دوستی

قبر کی سختی سے چھٹنا ہو تو اے مومن محب
رکھ تقی حضرت نقی سے پیشوا کی دوستی

راہ جنت کی اگر چاہے تو اپنے ساتھ لے
عسکری مہدی امام رہ نما کی دوستی

جس کو کہیے مذہب حق اور صراط مستقیم
ہے وہ بے شک اہل بیت مصطفیٰ کی دوستی

جنتی ہے جنتی ہے جنتی ہے وہ سعید
ان کی خدمت میں جو رکھتا ہے وفا کی دوستی

دوزخی ہے دوزخی ہے دوزخی ہے وہ شقی
اس طرف سے جو رکھے روے ریا کی دوستی

نوح کی کشتی انہیں کو ہے پیمبرؐ نے کہا
چھوڑ مت اے دل تو ان بحر سخا کی دوستی

پل صراط حشر میں جس دم ترا کھسکے گا پاؤں
واں نہ تھامے گی کسی یار آشنا کی دوستی

ہاں مگر جب تو کہے گا یا علیؑ مشکل کشا
جب سنبھالے گی تجھے مشکل کشا کی دوستی

دیکھیو کس کس طرح سے واں ترے کام آتی ہے کام
مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا کی دوستی

گر تو یہ چاہے خدا اور مصطفیٰؐ ہو تجھ سے شاد
تو علیؑ حیدر سے رکھ صدق و صفا کی دوستی

حیف اس کی بندگی اور خاک اس کی زندگی
شیر حق سے جو رکھے مکر و دغا کی دوستی

دین و دنیا میں وہی ہے جنتی بے شک نظیر
جس کے دل میں ہے سدا آل عبا کی دوستی

(571)

کل دیکھا کے اس کے عالم کو اک عالم کے اوسان گئے
واللہ تجب کچھ عالم تھا جو جان گئے سو جان گئے
کیا حسن کہوں اللہ رے حسن اس رشک پری کی صورت پر
انسان رہے کس گنتی میں جب حور ملک قربان گئے
اس مکھڑے چاند کے ٹکڑے کو تر دیکھ عرق کے قطروں سے
کتنوں کے دین پھرے بتے اور کتنوں کے ایمان گئے
تھے چین جبیں پر ایسے ہی اس رشک بت چیں کے جس سے
جو کافر کئے چین کے تھے وہ کافر بھی چین مان گئے
وہ بوند سیاہی مژگاں کی جب اتری تیر اندازی پر
دل چھید جگر سوراخ کیا اور سینہ تو سب چھان گئے
کچھ بھیس بدل کر شب کی ہم جوں پہونچے اس کی مجلس میں
وہ کافر وہیں سے بول اٹھا ہم جان گئے ہم جان گئے
وہ دیکھ کے خط آئینے میں کل بھر کر آہ لگا کہنے
اس سبز قدم کے آتے ہی سب خوبی کے سامان گئے
جب میں نے نظیر اس سے یہ کہا اب غم کھائے کیا ہوتا ہے
ان باتوں کو مت یاد کرو وہ پانی بہہ ملتان گئے

(572)

یہ رنگ پان سے جو دہن اس کا لال ہے
آج ان لبوں سے لعل کی پوری مثال ہے
استغفر اللہ لعل کہاں اور یہ لب کہاں
اے بے وقوف کچھ بھی تجھے انفعال ہے
خورشید جس سے لعل کی ہوتی ہے تربیت
وہ ان لبوں کے پان کا ادنیٰ اگال ہے
یوں لعل گرچہ سرخ ہے پر سنگ سخت ہے
گو نرم بھی ہوا تو یہ اس کی مجال ہے
کہتے ہیں لعل ٹوٹ کے ہوتا نہیں درست
سچ ہے پر اپنے دل میں تو اور ہی خیال ہے
ہر دم سخن میں ٹوٹ کے بنتا ہے لعل لب
یہ معجزہ ہے یا کوئی سحر حلال ہے
بس لعل لب سے لعل کو نسبت ہے کیا نظیر
یاں لعل کی بھی اب تو زباں منہ میں لال ہے

(573)

یہ حسن ہے آہ قیامت کہ اک بھبھوکا بھبھک رہا ہے
فلک پہ سورج بھی تھرتھرا کر منہ اس کا حیرت سے تک رہا ہے
کھجوری چوٹی ادا میں موٹی جفائیں لمبی وفا میں چھوٹی
ہے ایسی کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک لٹ میں لٹک رہا ہے
وہ نیچی کافر سیاہ پٹی کہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی
پڑھی ہے جس نے کہ اس کی پٹی وہ پٹی سے سر پٹک رہا ہے

وہ ماتھا ایسا کہ چاند نکھرے پھر اس کے اوپر وہ بال بکھرے
دل اس کے دیکھے سے کیوں نہ بکھرے کہ مثل سورج چمک رہا ہے

وہ چین خودرو کٹیلے ابرو وہ چشم جادو نگاہیں آہو
وہ پلکیں کج خو کہ جن کا ہر مو جگر کے اندر کھٹک رہا ہے

غضب وہ چنچل کی شوخ بینی، پھر اس پہ نتھنوں کی نکتہ چینی
پھر اس پہ نتھ کی وہ ہمنشینی پھر اس پہ موتی پھڑک رہا ہے

لب و دہاں بھی وہ نرم و نازک مسی و پان بھی وہ قہر آفت
سخن بھی کرنے کی وہ لطافت کہ گویا موتی ٹپک رہا ہے

وہ کان خوبی میں چھک رہے ہیں جواہروں میں جھمک رہے ہیں
ادھر کو جھمکے جھمک رہے ہیں ادھر کا بالا چمک رہا ہے

صراحی گردن وہ آبگینہ پھر آگے سینہ بھی جوں نگینہ
بھرا ہے جس میں تمام کینہ کہ جوں نگینہ دمک رہا ہے

کچیں وہ کچھ کچھ ثمر درختی کچھ ان کی سختی وہ کچھ کرختی
ہیں جس نے دیکھے وہ پھل درختی کلیجہ اس کا دھڑک رہا ہے

وہ سرخ انگیا جو کس رہی ہے وہ چس رہی ہے اکس رہی ہے
کچھ ایسے ڈھب سے وہ کس رہی ہے کہ اس کا کسنا کسک رہا ہے

وہ پیٹ دل کو لپیٹ لیوے وہ ناف جی کو سمیٹ لیوے
مزار جی جا چپیٹ لیوے کچھ ایسا پیڑو پھڑک رہا ہے

وہ پیٹھ گوری، کمر وہ پتلی، غضب لگاوٹ وہ پھر سرین کی
اب آگے کہیے تو کیا کہوں میں کہ ہوش اس جا ٹھٹک رہا ہے

فقط وہ چمپے کی اک کلی ہے کچھ اک منڈی ہے کچھ ایک کھلی ہے
سلاخ سونے کی ایک ڈلی ہے کہ گویا کندن دمک رہا ہے

وہ پیاری رانیں وہ گول ساقیں، وہ کف ملائم وہ نرم پہنچے
کڑی کڑی سے کھڑک رہی ہے کڑا اکڑے سے کھڑک رہا ہے

نظیر خوبی میں اس پری کی کہوں کہاں تک ثنا بنا کر
صفت سراپا میں جس کے لکھے دل اب اسی سے اٹک رہا ہے

(574)

اولا اس بے نشاں اور بانشاں کو عشق ہے
بعد ازاں سر حلقہ پیغمبراں کو عشق ہے

لافتی الا علی ہے شان میں جس کی نزول
دوستاں اس شاہ مرداں سے جواں کے عشق ہے

پھر جو ہے باغ نبوت اور امامت کی بہار
غنچہ و گل، سبزہ عنبر فشاں کو عشق ہے

عرش و کرسی حور و غلماں اور ملائک خاص و عام
عالم بالا کے سب باشندگاں کو عشق ہے

جنت و عدن و بہشت و خلد و مینو اور ارم
ساتھ ان باغوں کے رضوان باغباں کو عشق ہے

ہیں جو سیار و ثوابت آفتاب و ماہتاب
قائم وہ میل فلک قطب زماں کو عشق ہے

ہیں جو یہ پردہ طبق متحرک و ساکن سدا
بے سخن ان سب زمین و آسماں کو عشق ہے

ہیں جو یہ چودہ طبق متحرک و ساکن سدا
بے سخن ان سب زمین و آسماں کو عشق ہے

مختلف ہیں اور ملے رہتے ہیں باہم روز و شب
خاک آباد و آتش و آب رواں کو عشق ہے
ہے جہاں میں جن سے روشن عدل کے گھر کا چراغ
دمبدم ان بادشاہان جہاں کو عشق ہے
اور خراساں اصفہان ایران اور توران کو
پھر ہمارے گلشن ہندوستاں کو عشق ہے
ہیں جہاں تک سلسلے فقرا کے از کہ تابہ مہ
عارفاں اور کاملاں اور عاشقاں کو عشق ہے
کوہ تھراتے ہیں لرزیں ہیں زمین و آسماں
عاشق مولا کی فریاد و فغاں کو عشق ہے
ہر طرف گلزار ہے سبز ان اور آب واں
اپنی نظروں میں بہار گلفشاں کو عشق ہے
وہ جو ہیں اس گلشن ہستی میں اب محو فنا
ان کے آگے موسم باد خزاں کو عشق ہے
دل کو لے پامال کر دینا بہ صد جور و جفا
اس ...... خوبان عالم دلستاں کو عشق ہے
گرد کے مانند پھرتی ہیں پڑی اڑتی خراب
لٹ گئی دست جنوں کی کارواں کو عشق ہے
لوٹتے ہیں مست میخانے کے در پر جا بجا
جام و صہبا ساقی و پیر مغاں کو عشق ہے
کل ہی نقش ذائقہ سن کر بھی ہم غافل رہے
اے عزیزاں اس حیات رائگاں کو عشق ہے

خلقت کونین میں کیا جن کیا انساں نظیر
وحشی و طائر زبان و بے زباں کو عشق ہے

(575)

ہستیاں نیستیاں یاں بھی ہیں ایسی جیسے
وہ کمر اور وہ وہاں ' کچھ نہیں اور سب کچھ ہے
بے زری' فاقہ کشی مفلسی' بے اسبابی
ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

(576)

دیکھئے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے
وہ سیم تن اس تن سے کس طور نہ تن نکلے
یہ نقش ہیں چیچک کے منہ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے

متفرقات ردیف (ی)

مرتا ہے جو محبوب کی ٹھوکر پہ نظیر آہ
پھر اس کو کبھی اور کوئی لت نہیں لگتی

منہ زرد و آہ سرد و لب خشک و چشم تر
سچی جو دل لگی ہے، تو کیا کیا گواہ ہے

بیٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے نظیر
کیا دم دیا ہے حضرت آدم کو دیکھیے

چمک لے ہے درد ہے ' کوندن پڑی ہے، ہوک اٹھتی ہے
مرے پہلو میں کیوں یارو ی دل ہے یا کہ پھوڑا ہے؟

ہو کے خفا اور تیوری چڑھا کر بولی میں اپنی کہا نظیر
آپن نے جد گھا لی تھی نہیں بن ٹھن اوہو کا بن چھیے

گ، گزری اپنی وہ میکشی گئی جب سے آگ فراق کی
یہ جلے ہے دل سو کباب ہے یہ سر شک چشم شراب ہے

مری اس چشم تر سے ابر باراں کو ہے کیا نسبت
کہ وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل ہے برساتی

میں دست و گریباں ہوں دم باز پسیں سے
ہمدم آے لاتا ہے تو لا جلد کہیں سے

تمام شد غزلیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخمسات عاشقانہ نظیر

خمسہ بر غزل مولانا سعدی رحمتہ اللہ علیہ

(577)

نمی دانم کہ ایں مردم کیا نند
کہ یاراں رفتہ و خوش بگذرا نند
ولا پیش آں کہ ایں عالم برانند
بیفگن خیمہ تامحمل برا نند
کہ ہم را آں عالم روانند

میاں اس جا بجز ذات خداوند
نہ بھائی ہے کوئی اپنا نہ فرزند
نہ ہو دنیا کے رشتوں میں تو پابند
زن و فرزند یارو خویش و پیوند
برادر خواند گاں کا روانند

جہاں تک یہ تماشے ہیں مقابل
ارے ناداں یہ سب ہیں نقش باطل
اگر دانا ہے تو اے مرد عاقل

نیا یدیستن اندر صحبتے دل
کہ بے ایشاں بھانی تا نمانند
تکبر میں نہ کر عمر اپنی برباد
مچا مت اپنے ہاتھوں داد بیداد
تجھے کیا آہ! یہ نکتہ نہیں یاد
نہ اول خاک بودست آدمی زاد
بہ آخر چوں بیند یکی ہمانند
تونگر کیا غنی، کیا شاہ درویش
امیر وقت کیا محتاج دل ریش
سبھوں کو ایک دن چلنا ہے درپیش
پس آں بہتر کہ اول آخر خویش
بیند یشند و قدر خود بدانند
سراسر کام دنیا کے ہیں گندے
غرور و کبر میں مت اپنا تن دے
ذرا تو دیکھ اے خالق کے بندے
زمیں چندے بخور وا ز خلق ' و چندے
ہنوز از کبر سر بر آسمانند
گیا اک دن میں گورستاں میں دل سرد
پڑی اڑتی تھی واں ہر قبے پہ گرد
جو دیکھا ہے تو باچشم و رخ زرد
کہے ہر تربتے فریاد می کرد
کہ لذبا پادشا ہان جہانند

یہ وہ ہیں جن کے تن تھے گورے گورے
مرصع جام و زریں آب خورے
بڑے تھے سلطنت کے ان کے تورے لے
بہ گفتم تختہ برکن ز گورے
بہ بیں تا پادشہ یا پا سبانند

کہاں ہے ان کی وہ شان و جلالت
کہاں وہ تاج و تخت و ملک و دولت
یہ سن کر مجھ سے وہ صاحب کرامت
بگفتہ تختہ برکندن چہ حاجت
کہ می دانم کہ مشت استخوانند

گھڑی کی عمر ہو یا لاکھ کا سن
نظیر اس بزم سے چلنا ہے اک دن
جو ہوں بیمار ظاہر یا کہ باطن
نصیحت داروئے تلخ است و لیکن
زوار و خانہ سعدی ستانند

ایضاً

(578)

سراپا

کل ہم جو گئے باغ میں ٹک لطف اٹھانے
اور دل کو لگے سیر گلستاں کی دکھانے
اتنے میں کہوں کیا تجھے اے یار یگانے
بر بود دلم در چمنے سرو روانے
زریں کمرے، سیمبرے، موئے میانے
وہ شوخ کہ عالم میں نہ دیکھا ہو کسی نے
وہ حسن کہ نے حور نے پایا نہ پری نے
کیا تجھ سے کہوں اس کی میں خوبی کے قرینے
خورشید رخے ماہ وشے زہرہ جبینے
یاقوت لبے سنگ دلے، تنگ دہانے
گلفامے، گل اندامے، دلآرامے، نکوئے
دلدارے، دل آزار جفا کارے، دوروئے
آہو صفتے کبک تگے، غمزیں موئے
بیداد گرے، کج کلہے، عربدہ جوئے
شکر شکنے تیر قدے، سخت کمانے
ابرو خم طاق حرم و زلف کنشتے
قد رنج دل طوبیٰ و رخ رشک بہشتے
تل نقش سوید اے دل و خط لب کشتے

جادو نظرے، عشوہ گرے، حسن سرشتے
آسیب دلے، رنج تنے، آفت جانے

وہ رخ کہ ہر اک شوخ پریزاد کو شہ لے دے
وہ زلف کہ سنبل جسے پیچ و تاب ہو کہہ دے
گر حور بھی دیکھے تو اسے جان میں رہ دے
عیسیٰ نفسے، خضر رہے، یوسف عہدے
جم مرتبۂ تاجورے شاہ جہانے

شمشیر نگہ تیر مژہ، قاتل خلقے
غارت گرو برباد وہ حاصل خلقے
مشہور جہان، فتنہ جان، مقبل خلقے
تنگ شکرے، چوں شکرے دردل خلقے
شوخے نمکینے، چو نمک، شور جہانے

کیا اس کی میں تعریف کہوں حسن ادا کی
ہے ختم وہ عالم کی اسی شوخ پہ خوبی
پھر مثل نظیر اس بت رعنا سے لگا جی
ہے زلف و رخ و لعل لب اور شدہ سعدی
آبے وبخارے، و غبارے، ودخانے

خمسہ بر غزل حضرت امیر خسرو

(579)

کب لالہ و گل کر سکیں عارض سے تیرے ہمسری
قد سے خجل سرو سہی' رفتار سے کبک دری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں ناز و اداؤ دلبری
اے چہرہ زیبائے تو رشک بتاں آذری
ہر چند صفت میکنم در حسن زاں زیبا تری
ہے شور تیرے حسن کا لے کر زمیں سے چرخ تک
دن رات صورت کو تری شمس و قمر رہتے ہیں تک
دیکھے ہے جو تیرے تئیں کہتا یہی ہے یک بیک
تا نقش می بندد فلک کس رانداو است ایں نمک
حوری ندانم یا ملک فرشند آدم یا پری
تیرا رخ اے رعنا صنم بھر کر نظر دیکھے ہے جو
کھو دین و ایماں کے تئیں باندھے ہے وہ زنار کو
دیوانے تیرے عشق میں دل سے نہیں کچھ ایک دو
عالم ہمہ یغمائے تو خلقے ہمہ شیدائے تو
یاں نرگس شہلائے تو آوردہ رسم کافری
ہے خلق و خوبی میں بھرا اس طور سے وہ نازنیں
بہزاد و مانی دیکھتے تو ہوتے وہ حیرت قریں
گر اس بیاں کے راست کا آتا نہیں تجھ کو یقیں

صورت گر نقاش چیں رو صورت یارم بہ بیں
یا صورتے کش آنچنیں یا ترک کن صورت گری

ہیں خلق میں ہر سو عیاں رنگیں ادا زیبا صنم
گلگوں قبا ناز کبدن سو زیب و زینت سے بہم
کی غور تو سچ ہے یہی مجھ کو محبت کی قسم
آفاق را گردیدہ ام ' مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

آیا نظر جس روز سے تجھ سا شکر لب مہ لقا
ابرو کمال جادو نظر' شیریں سخن اور عشوہ زا
اپنے لیے وطن کو چھوڑ کر مثل نظیر مبتلا
خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا' سوئے غریباں بنگری

خمسہ بر غزل حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

(580)

کہتا آں ساقی گلفام را
از من بیدل و بد پیغام را
تشنہ لب مگذار ایں ناکام را
ساقیا بر خیز و دردہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را

گو کہ مے پینے میں ہیں بدنامیاں
عزت و حرمت کا جاتا ہے نشاں
ہم تو سمجھے ہیں یہ لا ساقی میاں
گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

دیکھ کر نالے ہمارے شعلہ زن
عابد و زاہد کو بھولے مکر و فن
کیوں نہ اب جل جل کے ہوں دشمن کے تن
دود آہ سینہ سوزان من
سوخت ایں افسردگان خام را

یہ جو میں پہنا ہے جبہ سر بسر
ہے بھرا اس میں سراپا مکر و شر
دے خدا کے واسطے اے مغ پسر

ساغر مے بہ کشم نہ تا ز سر

بہ کشم ایں دلق ازرق فام را

تنگ دارم منزل وماوائے خود

کردہ ام کوے مغاں راجائے خور

عاشقم برطرز بے پروائے خود

محرم راز دل شیدائے خور

کس نہ می بینم ز خاص و عام را

یہ جویاں خوباں رکھیں ہیں بندوبست

دل کو لیتے ہیں بصد افسون دوست ؏

ان کا میں عاشق نہیں اے خود پرست

بادل آرامے مرا خاطر خوش است

کز دلم یک بارہ برد آرام را

عشق میں آرام دل ہوتا ہے کب

یاں تو ہر دم غم ہے اور رنج و تعب

کوئی دن مشکل نظیر اس غم میں اب

صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب

عاقبت روزے بیابی کام را

ایضاً

(581)

آمد نگار دلبر شیریں کلام ما
رشکِ ارم زنزہت اوشد مشام ما
زو روز گار سکہ دولت بنا ما
ساقی بہ نور بادہ بہ افروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شدبکام ما

زاہد تو کم خوری سے کریں تن کو اپنے کاست
ہم زند پی شراب کریں عیش دل کے راست
جس دم کہ آ کے ہووے گا دیوان حشر راست
ترسم کہ صرفہ نبردروز باز خواست
نان حلال شیخ ز آب حرام ما

جامے زدست ساقی رنگیں کشیدہ ایم
غم رابہ پشت پازدہ عشرت خریدہ ایم
زاہد خبر ندارد ازاں گل کہ چیدہ ایم
مادر پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر زلذت شرب مدام ما

بہ چرخ و فلک جہاں میں خرامندہ شد بعشق
شمس و قمر بھی نور میں تابندہ شد بعشق
قائم وہی رہے گا جو پایندہ شد بعشق
ہرگز نمیر و آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

کیا کیا کریں ہیں ناز و ادا سیم تن یہاں
آوے ابھی وہ شوخ تو ہو جاویں سب نہاں
دیکھا جو خوب سب ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں
چنداں بود کرشمہ و ناز سہی قداں
کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

زاہد ہمیں خدا نے کیا ہے جو مے پرست
مست الست ہم ہیں نہیں آج کل کے مست
دیکھے تو کس طرح کہ تیری ہے نگاہ پست
مستی بچشم شاہد دل بند ماخوش است
زاں روبپردہ اند بہ مستی قیام ما

جب سے جدا ہوا فلک حسن کا وہ چاند لے!
روتے ہی روتے ہم کو یہ گزرا تمام چاند
مثل نظیر ہجر کی سختی سے ہو کے ماند
حافظ زدیدہ دانہ اشکے ہمی فشاند
باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام ما

دیگر

(582)

تا کے بد لق و سبحہ کنی فکر دام را
آری بحلقہ و رکف خود خلق عام را
بگذار یک نفس تو چنیں مکر خام را
صوفی بیا کہ آئینہ صافت جام را
تا بنگری صفائے مے لعل فام را

یہ صید گاہ عشق ہے دیر و حرم نہیں
یاں لاکھوں جال اڑ گئے اور سیکڑوں کمیں
باز آ تو اس خیال سے سنتا ہے ہمنشیں؟
عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

کیفیت شراب زہر مے پرست]رس
با زانکہ در ازل شدہ جامے بدست پرس
سیر جہاں نہ از دل و از عقل پست پرس
راز درون پردہ زرندان مست پرس
کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

گر زیر آسماں تجھے فرصت ہے ایک جو
کر اپنے دل کے عیش تو ایک ایک دم میں سو
گرچہ شراب ناب کی اس جا لگی ہے لو!

در بزم دور یک دو قدح درکش و برو

یعنے طمع مدار وصال دوام را

کھو کر جوانی تو جو ہوا یا راب فریش ع

پیری کا اب تو آن پڑا تیرے سر پہ جیش

آتا ہے تجھ کو دیکھ مرے جی میں اب تو طیش

ایدل شباب رفتۂ نچیدی گلے زعیش

پیرا نہ سرمکن ہوس ننگ و نام را

پیر مغاں نے جب سے دیے جام نو بنو

جب سے کلاہ و دلق و مصلا ہوا گرو

مثل نظیر اب تو لگی دل کو مے کی لو

حافظ مرید جام مے است اے صباؑ برو

وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

دیگر

(583)

کہاں وہ کیقبادی کارخانہ؟
کہاں وہ مے وہ جام خسروانہ؟
کہوں کیا تجھ سے اے یار یگانہ
سحر گاہانہ مخمور شبانہ
گرفتم بادہ باچنگ و چغانہ

پڑا جب گوش میں وہ نالہ نے
تو سوجھی اور ہی عالم کی اک شے
ہوئی مستی و مدہوشی جو در پے
نہادم عقل وارہ نوشہ از مے
بلک عافیت کردم روانہ

کیا پہلے ہی ساغر نے یہ دل شاد
کہ سر اپنا رہا مجھ کو نہ پا یاد
تو مجھ کو کر کے اور اک جام امداد
نگارے مے فروشم عشوہ داد
کہ ایمن گشتم از مکر زمانہ

ہوا جب میں نہایت شاد و خرم
تو رکھ کر سر قدم پہ اس کے ہر دم
کہا میں نے اسے اے ساقی جم

بده کشتی مے تا خوش برانم
دریں دریائے نا پیدا کرانہ
کیا ہے گر مجھے منزل سے محرم
تو رستے میں نہ چھوڑ اے خضر عالم
کہا جب میں نے یہ نکتہ تو اسدم
ز ساقی کماں ابرو شنیدم
کہ اے تیر ملامت را نشانہ
یہ رہ باریک ہے اور تو ہے فربہ
گماں اس عزم کی ہرگز نہ کرزہ
گمان و وہم کی جا گہ نہیں یہ
بہ وایں دام بہ مرغ دگر نہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ
اگر ہے تجھ کو اس رہ سے سروکار
تو ہو سب ماسوا سے تارک اے یار
نہ رکھیو بو خودی کی کچھ خبردار
نہ بندی زاں میاں طوق کمر وار
اگر خود را نہ بینی درمیانہ
وہی عاشق وہی معشوق دلجوست
وہی بود اور وہی مغز اور وہی پوست
وہی حامیٔ وہی دشمن وہی دوست
شراب و شاہد و ساقی ہمہ اوست
خیال آب و گل در رہ بہانہ

نظیر اے چونتو شیدائیست حافظ

تن خاکی تجب جائیست حافظ

نہ دریاؤ نہ صحرائیست حافظ

وجود ما معمائیست حافظ

کہ تحقیقش فسون است و فسانہ



دیگر

(584)

تھا جو از بسکہ میں عصیاں میں خراب آلودہ
طاعت مکر سے رہتا تھا حجاب آلودہ
اہل تقوی کا سجھ دانہ و آب آلودہ
دوش رفتم بدر میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ

لے گیا شوق جو واں مجھ کو اٹھا دوش بدوش
جاتے ہی در پہ گرا پیر مغاں کے مدہوش
دیکھ کے مجھ کو پڑا خواب غفلت کے خموش
آمد افسوس کناں مغبچہ بادہ فروش
گفت ''بیدار شواے رہرو خواب آلودہ''

جب میں جاگا تو کہا اس نے بہ شیریں سخنی
بھنے ہے جان تری عشق مجازی لے کی بھنی
دور کر دل سے یہ غفلت جو ہے خوباں کی چنی
در ہواے لب شیریں دہناں چند گنی
جو ہر روح بیا قوت مذاب آلودہ

اے ہوس ناک یہ ہے میکدہ قدس مقام
بیٹھے مستان ازل کرتے ہیں یاں شراب مدام
تو بھی وہ مے جو پیا چاہے تو اے نیک انجام

ست شوئے کن وانگہ تجرابات خرام
تانہ گرد و زنو یں دیر خراب آلودہ

گر تجھے عشق حقیقی نے ہے کچھ دی توفیق
تو تو سیکھ آن کے یاں طریقت کا طریق
ایک ادنیٰ سایہ اس عشق کا نکتہ ہے دقیق
آشنایان رہ عشق دریں بحر عمیق
غرق گشتند و نہ گشتند بآب آلودہ

یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آ کے شنا
یہ تو ہے معدن انوار و یقیں صدق و صفا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو اے غرق ریا
پاک صافی شوا واز چاہ طبیعت بدر آ
کہ صفائی نہ دہد آب تر آب آلودہ

ہم تو پھرتے ہیں نظیر عشق میں اب خانہ بدوش
کل عجب طرح کا اک نکتہ ہوا گوہر گوش
کچھ جو حافظ نے کہا یار سے ہو دوش بدوش
گفت حافظ بروایں نکتہ بیاران مفروش
آہ! ازیں لطف بانواع عتاب آلودہ

خمسہ بر غزل سراج

(585)

کھلی جبکہ چشم دل حزیں تو وہ نم رہا نہ تری رہی
ہوئی حیرت ایسی کچھ آن کر کہ اثر کی بے اثری رہی
پڑی گوش جاں میں عجب ندا کہ جگر نہ بے جگری رہی
خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بیخبری رہی

ہوئیں کیا ہی دل کو فراغتیں گئی جب سے قید لباس کی
نہ ہوس اطلس و گلبدن نہ تلاش بادلہ و زری
کوئی پہنو یا کہ نہ پہنو اب غرض اس کو جانے بلا مری
شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

کسی وقت مکتب عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا
کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی سو اس علم کا یہ کمال تھا
گیا جبکہ مدرس عشق میں تو اب آ گئے یارو کہوں میں کیا
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخہ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی وہ ہیں دھری رہی

ترے منہ پہ اب تو ہے تو وہ جھلک کہ جہاں تو جا کے عیاں ہوا
اگر آفتاب جمال تھا، تجھے دیکھ وہ بھی نہاں ہوا
کوئی آگے تیرے نہ آ سکا وہ قمر کہ مہر نشاں ہوا

ترے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر تو عیاں ہوا

کہ نہ آئینے میں جلا رہی ہے، نہ پری کی جلوہگری رہی

عجب اتفاق ہے خودبخود مرے دل سے عیش نکل گیا

پڑی آگ غم کی وہ تن میں آ کہ برنگ شمع پگھل گیا

ادھر آہ شعلہ زناں ہوئی ادھر اشک آنکھوں سے ڈھل گیا

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا

مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

کرے عشق اب وہ جہاں میں کہ بھول سے بیٹھے وہ ہاتھ دھو

نہ کسی سے ڈر سے چھپے کہیں نہ کسی کے خوف سے دیوے رو

اسے کچھ کسی کی خبر نہیں، ہوا اب تو مثل نظیر وہ

ترے درد عشق میں اے میاں دل بینوائے سراج کو

نہ خطر رہا نہ حذر رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

خمسہ بر غزل قدرت

(586)

آہ یہ کس شعلہ رو سے طبع اب مایوس ہے
جو سپند آسا جگر اس آگ کا مانوس ہے
اور تپ غم کی تپش چہرے لے اپ محسوس ہے
کس کی نیرنگی یہ برق شعلہ فانوس ہے
جو شرر دل سے اٹھا سو جلوہ طاؤس ہے

بزم میں تیری صنم جس دم بہ چشم تر گئے
مر گئے پھر جی اٹھے تڑپا کیے دکھ بھر گئے
دیکھ تیرے حسن میں کیا کیا ہوا اے گھر ع گئے
صبر اور تسکیں یاں سے کوچ کب کا کر گئے
اب وداع ننگ ہے اور رخصت ناموس ہے

ہمنشیں احوال اپنا کوئی کیا تجھ سے کہے
آدمیت سے گئے سودا ہوا رسوا ہوئے
خودبخود و بیخود یہ دل میں اب خیال اٹھنے لگے
کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملک روم ہے اور سرزمین روس ہے

جائیے جب واں تو کس راحت سے کیجیے زندگی
مثل گل کے نزہت و فرحت سے کیجیے زندگی
سب طرح سے خرمی حشمت سے کیجیے زندگی

گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجیے زندگی
اس طرف آواز دہل ہے اُدھر صدائے کوس ہے

یہ خیال خام اپنے دل میں بندھتے تھے پڑے
کھل رہے تھے عیش و عشرت کے طبیعت پر درے
جب زباں دل سے باہم یہ سخن ہونے لگے
سنتے ہی عبرت پکاری "اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو حرص و آز کا محبوس ہے

میں نے جانا لے چلے گی یہ گلستاں کی طرف
یا کنار آب یا خرام ہ بیاباں کی طرف
نہ وہ صحرا لے گئی نہ باغ دلستاں کی طرف
لے گئی یک بار گی گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح کا یاس ہے

میں جو واں آیا تو اس جا ڈھیر دیکھے خاک کے
کوئی بے سایہ کہیں سایہ کسی پر کیکڑے ہے
اتنے میں عبرت پکڑ کر ہاتھ میرے خوف سے
مرقدیں وہ تین دکھلا کر گئی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت اقلیم دیتے تھے خراج
یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت افلاک سے اتر تھا ماج
یہ وہ ہے جس کا فرشتہ سے نہ ملتا تھا مزاج
پوچھ ان سے کہ مال و حشمت دولت و تاج
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے



کر دیا ہے عشق کے غم نے تو بے طاقت تجھے

اس مرض کی بے طرح پٹّی ہے اب آفت تجھے

بس یہ کہتا ہے نظیر اب نکتہ حکمت تجھے

گر نہ بخشے شافع محشر تری قوت تجھے

اس کی قدرت دیکھ کر حیران جالینوس ہے

خمسہ بر غزل فغاں

(587)

دل دیتا ہوں یارب مجھے الزام نہ ہووے
اس کام کا آخر کو بد انجام نہ ہووے
یہ عشق مرا گوش زد عام نہ ہووے
ڈرتا ہوں محبت سے مرا نام نہ ہووے
دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے

گر یار مرے قتل کو آیا ہے ترا دل
بہتر ہے میں حاضر ہوں ولے کچھ نہیں حاصل
گر یوں ہی ارادہ ہے تو مت چھوڑیو بسمل
شمشیر کوئی تیز سی لانا، مرے قاتل
ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہووے

بھر عمر پھرا اس کے غم و درد سے نالاں
آخر ہوا ہاں سے اس شوخ کے بیجاں
کیا ضد ہے موئے پر بھی اسے دیکھے یاراں
آتا ہے مری گور پہ ہمراہ رقیباں
لینے اسے تربت میں بھی آرام نہ ہووے

پردہ میں ترے غم کا اگر دل سے اٹھاؤں
اک آہ میں سو برق کے سینے کو جلاؤں
نالہ جو کروں کرہ کو جا گہ سے ہلاؤں

گر صبح کو چاک اپنے گریباں کا دکھاؤں

اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے

اپنا تو نظیرؔ ایک ستمگر تھا پریرو

پائی تھی صبا نے بھی نہ اس گل کی کبھی بو

لو اس کو بھی دل دے کے کیا ہم نے بیک سو

جی دیتا ہے بوسے کی توقع پہ فغاں تو

ٹک دیکھیو سودا یہ ترا خام نہ ہووے

اصغر کی عارفانہ غزل کی تضمین

(588)

وہ رنگ کہیں لعل بدخشاں میں آیا
نیلم میں کہیں گوہر غلطاں میں آیا
یاقوت میں الماس میں مرجان میں آیا
جب حسن ازل پردہ امکاں میں آیا
بے رنگ یہ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتی میں بسا ہے
موتی میں ہوا آب، ستاروں میں ضیا ہے
تنہا نہ رہے ہی وہ شہرگ سے ملا ہے
نزدیک ہے وہ سب سے جہاں اس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالاں
کیا باغ و چمن تختہ کا، کیا زیر خیاباں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں ہر اک آں
گل بھی وہی، سنبل وہی، نرگس وہی ریحاں
اپنے ہی تماشے کو گلستاں میں آیا

کیا ارض و سما حور و ملک دیو پری جن
کیا وحشی و طائر نہیں اک دم کوئی اس بن
ہر رات یہی رات، یہ ذکر ہے ہر چھن لے

اول وہی، آخر وہی، ظاہر وہی، باطن
مذکور یہی آیت قرآن میں آیا

ماٹی سے کہیں خاک کا پتلا وہ ہوا ہے
یا روح بن اس خاک کے پتلے میں گھسا ہے
آپ ہی تو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے
حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورت انسان میں آیا

آ کر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ
اور حال کہیں کرتا ہے لا منہ کے اپر جھاگ
جو اس کے شناسا ہیں یہی کہتے ہیں بے لاگ
مطرب وہی آواز وہی، ساز وہی راگ
ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

کیا چمپئی، کیا پستئی، کیا اخضر و احمر
کیا سوسنی، کیا کشمکشی کیا ابیض و اصفر
اب مچل نظیر اس چمن دہر کے اندر
بے رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھ لے اصغر
سو طرح کے عالم کے خیابان میں آیا

خمسہ برغزل خود

(589)

مری بغل میں جو وہ گلعذار ہوتا تھا
نہال عیش کے دل کے چمن میں بوتا تھا
خوشی ہو منہ اور لب سے لب ملوتا ع تھا
لپٹ لپٹ کے میں اس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منہ آنسوؤں سے دھوتا تھا

وہ تھا جو پاس تو کیا کیا خوشی کی راتیں تھیں
کنار و بوس تھے عیش و طرب کی گھاتیں تھیں
مزے کی چہلیاں چنچل پنے کی باتیں تھیں
تمام رات تھی اور کہنیاں و لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا

کچھ آگے چاہ نئی کے بھی آہ کیا دن تھے
کہ دونوں ہر کہیں چھپ چھپ کے بیٹھتے اٹھتے
خوشی سے پیار سے ہنس ہنس کے گفتگو کرتے
جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا

کسی طرح سے نہ تھی راہ دل میں کینے کو
نہ جانتے تھے قرینے نہ بے قرینے کو
گلے لپٹنے تو کیا کیا رگڑتے سینے کو

مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا

جو لگتی شوخ کے تلوے میں گدگدی کم کم
تو چیں مروڑ چڑھا ناک اور بھویں کر خم
مچل کے ہنس کے چھڑاتا قدم کو ہر اک دم
غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم
وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا

مرے تو دل سے نہیں بھولتا ہے وہ عالم
کہ جب پلنگ پہ مرے پاس لیٹتا باہم
گھڑی مچل گھڑی شوخی گھڑی میں دھوں دھوپ دھم
لٹا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم
میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھاتا تھا

نہ ہووے کیونکر مرا دامن و گریباں تر
کہ پانی مجھ سے منگاتا جو وہ پری پیکر
تو گرم و سرد کی تکرار ناز سے کر کر
وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر
میں اس کے چھینٹوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا

پڑے نہ کیونکر مجھے کام اشک گلگوں سے
کہ جا کے باغ میں ہم کھیلتے تھے پھولوں سے
کبھی گلوں سے کبھی ڈالیوں کی چھڑیوں سے
نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے
وہ غوطے دیتا تھا اور میں اسے ڈبوتا تھا



اٹھے نہ کیونکر مرے دل سے آہ کا شعلا

کہ اس طرح کا ہزاروں میں یار ہے ملتا

کہاں وہ عیش کہاں دل ہے اور کہاں وہ مزا

ہوا نہ تجھ کو خمار آخر ان شرابوں کا

نظیر آہ اسی روز کو میں روتا تھا

مخمس جوش جنوں

(590)

کروں احوال کا اپنے بیاں کیا تجھ سے میں یارا
مرا جی نقد دل جس دن بساط عشق میں ہارا
پھر از بس جو کوہ و دشت میں راتوں کو آوارا
سحر آیا جو ہیں میں کلبہ احزاں میں بیچارا
وہیں یکبارگی جوش جنوں نے دل کو للکارا

کہ بس کیا کر چکا عمر اپنی صرف اے شعلہ آتش
دیا آیا تری گرمی میں حرف اے شعلہ آتش
نہیں نالا تو ہے دریائے ژوف اے شعلہ آتش
پڑا ہے کیا فسردہ مثل برف اے شعلہ آتش
بہار آئی دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا

یہ سنتے ہی بھبوکا ہو گیا دل طیش میں آ کر
لیا ایک ایسا چکرّ جس طرح پھرتا ہے گھن چکر
کنار و جیب کی سب دھجیاں کر ڈالیں سر تا سر
اڑا کر گرد مل کر خاک نکلا گھر سے پھر باہر
پڑھا یہ بند اور ہو کر کے نعرہ آہ کا مارا

چناں اکنوں زخود رفتم نمی دانم کجا ہستم
برنگ جاں کرشمہ از کہ در راہ کہ پیوستم
زرہ بگرفت اکنوں این زماں شور جنوں دستم

بجو مم محشرم ' ہنگامہ امؔ دیوانہ امؔ مستم
نہ از پائی شناسم سرؔ نمی دانم زسر پارا

یہ پڑھتے ہی ہوئی پھر تو جنوں کی اور سرسائی
عجب دیوانہ پن کی آ کے موج آنکھوں میں لہرائی
جو ہیں دریائے دل نے آ کے پھر چلنے کی ٹھہرائی
قضا نے لا وہیں اک اس قدر زنجیر پہنائی
کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا

خدا جانے اڑا لائی قضا جا کر کہاں سے وہ
زمیں سے نکلی کافرؔ یا کہ اتری آسماں سے وہ
نرالی تھی غرض اے یارؔ رندان جہاں سے وہ
کھنکتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغاں سے وہ
مگر گرجاز میں ہے رعد کی نوبت کا نقارا

گریباں چاک سر عریاں پریشاں ہوؔ برہنہ پاؔ
جگر میں شور محشر اور زباں اوپر ا ہا ہا ہا
لگا پھرنے جو ہیں شعلہ ہر اک کے گھر میں ہر اک جا
محلے میں پڑا غل دوڑیو ' چلیوؔ غضب آیا
دوانہ ہو گیا ہے پہلوانؔ یارو ' جنوں مارا

مچا بیداد و فریاد اس قدر اور الامان جب واں
کوئی بھاگا کہیں جا کر ہوا کوئی کہیں پنہاں
تو پھر اس حال سے آخر نکل کر واں سے سرگرداں
گیا اک دیر میں اور واں جو لعبت گر اٹھے ہاں ہاں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پشتارا

عجب عالم ہو اس دم کہیں ہو حق، کہیں ہو یا
اسی انبوہ سے جا کر پھر اک مسجد کو جا گھیرا
موذن بھاگے اور عابد چھپے حجروں میں اپنے جا
مصلا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اس جا
کئی زاہد کچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا

جنوں نے جب کڑک اور تھرتھرا کر وہاں سے مارے پر
تو آ پہونچا اسی عالم میں اک میخانہ کے اوپر
مغانہ و مغچہ بھاگے شرابی کانپ اٹھے تھر تھر
خم و قرآبہ و مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کردی خون کا گارا

چمن کے دیکھنے کی پھر ہوئی اس جا سے تیاری
کچل مارے تمامی پھول پھل اور تختہ و کیاری
ستم یہ دیکھ اک آتش لے زدی بلبل جو چہکاری
تو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یک باری
بگولا باد کا، یا برق یا آتش کا انگارا

فضا دیکھ جو صحرا کی تو زنجیریں تڑا ڈالیں
بلند و پست میدانوں کی سب گردیں اڑا ڈالیں
ہجوم جوش سے ہر کوہ کی کمریں بچ ہلا ڈالیں
تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں
کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا

چلا ایسا ہوا کا آسماں سے آ کے اک جھوکا
کہ اس شور جنوں کا آہ سب عالم گیا گزرا

چڑھا اس جوش سے آنکھوں میں آ کر اشک کا دریا
کہ لڑیاں بن کے کافر ہر سر مژگاں سے یوں اچھلا
گویا چھوٹا ہزار ساونوں اور بھادوں کا فوارا
گھٹا اُمڈی جنوں کی اور دھواں آہوں کا آ گمڈا ۳
کڑک نالے کی بجلی نے پھر اس عالم کو چمکایا
تماشا دیکھنے کو اس گھڑی اک عالم امڈا
لگا یوں منہ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کو بوچھارا
بڑھا تو پھر جنوں کے جوش کا اس جوش پر ساماں
جبھی اسے کھل گئی شور قیامت کی بھی آ کر واں
پڑے تھے اشک کی فوجوں سے نالوں کے نشاں اور یاں
نقیب آہ کہتا تھا بڑھے جانا تک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا
زمیں سے آسماں تک بندھ گیا ایسا سماں آ کر
ہجوم خلق سے چیں بھیں مچی ہے کوٹھے کوٹھے پر
وحوش و طیر نکلے کانپ اٹھے دیوار و در تھر تھر
ہوا سناٹے لیتی تھی فلک کو آ گیا چکر
تماشا دیکھیں تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا
عجب دیوانگی نے پھر تو کیں گہری ملاقاتیں
کبھی دائیں کبھی بائیں دکھائیں روز ہی گھاتیں
اڑا اوپر تو کر آیا فلک کے کان میں باتیں
کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں

جو چلتا تھا تو پھر پامال کرتا تھا کیا سنگ کا خارا

میاں پھر تو جنوں کے بندھ گئیں واں اس قدر چھاہیں

کہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوئے خلقت کے اوپر اور بند ہو گئیں راہیں

جو اس میں کوچہ دلدار کی دل کو ہوئیں چاہیں

تو لے بھاگا جنوں واں سے گلے میں ڈال کر باہیں

لے آیا واں کہ تھا جس جا وہ برج حسن کا تارا

کیا آ کر جنوں نے دل کا واں یہ غلغلہ برپا

کہ بن کر آگ اور خس بس جلایا گھر رقیبوں کا

نہ وہ انبہ رہا نے وہ مزا نے دھوم نے چرچا

نظیر آیا جو ہیں پھر ہوش میں تو کہہ کے یہ بولا

کہ آخر ہر کہ لے راز وا لے می شود یارا

خمسہ

(591)

ہے دل میں عزم جس کی چاہت کی چاکری کا
پایا ہے ناز اس نے شوخی میں برتری کا
کیا کیا بیاں ہوا اس کی کج دھج ادا بھری کا
اک پینچ پہ جو اس نے طرہ لے رکھا زری کا
سورج کی جھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا

وہ حسن ہے جو اس پہ کب ہو بت چگل میں
کاکل میں طرفہ خم ہے اچھا نمک ہے تل میں
کیا دور دیکھنے میں کیا طرز متصل میں
جس دن سے حسن چمکا اس کا تو شہر دل میں
کیا کیا پڑا ہے یارو شور اس کی دلبری کا

ہم دیکھتے ہیں جن کے ہر آن رخ کو خوش ہو
چاہت میں اس کی ڈالا خاطر سے رنج سب کھو
آئینہ دیکھ کر اس کو حسرت زدہ ہے یارو
عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جس کو
دیکھے تو ہوش آوے پرواز میں پری کا

ہیں ناز اس کے چنچل اور ہر نگاہ جادو
آنکھوں سے اس کے ہووے شرمندہ چشم آہو
گھر سے نکل کے اپنے کرتا نگاہ ہر سو

آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو

کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

ہنس کر نگہ لڑائی بے باک ہو کر پہلے

پھر کی حیا کچھ ایسی دل دیکھ جس کو بہلے

زلفیں بھی کھولیں منہ پر کچھ چلبلی ادا سے

کہیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے

جس کو مزا نہ پہونچے ہرگز شکر تری کا

خمسہ

(592)

جب اس نے دکھایا مجھے مکھڑے کا اجالا
اک دم میں کیا ہوش کے عالم سے نرالا
بالی نے بھی اک جھوک دکھا کر کیا بالا لے
دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا
اس نے یہ بٹھایا اسے جو پھر نہ اچھالا

جھڑکا ہمیں اس شوخ نے الفت میں سمجھ خام
اور یوں کہا کچے کا نہیں چاہ میں کچھ کام
کوچے سے نکالا ہمیں ٹھہرائے یہ الزام
مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اسے تھام
نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا

ہر لحظہ اسے ہم تو بہت منع تھے کرتے
کہنا جو نہ مانے تو بھلا کیا اسے کہیے
ایک روز عرض ہو کے نڈر خوف و خطر سے
دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اس کے
غمزے نے گرایا وہیں اک مار کے بھالا

یہ حال کیا اس کا جو ظالم کی خوشی نے
جب دل کے تئیں آ گئے خجلت کے پسینے
تھے واں جو کھڑے رحم کیا اس پہ سبھی نے

زخمی اسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے

تو لے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

وہ جس گھڑی اے یار ادھر کو گیا یاں سے

چاہا کہ ذرا سامنے اس شوخ کے ٹھہرے

ایک پل نہ لگی واں میاں بسمل اسے کرتے

اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اس کے

جا تو ہی نظیر اب ادھر اور اس کو اٹھالا

خمسہ دیگر

(593)

نگہ کے جام کا عزم کچھ ادھر ے لا
خوشی سے بیٹھ بہم ناخوشی کی مت رے لا
خفا ہوں جس میں ہم ایسی نہ ہر گھڑی شے لا
ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا
یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا

ملی ہے صحن گلستاں کو بھر کے سر سبزی
چمن چمن میں ہوئی تازگی و شادابی
صدائیں قمری کی ہیں بلبلوں کی چہ چہ بھی
بہار گل کی تو آ پہونچی تو بھی اے ساقی
گلابی مے کی دکھا ساغر پیاپے لا

نثار کاکل مشکین پہ جس کے ہے سنبل
ادا میں سحر بھرا ہے نگہ میں نشہ مل
کھلا ہے تازہ جو گلشن میں حسن کے وہ گل
دل اس سے ملنے کو یوں چاہتا ہے جوں بلبل
چمن میں گل سے لپٹتی ہے بال و پر پھیلا

ہیں اس کے ناز و ادا کے کچھ اب تو یہ نقشے
جدھر کو آتا ہے وہیں کو دل ہیں غش ہوتے
عجب ہوا ہے کچھ احوال اپنا کیا کہیے

وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے
پکارتا ہے پڑا ہر گھڑی وہی سے اِا
ادھر اودھر جو کوئی گلعذار ہے ملتا
تو نظریں اس سے لڑا کریں دل کو دینے لگا
بتوں کے دیکھنے کو پھرتے رہتے ہیں ہر جا
ہوس تو گرم ہے اب تک بھی کیا ہوا جو کیا
میاں نظیر کو پیری نے برف کا تھیلا

مخمسہ

(594)

وقت سحر جو ہم نے اک سیمبر کو دیکھا
مکھڑے سے اس کے حیران روئے سحر کو دیکھا
چین جبیں سے ہر دم نقش خطر کو دیکھا
کیا کیا نگہ لڑا کر اس فتنہ گر کو دیکھا
مدت میں آج میں نے دل کے جگر کو دیکھا

بالی کی جھوک کیا کیا ہر آن ہے درخشاں
اور رنگ پاں ہے ایسا ہو لعل جس پہ قرباں
کیا کیا نزاکت اس کی ہم سے بیاں ہو اب یاں
شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں
اس نازکی سے ہم نے اس کی کمر کو دیکھا

آیا نظر جو اس کی آن و ادا کا نقشا
طرز نگاہ ایسی ہوتا ہے سحر جیسا
جس دم ہنسا وہ گلرو یارو تو کہیے اب کیا
اجلا پن اس کے دیکھا دنداں ہے ہم نے ایسا
جس کی جھلک سے میلا سلک گہر کو دیکھا

آنکھیں نشیلی ایسی مے ہووے جس سے حاصل
نظریں کرے تھیں جادو ابرو کرے تھی بسمل
جب وہ نگار سرکش تک آ گیا مقابل

نوک مژہ نے اس کی لپ جھپ سے ہو کے شامل
دل کو پرویا جس دم ہم نے ادھر کو دیکھا
دیکھی جو یہ تعدی اس دلربا کی اس جا
کچھ جی سے پھر ہمارے اس وقت بن نہ آیا
جب حال دل کا اس نے پل میں بنایا ایسا
پوچھا نظیرؔ چھیدا کیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اس نے ادھر کو دیکھا

دیگر

(595)

اس قد کے آگے تیرا طرز قیام کیا ہے
مت پھول سرو تیرا واں احترام کیا ہے
زیبائی تیری ایسی لطف التزام کیا ہے
چلنے میں ناز تجھ کو ہر صبح و شام کیا ہے
اے کبک اس کے آگے تیرا خرام کیا ہے

ناز و ادا میں اس کے ہے دلبری فراہم
اس رخ کے آگے دیکھیں صورت پری کی کیا ہم
بھولے ہے گھر پہونچنا جس کے نشے سے پیہم
اس چشم کی نگہ کی کیفی کے آگے ہمدم
افیون بھی کیا بلا ہے مے کا بھی جام کیا ہے

سرخی سے اس کے لب کی کب لعل ہو برابر
دنداں کو اس کے دیکھے تو منفعل ہو گوہر
ابرو کی تیغ پہ خم نوک مژہ ہے نشتر
زلف اس صنم کی جس جا ہوتی ہے دام گستر
واں کاکل پری کا اے یار دام کیا ہے

رمزیں نہیں ہیں خالی کچھ اس کے پیچ و خم سے
پھرتی ہے ناز و شوخی اس کے لگی قدم سے
اک روز دیکھ ہم کو عیاریوں کے دم سے

لینے کو دل ہمارا پوچھا یہ اس نے ہم سے
کیوں جی بھلا تمہارا کہیے تو نام کیا ہے

جب اس صنم نے ہنس کر ہم سے کہا یہ اس دم
جانا کہ ہوش ایسے کچھ ہیں یوں ہی سے باہم
اور ہم تو مدتوں سے سمجھے ہیں مگر اور دم
تاڑا تو ہم نے لیکن بولے نظیرؔ یوں یکدم
اس پوچھنے سے تم کو اے جان کام کیا ہے

خمسۂ دیگر

(596)

تو سن کے زین پہ جس دم وہ زیب خانہ ہو گا
ہر ناز دل پہ اس کا جوں تازیانہ ہو گا
بے تجھ میں ہوش جتنا وہ سب روانہ ہو گا
مت مل پری رخوں سے اے دل دوانہ ہو گا
تیر نگہ چلیں گے اور تو نشانہ ہو گا

سج دھج تو اس صنم کی ہوتی ہے دل میں ساکن
پڑتا ہے چین ہم کو کب اس کے دیکھے بن
رکھتا ہے راہ چلتے کیا کیا قدم وہ گن گن
ایسا ہی حسن اس کا بڑھتا رہا تو اک دن
محبوب دہر ہو گا شوخ زمانہ ہو گا

ہم ہیں اسے بلاتے اور وہ ہے دور ہٹتا
جب دیکھتے ہیں جا کر تو منہ کو ہے چھپاتا
ہاتھوں سے اس کے جس دم کھینچا ستم بہت سا
ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا
گر لکھ رکھو گے اس کو رنگیں فسانہ ہو گا

بھر کر نگاہ ہم نے صورت جو اس کی دیکھی
دل نے سرور پایا جی کو ہوئی تسلی
دیکھ کر اس زلف مشکیں یہ بات ہم نے سوچی

بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کرے گی

ٹک تیل پڑ کے اس میں جس وقت شانہ ہو گا

چھینک لے تو دے گیا ہے جا کر ادھر سے ظالم

دل کر گیا ہے کیفی اپنی نظر سے ظالم

آیا نہ کر کے وعدہ جو اب سحر سے ظالم

جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم

دیکھیں نظیر اس کا اب کیا بہانہ ہو گا

خمسۂ دیگر

(597)

یار فقط نہ آئینہ دیکھ کے تجھ کو ہے خجل
نکلے اگر تو صبحدم مہر بھی ہووے منفعل
شب کو تو آ جو بزم میں بیٹھا ہمارے متصل
تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب رخ سے رخ نور سے نور ظل سے ظل

دھوم ترے جمال کی سنتے ہی سب پری رخاں
اپنے گھروں میں چھپ گئے شرم کے مارے ناگہاں
وصف اب ایسے حسن کا اور کروں میں کیا بیاں
یوسف مصری سے میاں ملتے ہیں تیرے سب نشاں
چشم سے چشم لب سے لب زلف سے زلف تل سے تل

چاک ہے گل کا پیرہن مرنے سے عندلیب کے
پرزے کتاں کے اڑ گئے ماہ کے دل میں داغ دے
شمع جلی جو رات کو ساتھ پتنگ بھی جلے
جتنے ہیں کشتگان عشق ان کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک نم سے نم خون سے خون گل سے گل

قیس بھی اپنے عشق میں روز ہی نام کر گیا
مرنے کی جس کی تعزیت کرتے ہیں دشت خاک اڑا
جان گئی تو کیا ہوا عشق میں شرط ہے وفا

جب سے موا ہے کوہکن کہتے ہیں اس کا غم سدا

کوہ سے کوہ جو سے جوٗ سنگ سے سنگ سل سے سل

ہجر میں ایک عمر سے ہم بھی جو بیقرار تھے

کون سے درد و غم ہوئے آہ جو وہ نہیں سہے

شکر ہے بارے یک بیک بعد صد انتظار کے

یار ملا جو آ نظیرؔ میرے گلے تو مل گئے

جسم سے جسم جاں سے جان روح سے روح دل سے دل

خمسۂ دیگر

(598)

دیتا ہے وہ انداز ترے کان کا بالا
دیکھے تو وہیں ہو مہ نو آن کا بے بالا
ہر دلبر گلرو سے ترا ناز ہے بالا
مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشک گل لالا
پھولے ہے پڑا دل میں ترا چاہنے والا

لب لعل، دہن غنچۂ بدن سیم، جبیں ماہ
یاد آتی ہے دیکھے سے ترے قدرت اللہ
قامت کو ترے دیکھ یہ کہتے ہیں دل آگاہ
عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ
خوبی کے گلستاں میں عجب شان سے پالا

ہے آج ترے حسن کی وہ شان و تجمل
انسان تو کیا حور و ملک میں ہے پڑا غل
نازک بدناں ہو کے ترے عشق میں بلبل
سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل
اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا

چہرے سے جو اے جان تو پردے کو اٹھاوے
خورشید بھی ذرہ ہو ترے سامنے آوے
ہرجیں ترے دیکھنے کی تاب نہ لاوے

مہتاب بھی منہ رشک سے ہالے میں چھپاوے
دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اجالا

تو حسن کے عالم میں وہ ہے اے شہ خوباں
محبوب ترے دیکھنے کا رکھتے ہیں ارماں
آئینہ تجھے دیکھ کے رہ جاتا ہے حیراں
دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں
واں بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا

کیا کیا میں کہوں وصف ترے ناز و ادا کا
میں نے تو کوئی نازنیں ایسا نہیں دیکھا
ایک کرشمہ یہ اس ناز و ادا کا ہے ا ہا ہا
دل طور تغافل سے جوں ہی گرنے پہ آیا
جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا

وہ دل کے بہت طالع ہیں یاں جس کے مددگار
ہوتا ہے وہ اے جاں تری کاکل میں گرفتار
رکھ دھیان عنایت پہ ترے حسن کی ہر بار
مشتاق نظیر اک نگہ لطف کا ہے یار
اس کو بھی پلا دے کبھی اس مے کا پیالا

خمسۂ دیگر

(599)

دل کے دینے پر یہ کیسے ہوویں ہم مغرور کیا
اور وفا دکھلا کر ہوویں ہم مسرور کیا
کثرت حسن اس صنم کے ہو سکیں مذکور کیا
لاوے خاطر ہمارے دل کو وہ منظور کیا
جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

چاہا تو کی ہے تمہاری ہم نے دے کر دل کو یاں
پر نہیں طرزوں سے واقف اس کی اب تک اے میاں
ہم ابھی چاہت کے کوچے میں ہیں جو نو واردان
دل نیا ہم نے لگایا ہے بتا وہ مہرباں
اس کی ہے رہ کیا روش کیا رسم کیا، دستور کیا

ہے یہی لازم کہ اس کی چاہ کا ہم دم بھریں
خوش رہیں یا اشک سے ہر آن آنکھوں کو بھریں
کچھ فریب و فن کے اوپر دھیان کیا اپنا دھریں
یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں
اس کے آگے مکر کیا چھل کیا، فسوں کیا، زور کیا

دلبروں میں وہ صنم ایسا ہے سرکش تند خو
کھینچے ہے ابرو کی تیغ اس پر اسے دیکھے ہے جو
ٹھان کر ہم نے یہ دل میں آج ہونی ہے سو ہو

یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو کر زلف کو

بولا! منہ کیا دسگہ کیا تاب کیا مقدور کیا

دل ہوا جس روز سے اس گل کے سنبل میں اسیر

الفت و مہر اس کی ہے اس کے نہایت دلپذیر

کیا ہوا گر وہ ہمیں رکھتا ہے نظروں میں حقیر

ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پریرو سے نظیر

روبرو کیا درقفا کیا' متصل کیا دور کیا

خمسۂ دیگر

(600)

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پہ عاشق ہوئی مہندی
کہ باطن میں ہوئی ہے سرخ ظاہر میں ہری مہندی
کرے خونیں دلوں سے کیوں نہ ہر دم ہمسری مہندی
گئی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی پسی مہندی
جب اتنے دکھ سہے جب اس کے ہاتھوں میں لگی مہندی

حنا کی مچھلیاں اس کے کف رنگیں میں جو دیکھیں
نگہ میں آن کر اس دم عجب رنگینیاں جھمکیں
کہوں کیا کیا میں ان مہندی بھرے ہاتھوں کی اب تزئیں
شفق میں ڈوب کر جوں پنجہ خورشید ہو رنگیں
چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

ہتھیلی چاند سی ہو جن کی اور ناخن ستارے ہوں
وہ پتلی انگلیاں جن سے نزاکت کے سہارے ہوں
طلائی نقرئی ہیروں کے چھلوں کے کرارے ہوں
جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور ان کا ہے جی مہندی

وہ پہونچے جن میں پہونچی سو نیاز و عجز سے پہونچی
اور ان پوروں کے ملنے سے بڑھی ہے شان چھلوں کی
عجب تم بھیگتی ہو اور عبث پتھر سے ہو پستی

کف نازک پہ اس کے تو ہے اصلی رنگ کی سرخی
تمہاری واں یاں کلی نہیں نخق ہو بی مہندی

جو دیکھا میں نے ان مہندی بھرے ہاتھوں کا ہل جانا
انگوٹھی بانک لے چھلے آر سی کا پھر نظر آنا
مرا دل ہو گیا اس شمع رو چنچل کا پروانا
بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اس کو دیکھ دیو آنا
کہ ہوویں جس پریرو کے پری ہاتھ اور پری مہندی

یکایک مجھ دیکھ کر مجھ کو وہ چنچل نازنیں بھری
ادھر میں نے بھی دیکھا خوب اس کو کر کے بے شرمی
کہوں کیا کیا میں اس کی اب نزاکت واہ اور نرمی
ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی
کہ دست و پا میں اس کے دیر تک مسلی گئی مہندی

کہاں تک گلعذاروں کے بھی ہاتھوں کو رسائی ہے
کہ جن کے واسطے اللہ نے مہندی بنائی ہے
یہ سرخی لعل نے نے پنجہ مرجاں نے پائی ہے
نظیر اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارکباد اچھا واہ وا خاصی رچی مہندی

خمسہ دیگر

(601)

جہاں میں ہم سے جو پرغم رہے رہے نہ رہے
سرور و عیش سے باہم رہے ' رہے نہ رہے
جو یاں بہت رہے یا کم رہے' رہے نہ رہے
ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے تک جم رہے رہے نہ رہے

نہ زیب کعبہ نہ دیر و مغاں کی رونق ہیں
نہ حسن دشت ہیں نے گلستاں کی رونق ہیں
کوئی کہے تو بھلا ہم کہاں کی رونق ہیں
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہمارا کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

کسی کی سن کے زبان مرا یہ حال تباہ
چلا ہے گھر سے مجھے دیکھنے وہ حسن پناہ
ہزار درد سے بھاری ہے اب یہ غم واللہ
مجھے ہے نزع میں آتا وہ دیکھنے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے

ہم اپنے غم کو بھلا کس طرح کریں اظہار
کہ عمر اپنی تو ٹھہری ہے آہ کے مثل شرار
کس آرزو پہ بھلا دیویں اپنے دل کو قرار

بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے

میاں ہماری تو آنکھوں میں دم ہے برسر راہ
یہ آرزو ہے تمہیں دیکھ لیویں بھر کے نگاہ
ہمارا وقت تو رخصت کا آ لگا اب آہ
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوک گیاہ
مثال قطرہ شبنم رہے رہے نہ رہے

بتوں کے عشق میں جینے سے ہاتھ دھو لیجے
اداؤ ناز پہ ان کے نثار ہو لیجے
جو صبر و ہوش کو کھونا ہے اب سو کھو لیجے
یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے
کہ کل یہ دیدہ پرنم رہے رہے نہ رہے

جفا و جور میاں تم نے ہم پہ جو کچھ کی
یقیں ہے تم کو ہم نے وہ سب خوشی سے سہی
ہزار بات کی اک بات ہے یہ سن لو جی
تمہارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے

تمہاری بزم میں اس وقت ہم جو حاضر ہیں
نہ جانیو کہ ہمارے یہ بار خاطر ہیں
ہم اپنے کام میں اے یار، یار شاطر ہیں
یہی سمجھ لو ہمیں تم کہ اک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے



ہوس ہے اب تو یہی نقد دل تلک دیجے
شراب عیش کی خوباں میں بیٹھ کر پیجے
بھرا ہے شوق بہت دل میں آہ کیا کیجے
نظیر آج بھی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

دیگر

(602)

اب تو ہر شوخ پری وش نے سنبھالا بالا
ہر کہیں زور دکھاتا ہے اجالا بالا
سب کے بالوں سے تمہارا ہے نرالا بالا
تم نے جس دن سے صنم کان میں ڈالا بالا
ہو گیا چاند سے رخسار کا ہالا بالا

آئی وہ شوخ جو کل ناز و ادا سے اس جا
تھی وہ سج دھج کہ پری دیکھ کے ہو جائے فدا
پھرتیاں اس کے میں غمزوں کی کہوں اب کیا کیا
نو مژگاہ کو خبر ہونے نہ دی آہ ذرا
دل کو یوں اس کی نگہ لے گئی بالا بالا

چال چلتی ہے عجب آن سی وہ ناز بھری
ہر قدم پہ مرے سینے میں ہے ٹھوکر لگتی
مستیاں واہ میں کیا کیا کہوں اس جوبن کی
جب ہلاتی ہے صراحی سی وہ گردن اپنی
نشہ حسن کو کرتا ہے دوبالا بالا

اس کی پلکوں کی جو لگتی ہے مرے دل میں نوک
اے دل اس شوخ کے تو بالے سے جو بن کو نہ ٹوک
آہ سینے میں کروں اپنے میں کس کس کی روک

ایک تو قہر ہے کانوں میں کرن پھول کی جھوک لے
تس پہ ع کافر ہے جگر چھیدنے والا بالا
بالے بھڑکاوے کے انداز تھے کرتے کیا کیا
جز تجمل ہونے کے کچھ جی سے نہ بن آتا تھا
یہ جو ہر جھوک میں ہے اپنی جھلک دکھلاتا
اے دل اس بالے کی ہرگز تو لگاوٹ پہ نہ جا
تجھ کو بتلاوے گا بالی پہ یہ بالا بالا
جب وہ بن ٹھن کے نکلتے ہیں بنا حسن کی شان
اس کی ہر آن پہ ہوتی ہے فدا میری جان
طرز چتون کی لگاوٹ میں دکھا سحر نشان
وہ بھی کیا آن کا ڈھب ہے کہ دکھاتا ہے ہر آن
کان کے پاس سے سرکا کے دوشالا بالا
ہو گیا جب سے دل اس شوخ کے بالے میں اسیر
کوئی بن آتی نہیں وصل کی اس کے تدبیر
یاں تک اس بالے نے ہے مرے جی میں تاثیر
اب تو رہ رہ کے مرا دل یہی کہتا ہے نظیر
اک نظر چل کے مجھے اس کا دکھا لا بالا

خمسۂ دیگر

(603)

بہر دنیا کس قدر بے جام مے مستانہ تھا
خوش معاشی کے لیے مشتاق بیتابانہ تھا
شمع بزم عیش و عشرت کا بجاں پروانہ تھا
یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا
اس کو اپنا گھر یہ سمجھتا تھا جو مہمان خانہ تھا

رات دن تھا محو ربط و اختلاط دوستاں
کچھ بیوفا اوربیوفائی کا نہ رکھتا تھا گماں
اس کی نادانی و کم فہمی کروں کیا کیابیاں
تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا بجاں
اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا

ہے طلسم پر عجائب عالم ظاہر سمات
جس کا رخ آیا ادھر بازی ہوئی پھر اس کی مات
راستی کو پوچھو تو ہے سو بات کی یہ ایک بات
لے لیا معنی کو صورت کو جانا بے ثبات
غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا

فی المثل پہونچے بہم یاں درہم و دینار و دام
یاسر و راوز و شب یا اتفاش لے صبح و شام
یہ نہیں وہ مے جو ٹھہرے ایک ساغر میں مدام

کیا غم اس اسباب کا ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام
چشم معنی بیں میں یکساں ہے اگر تھا یا نہ تھا

جائے عشرت کیا جہاں ہووے تبدل ہر زماں
یعنی جو ثروت تھی یاں سو آج پہونچی جا کے واں
فکر سے دیکھا تو کیا متنبہ ہے اے دوستاں
کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں
قطعہ خلد اس کا اک کُنج اور کاشانہ تھا

رفعت اس کے بام کی بام فلک سے تھی دوچار
منظریں ۲؎ بھی حسن و خوبی میں تھیں یکسر آشکار
ہر مکاں اس کا مرصع اور مطلا ۳؎ استوار
پُر صفا و پُر ضیا و پُرنگار و پُر بہار
زیب سے سو سو طرح اس میں جو شاخ اور شانہ تھا

ساکن اس کے عیش کے رکھتے تھے کیا کیا کچھ ورود
کر رہے تھے سو تماشے خوش دلی کے زود زود
بج رہے تھے جا بجا قانون ۴؎ و بین و چنگ و عود
لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود
گریہ مینا و یکسر خندہ پیمانہ تھا

کچھ نہ رکھتے تھے بغیر عیش و طرب کے دل میں یاد
تھے مہیا سب طرح خاطر کے مقصود و مراد
سیر کرنے کو بہ ہنگام مسا یا با مداد
مالک اس کا جب وہ پشت بام پر پھرتا تھا شاد
کیا کہوں کیا کیا اسے ناز سرفرازانہ تھا

عشرتیں کرتا تھا واں ہر دم وہ کس کس طور سے
ہرگز اندیشہ نہ تھا کچھ آسماں کے جور سے
یہ تبدل سوچیو اے دوستو ٹک غور سے
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے
یک مژہ برہم زدن میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا

ہو جہاں یہ شکل واں باقی رہے کیا ہوش میں
سردی آ جاوے نہ کیونکر پھر ہوس کے جوش میں
اس طرح سے دل تحیر کے نہ ہو آغوش میں
واں طنین ۵ یک مگس آئے نہ ہرگز گوش میں
جگ جگہ شور قیامت ساز تو بت خانہ تھا

کیوں نہ ہو عقل و خرد کی عالم حیرت میں راہ
ایسے ایسے جب یہ تبدیلات آ جاویں نگاہ
خطفۂ ۶ برق ان کو گنئے یا شرر اب کہیے آہ
واں نظر آیا نہ ہرگز پارہ سنگ سیاہ
جس جگہ لعل سے پر جواہر خانہ تھا

جس گھڑی اسباب دنیا اس قدر ہوں بیوفا
پھر دل آگاہ کو کیا اعتماد اس کا بھلا
بے بقائی اس کی جو جو کہیے وہ سب ہے بجا
خوب جو دیکھا نظیر ان رفتگاں کا ماجرا
بہر خوف و عبرت آیندگاں افسانہ تھا

خمسۂ دیگر

(604)

کیا تو نے حال اس سے مرے درد کا کہا
اور میرے انتظار کا کیا ماجرا کہا
رنج فراق کچھ نہ کہا تو نے یا کہا
قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا
حرف عتاب یا سخن دل کشا کہا

آتا ہے ہول اب تو مرے دل میں ہو بہو
صبر و قرار ہوتے ہیں خاطر سے ایک سو
جس جس طرح کی باتیں ہوئیں تیرے روبرو
تجھ کو قسم ہے کیجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اس نے مجھے برملا کہا

میں تو کمال ہجر میں ہوں اس کے بے قرار
دن رات اس کے آنے کا رکھتا ہوں انتظار
جلدی سنا مجھے جو ہوا تجھ پہ آشکار
قاصد نے جب تو سن کے کہا کیا کہوں میں یار
پہلے تجھی کو اس نے بہت ناسزا کہا

ماتھا ہوا مرا عرق شرم بیچ نم
سنتا رہا میں اس نے کہا جو بیش و کم
غصے کی باتیں کہہ چکا جب مجھ سے وہ صنم

پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجھلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا برا کہا
سرنامہ خط کا دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
نامے کو دور پھینک دیا ہو کے پر عتاب
اور یہ کہا کہ جا بے یہی خط کا تھا جواب
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بار ہا کہا
میرے جو ہوش سنتے ہی اس بات کے اڑے
گھبرا کے جلد میں نے قدم راہ میں رکھے
آیا ہوں پر شتاب خبر کرنے کو تجھے
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بیجا کہا یہ اس نے تجھے یا بجا کہا
تجھ پر تو اس نگار کی خو بو تھی سب عیاں
کیوں نامہ لکھ کے تو نے کیا درد دل بیاں
اب آن کر کرے گا وہ کیا کیا خرابیاں
کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اس کو خط میاں
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا

دیگر

(605)

خدا جہاں کا گر اس صنم کو بھی مدار المہام کرتا
تو اک نظارے میں وہ ستم گار کام سب کا تمام کرتا
نہ کوئی جیتا نہ کوئی رہتا جو اپنی ضد کا وہ کام کرتا
بتوں کی مجلس میں شب کو مہر و جو اور تک بھی قیام کرتا
کنشت ویران صنم کو بندہ برہمنوں کو غلام کرتا

فلک نے اپنی تمام خلقت میں مجھ کو تجھ کو کیا نرالا
نہ مجھ سا عاشق نہ تجھ سا معشوق میں نے عالم کو دیکھ ڈالا
غریب حیران اسیر گریاں نہ جی میں طاقت نہ دل میں نالا
خراب خستہ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے تیری میں نام کرتا

جہاں کی وسعت میں صور پھکتا اندھیرا ہوتا تمام دوراں
درخت اکھڑتے ستارے گرتے لرزتیں حوریں فرشتے ترساں
زمیں الٹتی سپہر گرتا پہاڑ اڑتے روئی سے یک جاں
کروڑوں دل جو موئے پڑے ہیں نکلتے خونیں کفن سے نالاں
قیامت ہو جاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

یکا یک آ کر بہ اضطرابی ملا جو مجھ سے وہ ماہ پیکر
کہا کہ خوب ہی لگا ہے جھگڑا کہا رقیبوں سے میں نے جا کر
ہے اب وہ دشمن ہے ان کا خونی کہا یہ میں نے کہ اے ستم گر

نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوئے پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپ ہی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا

ذرا بھوؤں کی اشارتوں سے اگل جو پڑتے مژہ کے خنجر
تڑپتے لاکھوں برنگ بسمل خوشی سے ہو کر شہید اکبر
نہ باغ بچتا نہ باغباں سب یہ حال ہوتا پھر اس دم آ کر
وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا جو مسکرا کر
تڑپتی بلبل سسکتی قمری گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا

ہماری جانب سے منہ چھپا کر جو بیٹھا مجلس میں آن کر تو
حواس و ہوش و قرار اپنے تو وہیں اڑ گئے ہوا پہ ہر سو
رہا تھا جی باقی ایک نالاں سو وہ بھی اٹکا تھا آ کے جوں مو
بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے اے پریرو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آ کر مقام کرتا

کیا ہے کاکل کی فوج نے تو ہمارے دل پر ادھر کو شب خوں
ادھر سے چہرے کی ہے چڑھائی عجب میں لیل و نہار میں ہوں
غلط نہ جانو اب اس کو یارو قسم ہے تم سے میں راست کہدوں
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

عجب مزہ تھا جو میکدے میں ہوئے تھے بادہ پرست بیخود
رفیقوں اوپر نشے سے ہر دم صنم کے چلتے تھے دست بیخود
ہر اک پڑا تھا سرھانے خم کے کرے تھا ہر ایک جست بیخود
وہ بزم اپنی تھی میخوری کی فرشتے ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کر آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا

ہمارے حق میں جو تیرے آگے ہر ایک نکتے سے چھن رہا ہے
سُنے سے جس کے فلک بھی ظالم سر اپنا حسرت سے دھن رہا ہے
ترا سبب ہے یہ جو سُنے ہے اگرچہ سن کر کے سن رہا ہے
نظیرؔ تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو مجھ سے آ کر کلام کرتا



مخمسہ

(606)

قمر خجل ہوا خون کی جھلک، نہ دیکھ سکا
سنہرے رنگ کی کندن ڈلک نہ دیکھ سکا
گہر بھی لب کے سخن کی ڈھلک نہ دیکھ سکا
ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
کھلی نقاب رہی جب تلک نہ دیکھ سکا

ترے الم میں نہ ہو دخل سو مہورت کو
نہ ہمسری ہو کبھی صاف سے کدورت کو
ملاپ تجھ سے کہاں آب و گل کی مورت کو
تو ہے وہ نور سراپا کہ تیری صورت کو
بشر تو کیا ہے مری جاں ملک نہ دیکھ سکا

غم فراق میں جینے سے ہم جو اکتائے
ندان یار کے کوچے میں جا کے کام آئے
تو واں بھی ذرے ہمارے ہوا نے اڑائے
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے
ہمیں تو آہ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

ہوا ہوں سوکھ کے کانٹا میں ہجر میں رہ رہ
نہ بال اور نہ کمر اب مرے مقابل ہو
کمال ضعف کا اپنے کہوں میں کیا یارو

یہ ناتواں ہوں کہ آیا جو یار ملنے کو
تو صورت اس کی اٹھ کر بھی پلک نہ دیکھ سکا

پڑا ہے آہ مجھے جب سے شوخ سے پالا
نہ جی کو چین ہوا نہ دل نے سکھ پایا
لگا لگا کے نگاہوں کا تیر اور بھالا
گھڑی تو دل کو پرویا گھڑی جگر چھیدا
کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا

ابھی تو آہ خموں میں شراب ہے باقی
سبھوں کے عیش کی یاں ہو رہی ہے بیباقی
ہماری بار کو ظالم بعین مشتاقی
لگا کھنا نے جواب مے کو دم بدم ساقی
ہمارے جام کی شاید چھلک نہ دیکھ سکا

کبھی ادھر جو قاصد ترا گزر ہووے
دیا کہ راہ میں جاتے کہیں وہ مجھے لے
تو آہ بھر کے یہ کہیو تو اس پری رو سے
نظیر تم سے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے
پہ کیا کرے کہ وہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

خمسہ دیگر

(607)

تنہا نہ منہ کو دیکھ جگر گل کا پھٹ گیا
قد کی بھی شان دیکھ کے ہر سرو کٹ گیا
قاصد تو بات کہتے ہی بس گھر کوسٹ لے گیا
جب میں سنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ الٹ گیا

لائے ہو کیوں طبیب کو تم میرے پاس آج
یارو کہیں بھی عشق کی دارو کا ہے رواج
پوچھو نہ مجھ سے ہر گھڑی تم صحت مزاج
میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اکھٹ گیا

اس عاشقی کے ہاتھ سے مرنے کے ہوں قریب
قسمت میں عاشقوں کی سدا دکھ ہے یا نصیب
مت پوچھ حال دل کا مرے آگے اے حبیب
فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں ہوا غریب
لیلی کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

مجھ کو تو یارو حسن پرستی کا ہے مزا
خوباں کا دیکھنا ہی مرے دل کی ہے دوا
میں تو اسی کو دوست سمجھتا ہوں واہ وا

اتنا کوئی کہے کہ دوا نے پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی ادھر کوئی پریوں کا غٹ گیا

اس شوخ کی نگاہ میں دغ آن میں فسوں
کب تک میں اس کے ہاتھ سے بچتا ہوا پھروں
قزاقی اس کے حسن کی کیا کیا بیاں کروں
چھینا تھا دل کو چشم نے لیکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اس صف مژگاں میں بٹ گیا

وہ شوخ تو کرے ہے دغا آنکھوں آنکھوں میں
لیتا ہے دل نگہ سے چرا آنکھوں آنکھوں میں
جادوگری ہے کرتا ہوا آنکھوں آنکھوں میں
کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

انگیا کے حسن کی جو نظر آ گئی بھڑک
اک آگ دل کے بیچ گئی اس گھڑی بھڑک
سورج کی اب جھمک کہوں بجلی کی یا چمک
آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اس پری کے جو پردہ الٹ گیا

اک دن کہیں وہ سیر کو نکلی تھی مہ جبیں
کی عرض اس سے میں نے کہ اے میری دلنشیں
یہ کیا ہوا ہے مجھ سے جو تو بولتی نہیں
سن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنیں
کیا بولیں چل ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا

مجھ کو تو اس کے روٹھنے کا کچھ نہ تھا دھیان
یہ بات سن میں رہ گیا حسرت سے نیم جان
ہاتھوں کو جوڑ چشم سے آنسو کو کر رواں
جب میں نے اس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسا تو اب غضب نہ کرو یار دل ربا
کس بات سے ہوا ہے مزاج آپ کا خفا
میں جانتا نہیں ہوں تمہیں مجھ کو دو بتا
ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا
جس سے یہ دل اداس ہوا جی اچٹ گیا

میں تو تمہارے پیار سے جیتا ہوں ناتواں
دیکھے سے تم کو جان میں آتی ہے میرے جاں
اس دم جو تم خفا ہو تو میں کیا کروں بیاں
آنکھیں تمہاری کیا پھریں اس وقت میری جاں
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ الٹ گیا

تم پر تو میں نثار سدا صبح و شام ہوں
تم آب زندگی ہو تو میں تشنہ کام ہوں
ہر دم تمہاری چاہ کا دل سے غلام ہوں
عشاق جاں نثاروں میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں تو اس کے گلے سے لپٹ گیا

یہ جو جھمیلا اس سے ہوا آ کے یک بیک
بلا سا وہ جگر وہیں اس کا گیا دھڑک

جوں جوں میں لیتا اس سے بولا کہ چل سرک
کتنا ہی اس نے تن چھڑایا چھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

کشتی سی پھر تو ہونے لگی آ کے یک دگر
بازو چھڑائے اس نے تو جا پکڑی میں کمر
وہ کھینچے مجھ کو میں اسے کھینچوں تھا سر بسر
یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں میرا ادھر
ٹکڑے ہوا اور اس کا ڈوپٹہ بھی پھٹ گیا

اس نے بھی میری ضد سے گریباں لیا تھا چیر
میں نے بھی اس کی کرتی کی پھاڑی کئی دھجیر لے
پھر تو وہ ہنس کے میرے گلے لگ گئی شریر
آخر اسی بہانے ملا یار سے نظیر
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

خمسۂ دیگر

(608)

تھا وصل کا جس طور نقشہ دل میں وہ پالا
ویسا ہی فلک نے یہ خلل ہجر کا ڈالا
کیونکر نہ بہے چشم سے اب اشک کا نالا
پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
اے داغ مبارک ہو تجھے منصب والا

قصے کو میرے سامنے ہرگز نہ بکھانو
اثبات جو کرتا ہے تو اس بات کو چھانو
یہ جھوٹ نہیں تم اسے مانو کہ نہ مانو
شیریں کے در اوپر یہ جوے شیر نہ جانو
فرہا کے ہو ہو کا چھلکتا ہے یہ نالا

بھر عمر کبھی ہم سے ہوا تھا نہ جدا وہ
کل اس کے تئیں لے گیا اک شوخ جفا جو
جیتا ہے خدا جانے ویا مر گیا رو رو
کیا جانے وہ کس حال میں ہووے گا عزیزو
دل آج مرا سلمہ اللہ تعالی

ہے گرچہ لڑکپن میں ابھی شوخ وہ مشہور
پردم میں کسی کے نہیں آتا ہے یہ مقدور
کیا کیا میں کروں اس کی اب عیاری کا مذکور

بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے چل دور
اوروں کو کہا لے تو وہیں ہنس کے کہا ' !!
دل سب سے اٹھا جان تجھے میں نے جو چاہا
جو ظلم و ستم تو نے کیا سب وہ اٹھایا
اب نزع میں ہوں تیرے تغافل سے ا ہا ہا
رگ رگ میں تیرے ہجر میں اے رشک مسیحا
مرتا ہوں کوئی اب مرے جینے کی دوا !!
اس شوخ کو یارو یہ کوئی جا کے سناؤ
جینے مجھے اس ہجر کے زنداں سے چھڑاؤ
کچھ باقی نہیں' مجھ سے تم اب ہاتھ اٹھاؤ
مجھ ضعف کے مارے کو نہ زنجیر پنھاؤ
کافی ہے مری قید کو اک مکڑی کا جالا!
کل ہو جو گیا اس ضعف مژگاں کے مقابل
بسمل سا تڑپتا تھا سر شام سے گھائل
چپ ہونے سے اب مجھ کو یقیں ہو گیا حاصل
شاید کو موا رات کو سینے میں مرا دل
نہ آہ نہ زاری نہ دم سرد نہ نالا!
نہ زر ہے مرے پاس جو اس شوخ کو دیکھوں
نہ زور کو دھمکا کے اسے پاس بلا لوں
کچھ بن نہیں آتا ہے' کسے جا کے سناؤں
گر بس ہوا مرا تو میں کسی چور سے کہدوں
جا آج پلنگ اس کے سونے کا تو اٹھا لا!

دنیا میں جو کرتا ہے کسی کو کوئی اب چاہ
سب ناز اٹھاتا ہے وہ اس شوخ کے دلخواہ
خوبوں کے مزاجوں سے ابھی تو نہیں آگاہ
وہ آپ سے روٹھا نہیں منّنے کا نظیر آہ
کیا دیکھے ہے چل پاؤں پڑ اور اس کو منا لا



دیگر

(609)

تھا ہجر میں جیا دل ویران تہ و بالا
ویسا ہی بسا وصل کا ہوتے ہی اجالا
ہو چاہ کا رتبہ نہ بھلا کیونکہ دوبالا
پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنتہ للہ تقدس و تعالے

کچھ غم نہیں گر تو نے لہو میرا بہایا
بسمل کی طرح خاک میں اور خوں میں لٹایا
ارمان جو کچھ دل کا مرے تھا سو بر آیا
کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم تجھے جیتا رکھے اللہ تعالے

اس عالم لیلی کی ہوئی جب سے مجھے چاہ
تن سوکھ کے کانٹا ہوا اور مثل پرکاہ
اس حال کو پہونچا ہوں غم و درد سے واللہ
دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی واہ
پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا

آنکھوں میں دم آیا ہے مرا نزع سے اب تو
دنیا سے گزرتا ہوں میں حسرت زدہ رو رو
اکھڑا ہے دم اور نکلے ہے جی اب کوئی دم تو

مر مر مجھے کہتا تھا، سو مرتا ہوں میں، یارو
اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا

غنچوں کی طرح مل کے لہو اپنے دہن سے
زخموں کے نشاں سب وہ نمایاں ہیں بدن سے
حسرت زدہ گھبرا کے ہر اک اپنے کفن سے
بن تختۂ گل آخرش اس خاک چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

مرتا ہوں تڑپتا ہوں پڑا ہجر میں اس بن
دن عمر کے بھرتا ہوں شب و روز میں گن گن
مل جاوے کہیں تجھ سے وہ کافر جو کسی دن
قاصد تو مرا نام لیجو نہ ولیکن
کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا

اب فصل بہار آئی ہے دھوموں سے زمن میں
فرقت کے غم و درد سے طاقت نہیں تن میں
اور غل میں پڑے بلبل و گل سرو سمن میں
کیا خاک اڑانے کو چلیں آہ، چمن میں
نہ یار نہ ساقی نہ صراحی، نہ پیالا

مدت میں کہیں ایک تو آنا ہوا اس کا
اور آتے ہی قسمت نے مری اس کو رٹھایا
رہ رہ کے مجھے اب تو یہی حیف ہے آتا
جیسا کہ وہ مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

یہ نور جو برسے ہے بڑا کوچہ و در سے
یارو یہ تجلی تو نہ ہو شمس و قمر سے
دل دھڑکے ہے دیکھا نہیں جاتا ہے نظر سے
شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اسی چاند سی صورت کا اجالا

اس شوخ کی صورت کو ترس رہتی ہیں آنکھیں
دریا کی طرح رات و دن لے بہتی ہیں آنکھیں
فرقت کا جواز بسکہ ستم سہتی ہیں آنکھیں
لے لے کے بلائیں مجھے یوں کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے پھر ایک نظر اس کو دکھایا

ہے اس کے تو چہرے پہ عجب رنگ چمکتا
پر رنگ وہ ایسا ہے کہ سمجھا نہیں جاتا
نہ سبز نہ سرخ اور نہ سفید اور نہ سنہرا
دل جانے ہے اس رنگ کو جو رنگ ہے اس کا
یوں کچھ ہی کہو وہ تو نہ گورا ہے نہ کالا

چکر نے مرے ہوش کو افلاک نے کھویا
تلووں کے تئیں خار بیاباں نے پرویا
نہ ابر نہ شبنم نے تک آنکھوں کو بھگویا
صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

کل ہم نے جو کی بادہ کشی صبح سے تا شام
اور پی کے چلے ساتھ ستمگر کے کئی جام

اس ضد کا بھلا کیوں نہ اسے دیجیے الزام
اوروں کو تو نے کبھی نہ پائے جو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

کیا کیا نہ ستم تو نے سہے عشق میں جاں کاہ
آنکھوں میں دم آیا ترا تن غم سے ہوا کاہ
اب جینے کا تیرے کوئی چارہ نہیں واللہ
ہم تجھ سے اسی روز کو روتے تھے نظیر آہ
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

خمسہ ہفت زباں

(610)

ہمیشہ چاہت کی دشمن ہے جس کو دل اس کا ہے مہر خوں کا پالا
لگائے رکھتا ہے اس کی چشمک جو حسن اس نے ہے دیکھا بھالا
دیا دل اپنا اسی کو ہنس کر جہاں پریرو نے یوں کہا لا
سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہوا اجالا

ہوا نہایت میں جی میں خوش دل نظر پڑا وہ صنم جو مجھ کو
صفت کی اس کے جمال کی واں کھڑے کھڑے میں نے دل خوش ہو
جو دیکھی میں نے وہ اس کی خوبی مری زباں سے بیاں وہ کب ہو
وہ زلفیں اس کی سیاہ پر خم کہ ان کے بل اور شکن کر پارہ
نہ پہونچے سنبل نہ پہونچے ریحاں، نہ پونچے ناگن نہ پہونچے کالا

بہار دیکھی جو اس صنم کی تو وصف اس کا کہوں میں کیا کیا
پری بھی دیکھے تو شرمگیں ہو وہ حسن و خوبی بھرے سراپا
وہ چال چنچل وہ نظریں جادو، وہ پیاری صورت، وہ خوب نقشا
ادائیں بانکی عجب طرح کی وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھویں وہ جیسی کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا

عجب روش کا وہ شوخ گل رو، کہوں میں کیا کیا کچھ اس کی خوبی
ہوا فدا میں دل اور جاں سے وہ طرز اس کی جو میں نے دیکھی
کچھ ایسا مہوش، کچھ ایسا دلبر، کہوں کہاں تک صفت میں اس کی
وہ آنکھیں مست اور گلابی اس کی کہ ان کو دیکھتے تو دیکھتے ہی

مے محبت کا اس کی دل کو ہو گیا ہی گہرا نشہ دوبالا

وہ شوخ چنچل کچھ ایسے ڈھب کا کہ اس کا مکھڑا جو کوئی دیکھے
پھرے دیوانہ سا ہر طرف وہ اسی کی چاہت میں ہوش کھووے
لگاوٹیں ہیں کئی طرح کی فریب و فن بھی کئی نمط کے
لبوں پہ سرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا

خوش اپنے دل میں بہت ہی میں اس پریرو کے دیکھنے سے
نثار اس پر ہوا میں کیا کیا جب اس کے انداز و ناز دیکھے
جو شوخیاں میں نے اس میں پائیں کہاں تک ان کا بیاں ہو مجھ سے
نگہ لڑاتے ہی اس نے جس دم جھپک لیا جھپ تو دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر دبوچا' پلک پلک نے ادھر اچھالا

جب اس پریرو کے ہاتھوں آ کر یہ شکل واں میرے دل کی ٹھہری
رہا میں بے بس کہوں میں کس سے جو میرے اس وقت جی پہ گزری
ہوئی اذیت جو مجھ پہ اس دم وہ میں ہی جانوں وہ خبر کے جی
جو لے لیا جی کو میرے یارو تو اس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا

جب اس صنم کی ادا نے اس نے جا دکھایا اپنا وہ مجھ کو جادو
پھنسا میں زلفوں کے بل میں یارو رہی نہ عقل و خرد سر مو
ہوا میں بے کل برنگ بسمل جو ہوش تھا سب ہوا وہ یک سو
بہت یہ میں نے میں تو چاہا پوچھوں میں نام اس کا وے وہ گل رو
نہ مجھ سے بولا' نہ کی اشارت' نہ دی تسلی' نہ کچھ سنبھالا

غرض وہ عیار میرے دل کو جو لے گیا چھل کے واں سے اس دم

صبا کے قاصد کو میں نے بھیجا کئی زبانیں سکھا کے پیام
جو پہونچے واں تو یہ کہیو پہلے تو اس زباں سے بدیدہ نم
پریرخ من شکر لب من' دمے تو باز آبہ پیش چشم
بیاد سرو تو بے قرارم' نہال عشقت شدہ است بالا

غرض وہ عیار میرے دل کو جو لے گیا چھل کے واں سے اس دم
صبا کے قاصد کو میں نے بھیجا کئی بانیں سکھا کے پیام
جو پہونچے واں تو یہ کہیو پہلے تو اس زباں سے بدیدہ نم
پریرخ من شکر لب من' دمے تو باز آبہ پیش چشم
بیاد سرو تو بے قرارم نہال عشقت شدہ است بالا

گیا ہے جب سے تو منہ دکھا کر نہیں پڑا چین مجھ کو اب تک
کھلی ہیں آنکھیں برنگ نرگس رہا ہوں تیری ہی راہ میں تک
جھمک دکھا جا ٹک اپنے رخ کی کسی طرح سے تو پھر یکا یک
فداء و جہک عشی شرقا' دموع نہرا و من فراقک
کثیر حزنی تامع الہموم ثقیل ہجرا و کالجبالا

ہوئی وہ تقصیر مجھ سے کیا اب تو جس کے باعث جدا ہوا ہے
مرا تو جان و دل اے پری رو تجھی صنم پر فدا ہوا ہے
کسی طرح سے تو جلد آ جا نکلتی منہ سے یہی صدا ہے
تساڈے ملنے تو دل ہے بیکل ایہی وہ کلاں نت اکھدا ہے
سدا ے میںوں دے اپنے گھر وچ نہیں تو اتھے اساڈے نال آ

تجھی میں رہتا ہے دھیان میرا نہ سکھ ہے دن میں نہ نیند ریناں
ترا ہی لیتا ہوں نام ہر دم جپیں ہیں سمرن کو جیسے جپیاں
کہیں سے آ مل تو مجھ سے پیارے جو میرے دل کو ٹک آوے چیناں

تمہاری آسا لگی ہے نسدن' تمہارے درشن کو ترسیں نیناں
دلاری سندر' انوٹھے ابرن' نبیلے موہن' انوکھے لالا!

تری جدائی میں اے ستمگر' یہ سختی مجھ پہ ہے اب گزرتی
نہ گھر میں دل کو قرار آوے' نہ میرا باہر کہیں لگے جی
نہیں جو آیا تو اس طرح کو یہ بات کیا تیرے دل میں ٹھہری؟
اپا نے من کو جو چھینوں تھیں سی ابار کائیں لگائی اتی
پھر آنکھیں آ کر گھبرا لو مہاں کی پلک کنارا جو تہاں نے کھالا!

وہ تیری صورت ہے جب سے دیکھی تو ہر دم آنکھیں رہے ہیں حیراں
جو کاکل آتی ہے یاد تیری تو دل ہوتا ہے بہت پریشاں
ارے چھبیلے ارے چھبیلے ارے رسیلے کبھی تو آیاں
اگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تو رے ایمن بھوانواں
تورے جوبنواں لے موہا مہکو نہ چھینوں تنکو بھوا دکھالا!

گیا ہے جب سے تو دل کو لے کر نہیں مجھ کو قرار یک جا
امید ملنے کی تیرے رکھ کر ادھر ادھر ہوں میں جاتا آتا
ہوا ہے میرا یہ حال اب تو تری جدائی میں اے دل آرا
جگت مستجھا امت پر ہمکھو اتک کہوا ممن کرن کھا
دوا نے کینی تمن سریجن نہ سدھ کی گز بڑ نہ بدھ کی تجھالا!

جو دل پہ گزرے ہے میرے تجھ بن یہاں بیاں نہیں ہے کچھ اس کا آساں
یہی تمنا ہے جی میں رہتی کہ تو پھر آوے کوئی گھڑی یاں
جو تجھ کو دیکھے تو ہو تسلی جو تجھ سے بولے تو دل ہو خوش یاں
کبھی کبھی ہنس کر شتاب آ جا نظیر کی بھی طرف تک' اے جاں
بنا کے تج ونج پھرا کے دامن' لگا کے ٹھوکر' ہلا ہلا!

خمسہ

(611)

چہرہ ہے ترا نور کی تنویر کا نقشا
اور مصرع قد حشر کی تفسیر کا نقشا
یاں تک ہے ترے حسن جہانگیر کا نقشا
مانی نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

ترچھی ہے تیر نظر نگہ نوک سناں ہے
جس تیر کا مارا ہوا ہر پیر و جواں ہے
آفت کی ہے تلوار قیامت کی کماں ہے
اس ابرو خمدار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت دم شمشیر کا نقشا

پلکوں میں تری ہے جو درازی و سیاہی
ہر نوک پڑی دیتی ہے نشتر کی گواہی
عشاق کے لشکر میں پڑے کیوں نہ تباہی
مژگاں کو تری دیکھ یہ کہتے ہیں سپاہی
تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا

شانہ ہو جگر چاک ی کہتا ہے سیانو
میں محرم اسرار ہوں کہنا مرا مانو
اس قید سے ڈرتے رہو سنتے ہو دوانو

نہ زلف سیہ عارض قاتل پہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

اس قاتل بیداد کی جس دن سے ہوئی چاہ
کچھ جرم و خطا مجھ سے نہ ہوگز ہوا واللہ
اس ظلم کی فریاد کروں کس سے میں اللہ
کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

آگے تو مرے پاس وہ آتا تھا دل افروز
اب دل میں لگاتا ہے مرے تیر جگر دوز
اس درد سے رونا مجھے آتا ہے شب و روز
کیا گردش ایام ہے اے آہ جگر سوز
الٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

نکلا تھا رقیبوں کو لیے ساتھ وہ گمراہ
اتنا ہی کہا میں نے کہ صد آفریں اے واہ
بس اتنی ہی تقصیر پہ کہتا ہے وہ خونخواہ
یا گھر سے نکالوں تجھے یا قتل کروں آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

کھیتی ہے محبت کی سو بووے ہے ہمیشہ
اور اشک کے قطروں سے پرووے ہے ہمیشہ
کھاوے وہیں پیوے وہیں سووے ہے ہمیشہ
دن رات ترے کوچے میں رووے ہے ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

ہے نقش مرے دل میں ترے حسن کا ہر آن
مر کر بھی مرے دل سے نہ جاوے گا ترا دھیان
زنہار نہ بھولوں گا تجھے میں ارے نادان
میں تو صف محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان
رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

کیا قول کیا پورا کہ اس کوہ پہ جا کر
دن رات تراشا کیا دلبر کی وفا پر
ناچار جب آ سر پہ ہوا وقت برابر
فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوئے شیر کا نقشا

لیلےٰ کے کھلے بال جو دیکھے تھے نمودار
بھر عمر رہا پھر اسی پھندے میں گرفتار
کیا چاہ کا اس کی میں کہوں آہ اب اسرار
یہ تربت مجنوں پہ نہیں گھانس اگی یار
لیلےٰ کی یہ ہے زلف گرہ گیر کا نقشا

دن رات مرے قتل کو پھرتا ہے وہ گمراہ
اب جی مرا کس طور بچے اے مرے اللہ
کیا فکر کروں کس سے کہوں پہ غم جا کاہ؟
تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

خمسہ بر غزل خود

(612)

خوشی سے دل کی منگا عطر و پان کوٹھے پر
بچھا کے فرش لگا سائبان کوٹھے پر
ہمارے ملنے کا رکھ دل میں دھیان کوٹھے پر
کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر

ادا کی تیغ بھوؤں کی کمان کوٹھے پر
مژہ کا تیر نگہ کی سنان کوٹھے پر
بنا کے نازو کرشمے کی شان کوٹھے پر
کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر
کرو گے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر

تمہاری یاد میں ٹکڑے کیا جگر میں نے
تمہارے ہجر میں چھانا ہے دربدر میں نے
کھڑا ہو دور سے ٹھہرا کے ٹک نظر میں نے
تمہیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے
تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر

اگرچہ ہم کو ستاتے ہو تم بہت سا جی
جھڑک جھڑک کے اٹھاتے ہو اور دے گالی
تمہاری مجھ سے تو الفت نہ چھوٹے جیتے جی
یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی
تو آ رہے گی تمہارے ہی جان کوٹھے پر

تمہیں خبر نہیں پیارے ابھی ہو تم لڑکے
گلاب و عطر ملا ہے جو تم نے کپڑوں سے
یہ وقت شام ہے اور دونوں وقت ہیں ملتے
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان کوٹھے پر

ادھر سے زلف بھی آ کر ہوا سے لہراوے
ادھر سے پان و مسی بھی جو رنگ دکھلاوے
ادھر سے چاند سا مکھڑا جھلک جو جھمکاوے
بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمہارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جہاں دلوں کی محبت کا کارخانہ ہے
وہاں تو لاکھ طرح دیکھنا دکھانا ہے
یہ بار بار کے آنے سے ہم نے جانا ہے
جھمک دکھا کے ہمیں اور بھی پھنسانا ہے
جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

میاں یہ ہے سر بازار کچھ تو خوف کرو
گلابی پیتے ہو مے کی تو ٹک کنارے پیو
نشے میں پیارے سے ہنس ہنس کے مجھ کو مت اینٹھو
تمہیں تو کیا ہے ولیکن مری خرابی ہو
کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

پڑی ہیں اس پہ یہ چھینٹیں کئی جو شنگرفی
نہیں تمہارے سر بام رنگ کی سرخی
ہزاروں دیکھی ہیں ہم نے منڈیریں چونے کی
کہ چونے کاری میں ہوتی ہے سرخی کب ایسی
کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

تمہارے ہجر نے اے جاں کیا ہے ہمیں گرد
حواس باختہ غمناک چشم، اور منہ زرد
بہا کے آنکھوں سے آنسو جگر سے بھر دم سرد
یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد
کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پہ

ہوئے ہیں ہم تو تمہاری محبت میں تباہ
ولے تمہاری وہی ہے دغا و مکر کی راہ
سنو جی خوب سمجھتے ہیں ہم تمہاری چاہ
لڑاؤ غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ!
کہ تھا ہمیں تو تمہارا ہی دھیان کوٹھے پہ

یہ دم کی بات جو کہنا ہو اب تو اس سے کہو
نہ جانتا ہو تمہاری جو کوئی باتوں کو
ہمیں تو دھڑلے سے ہے معلوم آپ کی خو بو
خدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پہ
یہ سن کے باتیں مری ہنس پڑا وہ مہر منیر
لگا یہ کہنے کہ تو بھی کوئی بڑا ہے شریر
پھر اپنے نازو و ادا میں سمجھ کے مجھ کو اسیر
کمند زلف کی لٹکا کے اس صنم نے نظیر
چڑھا لیا مجھے اپنے ندان ع کوٹھے پہ

مخمسہ

(613)

چہرے پہ سیہ ناگن چھوٹی ہے جو لہرا کر
کس پیچ سے آئی ہے رخسار پہ بل کھا کر
جس کاکل مشکیں میں پھنستے ہیں ملک آ کر
اس زلف کے پھندوں نے رکھا مجھے الجھا کر
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

جس دن سے ہوا آ کر اس زلف کا زندانی
لیک ہو گئی یہ میری خاطر کی پریشانی
بھر عمر نہ جاوے گی اب جی سے پشیمانی
افسوس، کہوں کس سے میں اپنی یہ نادانی
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

جس وقت لکھی ہووے قسمت میں گرفتاری
کچھ کام نہیں آتی پھر عقل کی ہشیاری
یہ قید مرے اوپر ایسی ہی پڑی بھاری
رونا مجھے آتا ہے اس بات پہ ہر یاری
دل بند ہوا ، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اس زلف کے ہر مو نے لاکھوں کے تئیں مارا
اللہ کی خواہش سے بندے کا نہیں چارا
کچھ بن نہیں آتا ہے طاقت ہے نہ کچھ یارا

اب کا ہے کو ہوتا ہے اس قید سے چھٹکارا
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر

اس زلف تلک مجھ کو کاہے کو رسائی تھی
قسمت نے مری خاطر زنجیر بنائی تھی
تقدیر مرے آگے جس دم اسے لائی تھی
شاید کہ اجل میری بن کر وہی آئی تھی
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر

گر چاہ زنخداں میں میں ڈوب کے دکھ پاتا
یوسف کی طرح اک دن آخر میں نکل آتا
اس زلف کے زنداں سے کچھ پیش نہیں جاتا
آخری یہی کہہ کہہ کر پھرتا ہوں میں گھبراتا
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر

اس کو تو مرے د کے ڈسنے کی شتابی ہے
اور جس کی وہ ناگن ہے وہ مست شرابی ہے
اس غم سے لہو رو کر یہ چشم گلابی ہے
کیا طرفہ مصیبت ہے کیا سخت خرابی ہے
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر

ہر بند مرے تن کا اس قید میں گلتا ہے
سر پاؤں سے جکڑا ہوں کچھ بس نہیں چلتا ہے
جی سینے میں تڑپے ہے اشک آنکھ سے ڈھلتا ہے
ہر وقت یہی مصرع اب منہ سے نکلتا ہے
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر

اس قید کی سختی میں سنبھلا ہوں نہ سنبھلوں گا
اس کالی بلا سے میں جز رنج کے کیا لوں گا
اس موذی کے چنگل سے چھوٹا ہوں نہ چھوٹوں گا
آخر کو یہی کہہ اک روز میں جی دوں گا
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر
یہ قید فرنگ ایسی دنیا میں بری شے ہے
چھوٹا نہ اسیر اس کا اس قید کی وہ رے ہے

اب چشم کا ساغر ہے اور خون جگر مے ہے
کچھ بن نہیں آتا ہے کیا فکر کروں اے ہے
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر
کہنے کو مرے یارو مت دل سے بھلا دیجو
زنجیر کوئی لا کر پاؤں میں پنہا دیجو
مر جاؤں تو پھر مرا آثار لے بنا دیجو
مرقد پہ یہی مصرع تم میرے کھدا دیجو
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر
اس زلف کے پھندے میں یوں کون اٹکتا ہے
جوں چور کسی جا گہ رستے میں لٹکتا ہے
کانٹے کی طرح دل میں غم آ کے کھٹکتا ہے
یہ کہہ کے نظیر اپنا سر غم سے ٹپکتا ہے
دل بند ہوا یارو دیکھو تو کہاں جا کر

خمسہ

(614)

ہووے جو کوئی اس بت خود کام سے واقف
پھر عمر نہ ہو پھر کسی اسلام سے واقف
دل اپنا تو ہے چشم گل اندام سے واقف
ساقی یہ بلا اس کو جو ہو جام سے واقف
ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

نت مست رہے میکدہ عشق میں رہ کے
سرشار نشوں میں ہوئے پھرتے رہے بہکے
دیکھے نہ کبھی جور زمانے کی گرہ کے
مستی کے سوا دور میں اس چشم سیہ کے
کافر ہو جو گردش ایام سے واقف

اس شوخ ستمگار کی جس دن سے ہوئی چاہ
دکھ بھرتے ہی بھرتے غرض آخر ہوئے ناگاہ
جا ملک عدم میں بھی تڑپتے رہے واللہ
مر کر بھی تہ خاک نہ آسودہ ہوئے آہ
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

پہلے تو پھنسایا ہمیں اس نور نظر نے
آخر کو لگا پھر ستم و ظلم وہ کرنے
اب آہ اسیری کے پڑے دکھ ہمیں بھرنے

صیاد کی الفت سے چھٹنے آن کے ورلے نے
تھے کاہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف
منت سے بھلا کب وہ بلاتا ہے کسی کو
جھوٹا ہے ' دغا باز ہے عیار ہے بدخو
ہم نے تو بہت اس کی سمجھ رکھی ہے خوبو
ملنے کا پیام اس سے کہو جا کے عزیزو
جو اس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف
چاہو کہ پھر اب بیچ میں لو تم ہمیں اس آن
سو آہ یہ ہوتا نہیں اے خسرو خوباں
ناحق دل صد چاک کو کرتے ہو پریشاں
اوروں سے قسم کھائیے اور ہم تو مری جاں
ہیں خوب تمہاری قسم اقسام سے واقف
اول تو نہ کیجیے کبھی خوباں کی میاں چاہ
اور کیجیے تو لیجیے سب چیز سے آگاہ
رونا مجھے رہ رہ کے یہی آتا ہے واللہ
کوئی نہیں کرتا' جو کیا تو نے نظیر آہ!
دل اس کو دیا جس کے نہیں نام سے واقف

مخمسہ

(615)

کھول ٹک چشم تماشا یار ع باشے پھر کہاں
یہ شکار و صید‘ یہ شکرے و باشے ع پھر کہاں
مال و دولت سونا ع روپا تولہ ماشے پھر کہاں
دم غنیمت ہے بھلا یہ بود و باشے پھر کہاں
دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

دل لگا الفت میں اور کر لے پریزادوں کی چاہ
چاند سے مکھڑوں سے مل سورج وشوں پر کر نگاہ
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ یہ وقت کب ملتا ہے آہ
کھائے پی لے سیکھ اور دے لے دلا لے واہ واہ
دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

حسن والوں کے بھی کیا کیا حسن کے عالم ہیں یاں
سانولے گورے ‘ سنہری سرخ باندھے پگڑیاں
کیا تجیں کیا کیا وجیں کیا ناز‘ کیا چھب تختیاں ؎
بھولی بھولی صورتیں‘ اور پیاری پیاری انگھڑیاں
دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

صبح ہو تو سیر کر باغوں میں جاکر بافراغ
بلبلیں چہکیں ہیں اور گل کھل رہے ہیں مثل باغ
شام ہو تو روشنی کو دیکھ‘ پی مے کے ایاغ ؎

جل رہے ہیں جھاڑو مشعل شمع قندیل و چراغ
دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشہ پھر کہاں
کتنے میخانوں کے در پر لوٹتے ہیں پی کے مے
کتنے مجلس کر کے سنتے ہیں دف و مردنگ و نے
دیروں میں اور مسجدوں میں کرتے ہیں غل پے بہ پے
ہر طرف دھومیں مچیں ہیں' دید ہے اور سیر ہے
دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشہ پھر کہاں
کتنے دل ہیں متفق کتنے دلوں میں پھوٹ ہے
دوستی ہے دشمنی ہے ضد ہے مارا کوٹ ہے
پیار ہے ہنس بیٹھنا ہے اور جگت اور جھوٹ ہے
عدل ہے اور ظلم ہے غارت ہے لوٹا لوٹ ہے
دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشہ پھر کہاں
واہ وا! کیا کیا نظیر اس خلق کے اطوار ہیں
خوار ہیں سردار ہیں زردار ہیں لاچار ہیں
گزریاں لے ہیں چوک ہیں لگتے کئی بازار ہیں
دشت ہیں صحرا ہیں اور دریا ہیں اور کہسار ہیں
دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشہ پھر کہاں

خمسۂ دیگر

(616)

چمن میں دن کو جو اک دو قدم وہ چلتے ہیں
تو پھول آنکھوں سے تلوے انہوں کے ملتے ہیں
خوشی سے غنچے بھی ہر شاخ پہ اچھلتے ہیں
وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

سحر کے نور تجلی کے انتخاب کو دیکھ
اور اپنے چمکے سے چہرے کی کتاب آب و تاب کو دیکھ
ہزار رشک سے عشرت کے پیچ و تاب کو دیکھ
چراغ صبح یہ کہتا ہے کہ آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

جہاں تلک ہیں یہ بیدرد خوبرو دلیر
سب اپنے چاہنے والوں کا کاٹتے ہیں سر
غرض یہ ظلم تو دیکھا کیے ہیں ہم اکثر
فدا جو دل سے ہیں ان شوخ سبز رنگوں پر
یہ کافر ان کی ہی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

گلی میں یار کی میں آہ کس طرح جاؤں
نہیں ہے اتنی بھی طاقت جو اک قدم کو رکھوں
نہ تن میں خون ہے باقی نہ اب رگوں میں خوں

ہوا ہوں خشک یہاں تک کہ حضرت مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور اپنے ہاتھ ملتے ہیں

ہمارے تم تو ہو ہم رنگ ظاہر و باطن
اٹھائے تم نے کبھی غم روز عشق کے گن گن
یہ التجا ہے ہماری کہ خوش ہو آج کے دن
کوئی تو پگڑی بدلتا ہے یار سے لیکن
میاں نظیرؔ ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

دلبری

(617)

ہے دام بچھا اس کی زلفوں کے ہر اک بل میں
جادو ہے نگاہوں میں اور سحر ہے کاجل میں
سر پاؤں سے شوخی ہے اس چلبلی چنچل میں
چتون کی لگاوٹ نے اک آن کی چھل بل میں
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

کرنے سے خبرداری ہرگز نہ ہوا ا ایا لے
اور اک کے بینے کو عیار نے لے رہا
اس شوخ ستمگر نے غمزے سے جو نہیں چاہا
کی یارو یہ کچھ پھرتی کیا کہیے آ ہا ہا!
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

کیا پیش چلے اس سے یوں ناز بھرا جو ہو
کس طور سرک جاتے ہو تا ہے جو کچھ سو ہو
یہ گھات، یہ چنچل پن کب یاد پری کو ہو
اس ڈھب کے تئیں یارو، دیکھو تو اہو ہو ہو !
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

ہنس ہنس کے لگا جس دم وہ ناز و ادا کرنے
جی اس کی لگاوٹ سیر لحظہ لگا ڈرنے
ہر آن لگی اس کے سو مکر سے دم بھرنے

کیا کام کیا یارو، اس شوخ ستم گر نے
پلکوں کی جھپک دکھلا، دل چھین لیا اک پل میں
ڈرتے تھے ہم تو اس شوخ لڑاکے سے
اور خوف میں تھے اس کے ڈھب آن و ادا سے
آیا جو ادھر پھرتا عیار لپاکے سے
نظروں سے ملاتے ہی چنچل نے چھپاکے سے
پلکوں کی جھپک دکھلا، دل چھین لیا اک پل میں
رکھتے تھے بہت ہم تو ہر آن کی ہشیاری
خوباں سے نہ ملتے تھے تو ہو نہ گرفتاری
آج اس بت پُر فن نے آ کر بطرح داری
جل دے کے ہمیں لپ جھپ کی کچھ یہ فسوں کاری
پلکوں کی جھپک دکھلا، دل چھین لیا اک پل میں
سمجھے تھے اسے ہم تو محبوب یہ بھولا ہے
جو مکر ہے اور فن ہے ہرگز نہیں آتا ہے
یہ بات نہ سمجھے تھے جو سحر کا نقشا ہے
کیا کہیے نظیر آگے یہ زور تماشا ہے
پلکوں کی جھپک دکھلا، دل چھین لیا اک پل میں

خمسہ دیگر

(618)

کہتا ہے تجھے کون کہ عاشق کو ستا سو
اور شمع نمط اس کے کلیجہ کو جلا سو
مدت سے رہا ہے تو مجھے غم سے رلا سو
جاتی ہے بہار عمر کی آنسوں ہی میں آسو
آسو ارے آسو ارے آسو ارے آسو

کر ذبح مرے دل کو جو تو نے کہیں پھینکا
وہ خستہ جگر لوٹتا پھرتا ہے آ ہا ہا
کیا تجھ سے کہوں پیارے میں احوال اب اسکا
بسمل سا تڑپتا ہے نہ مرتا ہے نہ جیتا
شاید کہ گئی مرے نصیبوں سے قضا سو

مجھ کو تو نہیں چین ذرا یارو اب اس بن
کاٹوں ہوں سدا رات بھی گھڑیوں کو میں گن گن
عیار کی گھاتوں سے کبھی رات کبھی دن
یوں چوری سے اس پاس میں سوتا ہوں ولیکن
کافر نے کبھی آپ سے ہرگز نہ کہا سو

ہے اب تو ترے حسن کی آنکھوں میں لگی چاہ
اور آن پڑا اور پہ ترے عشق کے ہمراہ
اے درد تو کاہے کہ ہمیں پوچھے گا واللہ

یارو ویں گے یا سوویں گے یا جاگیں گے کر آہ
کیا تجھ کو پڑی ہے تو مری جان پڑا سو
غیروں کا اسے خوف تھا اور کچھ اسے وسواس
تو بھی وہ صنم میرے لیے جاگا کیا پاس
اب یارو بھلا آہ مری ٹوٹے نہ کیوں آس
میں چھپ کے رقیبوں سے گیا جس گھڑی اس پاس
یہ دیکھیے قسمت کہ اسی وقت گیا سو
گلشن کے کھلے پھول سحر ہونے کو آئی
تارے بھی چھپے چاند نے صورت بھی چھپائی
خورشید کی کرنیں بھی لگیں دینے دکھائی
ابتک بھی مرے پاس وہ بو اس کی نہ لائی
شاید کہ کہیں آج گئی باد صبا سو
وعدہ تو سر شام سے آنے کیا کیا تھا
اور رات ڈھلی آدھی تو اب بھی نہیں آیا
شاید کسی دشمن نے دیا کچھ اسے بہکا
دشمن کی بھی تقصیر نہیں سچ ہوں میں کہتا
یارو مری تقدیر و نصیبا ہی گیا سو
یک عمر میں نکلا ہے مرے دل کا یہ ارماں
جو آج ہوا ہے تو مرا آن کے مہماں
باتوں ہی میں مت رات گذارے دے مری جاں
ٹک پیار سے سینہ سے لپٹ کر مری اس آں
یک پہر نہ سووے تو گھڑی بھر تو بھلا سو

جس تس سے وہ اقرار یوہیں کرتا ہے دلخواہ

اور آتا نہیں پاس کسی ایک کے گمراہ

اس جھوٹے دغا باز کی کیا دیکھیے اب راہ

زنہار وہ عیار نہ آوے گا نظیر آہ

اب کے اس کے تو غم میں تو پڑا جاگیو یا سو



دیگر

(619)

لگایا تھا دل ہم نے تم سے جو آہ
یہ جانا تھا تم کچھ کرو گے نباہ
سو تم نے نہ دیکھا کبھی بھر نگاہ
زمانے میں کیا یوں ہیں ہوتی ہیں چاہ
میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

کہا تھا کہ ہم رات آویں گے آہ
رہے ساتھ غیروں کے تا صبح گاہ
ٹک سر کو ہم رہ گئے دیکھ راہ
بڑے تم بھی ہو جھوٹوں کے بادشاہ
میاں واہ واہ واہ وا واہ واہ

لیا پہلے الفت میں دل کو لگا
بلا کر پھر آخر کو غوطہ دیا
اگر تھی تمہارے یہ دل میں دغا
تو کیوں ہم کو ناحق میں رسوا کیا
میاں واہ واہ واہ وا واہ واہ

مزے غیر کی آہ اور ہم یہیں
خوشی ہوویں اغیار ہم غم سہیں
تمہیں دیکھ کر ساتھ تک تک رہیں

غرض تم سے بس اور تو کیا کہیں

میاں واہ واہ واہ وا واہ واہ واہ

رقیبوں کو ساتھ اپنے لے آیئے

ہنسا کر انہیں ہم کو رلوایئے

یہی جی میں آتا ہے مر جایئے

تمہیں آفریں ہے یونہیں چاہیے

میاں واہ واہ واہ وا واہ واہ واہ

ادھر کی طرف دیکھئے میری جاں

خدا کو دیا کس نے تھا درمیاں

وہ قول اور اقرار اب ہیں کہاں

بھری ہیں غرض تم میں سب خوبیاں

میاں واہ واہ واہ وا واہ واہ واہ

تمہاری دغا کی یہ ہے داستاں

کہوں تو نہیں چلتی منھ میں زباں

لکھے تو قلم کے ہیں آنسو رواں

کروں کس طرح میں نظیر اب بیاں

میاں واہ واہ واہ وا واہ واہ واہ

مخمسہ

(620)

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ
بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن ادھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں ترے جان ادھر دیکھ
ہولی ہے صنم ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ
اے رنگ بھرے نوگل خنداں ادھر دیکھ

ہم دیکھتے تیرا یہ جمال اس گھڑی اے جاں
آئے ہیں یہی کر کے خیال اس گھڑی اے جاں
تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جاں
مکھڑے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جاں
ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان ادھر دیکھ

اب زرد یہ چیرا جو ترے سر پہ سجا ہے
اور اس پہ یہ طرہ جو زری کا بھی دھرا ہے
نیمہ بھی ترا رنگ سے کیسر 1 کے بھرا ہے
پوشاک پہ تیری گل صد برگ فدا ہے
نرگس تری آنکھوں پہ ہے قربان ادھر دیکھ

ہولی کی طرب ہے جو ہر اک جا پہ نمودار
سنتے ہیں کہیں راگ کہیں مے سے ہیں سرشار
ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار

پچکاری ہمارے تو لگایا نہ لگا یار
ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان ادھر دیکھ
ہے دھوم سے ہولی کے کہیں شور کہیں غل
ہوتا نہیں کچھ رنگ چھڑکنے میں تامل
دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل
ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل
اے جان ہمارا بھی کہا مان ادھر دیکھ
ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے
جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے
ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوق کے مارے
ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے
ٹک پیار کی نظروں سے مری جان ادھر دیکھ
ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہاہا
دیکھو جدھر آتا ہے نظر روز تماشا
ہر آن جھمکتا ہے عجب عیش کا چرچا
ہولی کو نظیر اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا
محبوب یہ آیا ارے ناداں ادھر دیکھ

خمسہ

(621)

یوں دل سے اپنے نکلے ہے اب بار بار آہ
کرتا ہے جس طرح کہ دل بے قرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ
کیوں ہم سے آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ
ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ

ہو جی میں اپنے عید کی فرحت سے شاد کام
دل کھول کھول سب ملے آپ میں خاص و عام
خوباں سے اپنے اپنے لیے سب نے دل کے کام
آغوش خلق گلبدنوں سے بھرے تمام
خالی رہا پر ایک ہمارا کنار آہ

کتنا ہی جستجو میں پھرے ہم ادھر ادھر
لیکن ملا نہ ہم سے وہ عیار فتنہ گر
کیا پوچھتے ہو شوخ سے ملنے کی اب خبر
مانا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ

رکھتے تھے ہم امید یہ دل میں کہ عید کو
کیا شاد ہو ملیں گے گلے سے ز ماہرو
سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو

تھی آس عید کی سو گئی وہ بھی دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار آہ

اس سنگدل کی ہم نے غرض جب سے چاہ کی
دیکھا نہ اپنے دل کو کبھی ایک دم خوشی
کچھ اب بھی اس کی جور تعدی نہیں نئی
ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہمکنار آہ

اقرار ہم سے تھا کوئی دن آگے عید سے
یعنی کہ عید گاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے
ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستم انتظار آہ

کیونکر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر
دن عید کے ہی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر
اس دور کو وہ سمجھے جو ہو عشق کا اسیر
جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اس کے اپر تو حیف ہے اور صد ہزار آہ

مخمسہ

(622)

دشنام دے تو آ نہ پھرا گرد عار کے
کی قدر کم تو پاس نہ پھٹکا وقار کے
سویا کیا سلایا جو بستر پہ خار کے
کس کس طرح کے ناز اٹھائے ہیں یار کے
بے حق بجانب اس دل حکم اختیار کے

رکھتے ہیں اپنے دل میں جو ہم ترک و تاز عشق
اک عمر سے اٹھاتے ہیں خوش ہو کے ناز عشق
رہتا ہے بسکہ خانہ خاطر میں راز عشق
تھے دل سے ہم بہ نسبت سوز و گداز عشق
مشتاق ایک بلبل زار و نزار کے

کتنے دنوں سے شکل جو اس کی نہ دیکھی تھی
رہتی تھی اس سبب سے بہت دل کو بے کلی
اک روز اس کے ملنے کو گلشن کی راہ لی
پوچھی جو باغباں سے خبر اس کے حال کی
اس نے کہے یہ حادثے اس دل فگار کے

تم جس کو پوچھتے ہو خبر سو وہ عندلیب
دوری سے گل کی پہونچی ہے سورج ہے قریب
کس منھ سے اس کا حال بیاں کیجئے حبیب

کیا جانئے گر یہ ہے کہ ہوئے کب وہ بے نصیب
جب رہ گئے تھے آنے میں دو دن بہار کے

جیسے گئے تھے ملنے کو ہم اس کے شادماں
غمگیں زیادہ اس سے ہوئے سن کے یہ بیاں
جب کہہ چکا تمام وہ احوال باغباں
ناچار سر جھکا کے ہوئے واں سے ہم رواں
ہمراہ نالہ و مژہ اشکبار کے

تیغ الم سے اس کے ہوا تھا جو دلفگار
جاتا رہا تھا جی سے سب آرام اور قرار
افسوس کرتے جاتے تھے خاطر میں بار بار
ناگاہ اک خرابے میں اپنا ہوا گذار
دو زخمی اس جگہ تھے کسی روزگار کے

پرہول سخت بیم فزا کہنہ و خراب
بے سایگی و شدت گرمی آفتاب
گرد اس کے خار بن وہ کہ جس کا نہ تھا حساب
ہوش و حواس دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
یکبار اڑ گئے دل غفلت شعار کے

مخمسہ

(263)

چمن میں آج نسیم بہار آپہونچی
نوید نکہت گل بے شمار آپہونچی
صدائے قمری و صورت ہزار آپہونچی
جنوں کی فوج کی دل پہ پکار آپہونچی
ہزار شکر کہ فصل بہار آپہونچی

گئی نسیم کے ہاتھوں نکل کے بادسموم
گھٹائیں ابر بہاری کی چل رہی ہے جھوم
تمام صحن چمن میں عجب مچی ہے دھوم
ادھر گلوں کے اوپر بلبلیں کریں ہیں ہجوم
ادھر سے مست صف گلعذار آپہونچی

چمن کی سیر کو آئے ہیں مل کے مے نوشاں
ہوا ہے بادہ کشی کا بھی خوب سا ساماں
نکالتے ہیں نشے مے کے دل کا سب ارماں
ہوئی ہے گرم چمن بیچ مغبچوں کی شاں
شراب و شیشہ و ساغر کی بار آپہونچی

کھلے ہیں چاروں طرف زور تختہ گلزار
چلے ہے سرد صبا اور نسیم عنبر بار
خبر سنی ہے کہ آتا ہے وہ گل مے خوار

گئی مصیبت روز فراق سب یکبار
کہ اب قریب شب وصل یار آپہونچی
کوئی ہے وصف کرے گل کی تاجداری کا
کسی کو ذکر ہے بلبل کی بے قراری کا
نہیں یہ وقت مری جان انتظاری کا
نہیں یہ وقت میری جاں آہ و زاری کا
خوشی ہو اب کہ حد انتظار آپہونچی

خمسہ دیگر بطریق واسوخت

(624)

یار اب تجھ میں جو یہ حسن ہے زیبائی ہے
کیا ہوا تو نے اگر آن و ادا پائی ہے
میں تو ملنے کی میاں تیری قسم کھائی ہے
یہ بڑا عیب ہے تجھ میں کہ تو ہرجائی ہے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

تو نے کیا کیا نہ کیا غم سے میرا حال تباہ
دل لیا ہوش لیا صبر لیا سب اے واہ
لے چکا دل تو نہ کی میری طرف تو نے نگاہ
اب یہ رکھ یاد ستمگر کبھی تجھ سے واللہ
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

کون سنتا ہے تری بات تو کہتا ہے کسے
اب جو تو چاہے مرے دل کے تئیں پیچ میں لے
اب تری شکل سے یاں تک میاں نفرت ہے، مجھے
غیر کے پاؤں پڑوں جا کے ولیکن تجھ سے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تری ضد سے میاں دل کسی بدشکل کو دوں
وہ جو بٹھلاوے تو بیٹھوں اور اٹھاوے تو اٹھوں
اس کی کفشوں کے تئیں جھاڑ کے آنکھوں پہ رکھوں

تو جو منت سے بلاوے تو یہی تجھ سے کہوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور سن یار کہ جس بزم میں پاؤں تجھ کو
شمع کی طرح سے محفل میں جلاؤں تجھ کو
اس نئے شوخ کو دکھلا کے جلاؤں تجھ کو
دیکھ کر اس کے تئیں اور سناؤں تجھ کو
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور تو جس طرف کو جا بیٹھے وہیں آ بیٹھوں
تجھ سے منھ پھیر لوں اور اس سے ہنسوں اور بولوں
تو سہی رشک سے دل کو ترے پامال کروں
جب اٹھوں واں سے تو ظالم یہی کہتا میں اٹھوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

میری نظروں سے تو اے یار یہاں تک ہے گرا
کہ تجھے دیکھتے ہی دل ہے میرا رک جاتا
خواب میں تو جو مرے پاس کبھی ہے آتا
تو مری روح وہاں تجھ کو یہی دے ہے سنا
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

مجھ کو باور نہیں گر لاکھ تو قسمیں کھاوے
اور خفا ہو کے بگڑنے کا خط دکھلاوے
اور جو لوگوں کے تئیں میرے لیے بھجواوے
حد تو یاں تک ہے اگر آپ تو لینے آوے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے



اب تجھے یار کبھی منھ نہ دکھاوے گا نظیر
ہر جگہ ہر کہیں ہر طور ستاوے گا نظیر
کوئی دن تیرے تئیں خوب جلاوے گا نظیر
جو ملے گا تو یہی بات سناوے گا نظیر
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

خمسہ دیگر

(625)

یوں تو اکثر ادھر آ جاتے ہیں انساں کئی
چاک ہو جاتے ہیں ان سے گریباں کئی
پر کہوں کیا کہ بنا حسن کے ساماں کئی
دیر سے آج جو نکلے بت ذیشان کئی
لے گئے صبر کئی دل کئی ایمان کئی

اپنے ہم چشم تو یاں خون گئے ہیں رو رو
میں بھی لایا ہوں پر اس کام کو اب اس حد کو
ایک شمہ تو یہ رونے کا مرے ہی سن لو
اتنا رویا ہوں کہ اب لخت جگر کے پارہ
ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سر داماں کئی

آہ جو جو گئے تھے حسرت دیدار میں مر
سب تڑپتے تھے وہ بیتاب زمیں کے اندر
آخرش ہو کے پریشاں ہمہ تن چشم و نظر
اب تو ٹک منھ کو دکھا یار کہ نرگس بن کر
نکلے ہیں خاک چمن سے ترے حیران کئی

آوے گر باد صبا اس کی گلی سے تو ملوں
سو تمنا سے میں نقش قدم آغوش میں لوں
چشم حیرت زدہ لے کفش کے نعلوں سے ملوں

اس کے دامن سے لگوں پاؤں پڑوں ساتھ چلوں
خاک ہوں تو بھی مرے جی میں ہیں ارمان کئی

مان کہنا مرا اے شوخ ہٹیلے چنچل
گو کہ اب قمری و بلبل میں پڑی ہے ہل چل
منھ دکھانے میں غریبوں کے بس اتنا نہ مچل
آخر آیا ہے تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترک چاک گریبان کئی

پان کھانا ہے ترا قتل کے عالم کا نشان
اور خوباں کی طرح اپنے تو ہنسنے کو نہ جان
دیکھ کہتا ہوں ستمگر مری اس عرض کو مان
پان کھا کھا کے نہ ہنس اس قدر اے دشمن جان
ابھی بھر جائیں گے خوں میں لب و دندان کئی

جب سے اس شوخ کی ابرو نے کیا تیغ کو مات
بیگناہوں کے سر اوپر ہے نہایت آفات
اب کہوں کیا میں بھلا اس ستم و ظلم کی بات
نظر آتے ہیں مجھے اس کی گلی میں دن رات
ٹکڑے ٹکڑے کئی بسمل کئی بیجان کئی

یہ وہ جاگہ ہے کہ اس جا میں تو بن ٹھن کے نہ آ
اور جو آوے تو رقیبوں کے تئیں ساتھ نہ لا
آہ جاگیں گے تو پھر حشر کریں گے برپا
آن کر گور غریباں میں قیامت نہ مچا
ابھی سوئے ہیں ترے بے سروسامان کئی


جب سے اس خسرو خوباں نے کیا مجھ کو اسیر
جی بھی ہے شاد مرا دل بھی ہے سو عیش پذیر
کیونکر اس خاک نشینی کو نہ سمجھوں میں سریر
بادشاہ کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر
اس شہ حسن کے آئے مجھے فرمان کئی

موتی

(626)

رہیں ہیں اب تو پاس اس شوخ کے شام و سحر موتی
جبیں پر موتی اور بیسر 1 میں موتی مانگ پر موتی
ادھر جگنو ادھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
بھرے ہیں اس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو ادھر موتی

کوئی اس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اچھلتا ہے
کوئی بندوں سے مل کر کان کی نرموں میں ملتا ہے
لپٹ کر دھگدگی میں کوئی سینہ پر مچلتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے ہیں کوئی بالی میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت نے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ ناز میں ہنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اس کے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اس لب رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت
کہ جن کی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
اداہٹ کچھ مسی کی، اور کچھ اس پر پان کی رنگت

وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانہ قدرت
ادھر لعل اور ادھر نیلم، ادھر مرجاں ادھر موتی

کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پروتی ہے
نزاکت سے عرق کی بوند بھی مکھڑے کو دھوتی ہے
بدن میں موتی، سرتا پاؤں سے پہنے بھی موتی ہے
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اس کے جس دم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں
چمن کے گل سب اس کے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطرات شبنم دل میں روتے ہیں
فلک پہ دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشک قمر موتی

وہ زیور موتیوں کا واہ، اور کچھ تن وہ موتی سا
پھر اس پہ موتیا کے ہار، باز و بند، اور گجرا
سراپازیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اس کا
جو کہتا ہوں ارے ظالم، تک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر 1 موتی

کڑے، پازیب، توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں
تو ہر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں، کسی کے جی پہ اڑتے ہیں
کڑے سونے کے کیا موتی بھی اس کے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو ہیں اس کی کفش پہ موتی

کنا ہو ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وہ
تو اس کے غم میں جو ہم پر گذرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو، دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشم تر موتی

مشفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے
ویا ابر گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے
بیاں ہو کس طرح سے، آہ، اس عالم کو کیا کہیے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اس کے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہمیں کیونکر پریزادوں سے بوسوں کے نہ ہوں لہنے
جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پر واریے گہنے
سخن کی کچھ جو اس کے دل میں ہے الفت لگی رہنے
نظیر اس ریختہ کو سن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

پری کا سراپا

(627)

خوزیز کرشمہ، ناز و ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہے
مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہے
قتال نگہ اور ڈشٹ 1 غضب آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہے
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی گھلاوٹ ویسی ہے
عیار نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہے

بیدرد ستمگر بے پروا بے کل چنچل چٹگیلی سی
دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
آنوں کی بان ہٹیلی سی کاجل کی آنکھ کٹیلی سی
وہ انکھیاں مست نشیلی سی کچھ کالی سی کچھ پیلی سی
چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہے

تھی خوب دوپٹہ کی سر پر سنجاف تمامی کی الٹی
بلدار لٹیں، تصور جبیں، جکڑی مینڈھی، سجی کنگھی
دل لوٹ نجاوے اب کیونکر، اور دیکھ نہ نکلے کیونکر جی
وہ رات اندھیری بالوں سے، وہ مانگ چمکتی بجلی سی
زلفوں کی کھلت، پٹی کی جمت چوٹی کی گندھاوٹ ویسی ہے

اس کافر بینی اور نتھ کے انداز قیامت شان بھرے
اور گہرے چاہ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھرے
وہ ترمے صاف ستارا سے اور موتی سے دامان بھرے

وہ کان جواہر کان بھرے کن پھولوں، بالے جان بھرے
بندے کی لٹک، جھمکے کی جھمک، بالے کی ہلاوٹ ویسی ہے

چہرے پر حسن کی گرمی سے ہر آن چمکتے موتی سے
خوشرنگ پسینے کی بوندیں، سو بار جھمکتے موتی سے
ہنسنے کی ادا میں پھول جھڑے، باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹھ غضب، اور دانت چمکتے موتی سے
پاؤں کی رنگاوٹ قہر ستم، دھڑیوں 2 کی جماوٹ ویسی ہے

اس سینے کا وہ چاک ستم اس کرتی کا تزیب 3 غضب
اس قد کی زینت قہر بلا اس کافر چھب کا زیب غضب
ان ڈبیوں کا آزار برا، ان گیندوں کا آسیب غضب
وہ چھوٹی چھوٹی سخت کچیں، وہ کچے کچے سیب غضب
انگیا کی بھڑک، گوٹوں کی جھمک بندوں کی کساوٹ ویسی ہے

تھی پہنے دونوں ہاتھوں میں کافر جو کڑے گنگا جمنی
کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں، کچھ جھمکے چوڑی باہوں کی
یہ دیکھ کے عالم عاشق کا سینے میں نہ تڑپے کیونکر جی
وہ پتلی پتلی انگشتیں، پوریں وہ نازک نازک سی
مہندی کی رنگت، فندق کی بت، چھلوں کی چھلاوٹ ویسی ہے

تقریر بیاں سے باہر ہے، وہ کافر حسن ا ہا ہا ہا
کچھ آپ نئی، کچھ حسن نیا کچھ جوش جوانی اٹھنے کا
لپکیں جھپکیں اب باہوں کی یارہ میں آہ کہوں کیا کیا
وہ بانکے بازو ہوش ربا، عاشق سے کھیلے بانک پٹا
پہونچی کی پٹخ پہونچے پہ غضب، بانکوں کی بندھاوٹ ویسی ہے

وہ کافر دھج جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے
پازیب، کڑے 1، پائل، گھنگرو، کڑیاں، چھڑیاں، گجرے، توڑے
ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پہ سو جھٹکے
وہ چنچل چال جوانی کی، اونچی ایڑی، نیچے پنجے
کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک، ٹھوکر کی لگاوٹ ویسی ہے

اک شور قیامت ساتھ چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن
بلدار کمر، رفتار غضب، دل کی قاتل جی کی دشمن
مذکور کروں کیا اب یارو اس شوخ کے کیا کیا چنچل پن
کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، پھڑکے بازو تھرکے 2 سب تن
گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہے

یہ ہوش قیامت کافر کا، جو بات کہوں وہ سب سمجھے
روٹھے مچلے، سو سوانگ کرے، باتوں میں لڑے نظروں میں ملے
یہ شوخی پھرتی بیتابی ایک آن کبھی نچلی نہ رہے
چنچل اچپل مٹکے چٹکے سر کھولے ڈھانکے ہنس ہنس کے
قہقہہ کی ہنساوٹ اور غضب ٹھٹھوں کی اڑاوٹ ویسی ہے

کہنی مارے چٹکی لے کے چھیڑے جھڑکے دیوے گالی
ہر آن چہ خوش، ہر دم اچھا، ہر بات خوشی کی چہل بھری
نظروں میں صاف اڑا لے دل، اس ڈھب کی کافر عیاری
اور ہٹ جاوے سو کوس پرے، گر بات کہوں کچھ مطلب کی
رمزوں کے ضلعے غمزوں کی جگت، پھبتی کی پھباوٹ ویسی ہے

قاتل ہر آن نئے عالم کافر ہر آن نئی جھمکیں
بانکی نظریں ترچھی پلکیں، بھولی صورت، میٹھی باتیں

دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب، جی لینے کی سو سو گھاتیں
ہر وقت پھبن، ہر آن سجن، دم دم میں بدلے لاکھ سجیں
باہوں کی جھپک، گھونگھٹ کی ادا، جوبن کی دکھاوٹ ویسی ہے

جو اس پر حسن کا عالم ہے، وہ عالم حور کہاں پاوے
گر پردہ منھ سے دور کرے، خورشید کو چکر آ جاوے
جب ایسا حسن بھبھوکا ہو، دل تاب بھلا کیونکر لاوے
وہ مکھڑا چاند کا ٹکڑا سا جو، دیکھ پری کو غش آوے
گالوں کی دمک، چوٹی کی جھمک، رنگوں کی کھلاوٹ ویسی ہے

تصویر کا عالم نکھ 1 سکھ سے چھب تختی صاف پری کی سی
کچھ چین جبیں پر اینٹھ رہی، اور ہونٹھوں میں کچھ گالی سی
بیدردی سختی بہتیری اور مہر و محبت تھوڑی سی
جھوٹی عیاری ناک چڑھی، بھولی بھالی پکی پیسی
باتوں کی لگاوٹ قہر ستم، نظروں کی ملاوٹ ویسی ہے

کچھ ناز و ادا کچھ مغروری، کچھ شرم و حیا کچھ بانک پنا
کچھ آمد حسن کے موسم کی کچھ کافر حسن رہا گدرا
کچھ شور جوانی اٹھنی کا چڑھتا ہے امنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ ابھرا جوش بھرا، وہ عالم جس کا جھوم رہا
شانوں کی اکڑ، جوبن کی تکڑ، سج دھج کی سجاوٹ ویسی ہے

یہ کافر گدریا عالم، گھبرائے پری بھی دیکھ جسے
وہ گورا صاف گلا ایسا، بہ جاوے موتی دیکھ جسے
دل لوٹے تڑپے، ہاتھ ملے، اور غش کھاوے جی دیکھ جسے
وہ گردن اونچی حسن بھری، کٹ جائے صراحی دیکھ جسے

دائیں کی مڑت، بائیں کی پھرت، مونڈھوں کی کھچاوٹ ویسی ہے

جب ایسے حسن کا دریا ہو، کس طور نہ لہروں میں بہیے

گر مہر و محبت ہو بہتر، اور جور و جفا ہو تو سہیے

دل لوٹ گیا ہے غش کھا کریں اور تو آگے کیا کہیے

مل جائے نظیر ایسی جو پری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیے

بوسوں کی جھپک، بغلوں کی لپک سینوں کی ملاوٹ ویسی ہے

خواب کا طلسم

(628)

یارو، ذرا سنو یہ عجب سیر ہے بڑی
صحن چمن میں ابر کی آ کر لگی جھڑی
پی کر شراب عیش کی ہر دم کڑی کڑی
کل بے خبر ہو رات کو سویا میں جس گھڑی
اس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی

آئی نظر جو مجھ کو وہ نادر محل سرا
دل میں پری کے باغ کا مجھ کو یقیں ہوا
جب اس مکاں کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا
دیکھوں تو اس کا ہے در دولت سرا کھلا
آیا یہ دل میں دیکھئے چل کر کوئی گھڑی

پہونچا یونہیں میں اس چمن زرفشاں میں
جھمکے مکاں جو اس کے مرے آن آن میں
عالم سنہرے پردوں میں اور سائباں میں
کیا دیکھتا ہوں جا کے میں ہر اک مکاں میں
سونے کی کھان ہے کہ بھی پھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں چمن، کہیں شیشہ صراحی جام
فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام

طاق در واق اس کے جھمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی
دیکھی جو میں نے ہائے وہ کافر سی مہ لقا
اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بپا
صورت وہ قہر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا
اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا
نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پڑی
خونریز ابرو، جان کی قاتل ہر اک نگاہ
مژگاں وہ برچھیوں کو لیے تل رہی سپاہ
مہندی سے انگلیوں نے کیے خون بے گناہ
آنکھوں میں کھچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی 1
زلفیں وہ مشک ناب سی، چہرہ وہ چاند سا
جگنوں رہا گلے میں ستارہ سا جگ مگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا
جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی
رکھے تھی اس گھڑی تو یہ عالم وہ مہ جبیں
شاید کہ اس طرح کی نہ ہو گی پری کہیں
حسرت سے آن کر مری آنکھوں نے واں جو ہیں
دیکھی جو اس بہار کی کافر وہ نازنیں
دل لوٹ پوٹ ہو گیا جاں غش میں جا پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا
تصویر بن رہی تھی لگا سر سے تا بپا
اس دم بندھی تھی اس کے غضب آن کر ہوا
کافر کھڑی ہوئی تھی عجب ڈھب سے بن بنا
اک ہاتھ میں لے آئینہ، اک ہاتھ میں چھڑی

دیکھی جو واں یہ میں نے طلسمات کی ہوا
عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
اس کی چمک جھمک کی بہاریں کہوں میں کیا
چمکا جو وہ مکان مری آنکھوں میں تو رسا
حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

ایسا مکان تو میں نے نہ دیکھا تھا نہ سنا
دیوانہ ہو میں چاروں طرف دیکھنے لگا
چاہا کہ دیکھوں کوٹھے کے اوپر نظر اٹھا
اتنے میں اک طرف سے جو پردہ سا اٹھ گیا
بجلی سے کچھ چمک گئی آنکھوں میں اس گھڑی

آ کر کھڑی ہوئی تھی جو واں ناگہاں وہ شوخ
لیتی تھی ہر نگاہ میں عاشق کی جاں وہ شوخ
کچھ چلبلی نگاہ تھی، کچھ انکھڑیاں وہ شوخ
کرتی تھی سیر چاروں طرف کی جو واں وہ شوخ
اتنے میں پھرتی اس کی نظر مجھ پہ آ پڑی

اس کی نگہ کے آنے کا میں کیا کروں بیاں
بجلی تھی یا کہ تیر تھی، گولی تھی یا سناں

میری طرف کو دوڑ کے آئی تھی، ناگہاں
میری نظر بھی دوڑ کے اس کی نظر سے واں
ایسی لڑی کہ خوب لڑی، خوب ہی لڑی

بارے نظر کے لڑتے ہی کچھ کم ہوا حجاب
الفت کی آ کے دونوں طرف سے کھنچی طناب
اتنے میں دیکھ دیکھ کے وہ رشک ماہتاب
اک بار کھلکھلا کے ہنسی اور اتر شتاب
کافر وہ میرے پاس ہی آ کر ہوئی کھڑی

کہنے لگی کہ تو نے بلایا ہے کیوں مجھے
دے خواب کو دعا کہ نہ پاتا تو یوں مجھے
چاہت میں اپنی ڈوبا ہوا دیکھا جوں مجھے
ہنس کر لپٹ گلے سے لگی کہنے یوں مجھے
آ اس محل میں چل کے کریں عیش دو گھڑی

اس گلبدن سے جب کہ ملی آ کے مجھ کو داد
مارے خوشی کے کچھ نہ رہی تن بدن کی یاد
کیونکر بھلا نہ عیش و طرب دل کو ہو زیاد
میری تو اس پری سے یہی عین تھی مراد
سنتے ہی دل کی کھل گئی ہر ایک گل جھڑی

پالا پڑا جو مجھ کو اس آب حیات سے
جان آ گئی بدن میں مرے اس کی بات سے
آخر کو لے چڑھی مجھے کوٹھے پہ گھات سے
دو چار جام کو پلا اپنے ہات سے

سو ناز سے پلنگ پہ مرے پاس آ پڑی

آنے سے اس کے دل کا مرے کھل گیا چمن
عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی جھڑن 1
نازک کمر وہ صاف شکم، اور وہ نرم تن
گل سا ملا جو مجھ کو نیا گدگدا بدن
رگ رگ میں میرے چھٹ گئی عشرت کی پھل جھڑی

لے کر بغل میں اس کو لگایا جو ہیں گلے
سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے ورے 1
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے
سینے سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
لٹنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی

ادھر تو جوش عشق، ادھر حسن اور جنوں
ناز و ادا کی آ کے لگی ہونے ڈھپ 2 و دھوں
ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں
چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آ کے یک بیک
آنکھوں سے میرے اس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اڑ گئی قرار گیا، جل گئی پلک
جاگا کیا نظیر میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی

(629)

دیگر

چلا جب گھر سے اک دلبر دلوں کو حسن سے چھلنے
عرق کو رخ کے پلکوں کی جھپک پنکھا لگی جھلنے
لکھے تصویر کے سو نقش اور تعویذ ہیکل نے
لگایا دام زلفوں کی شکن نے، پیچ نے، بل نے
بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے

وہ مکھڑے کی جھلک، آئینہ جس کو دیکھ ہو حیراں
وہ کاکل کی کھلت، جس پر فدا ہو سنبل و ریحاں
مسی اور پان سے بھی منفعل ہوں لالہ تا فرماں 3
مرا دل دیکھتے ہی اس صنم کو ہو گیا شاداں
نگاہیں دمبدم و عیش و عشرت سے لگیں پلنے

کئی بار اس کی جانب میں نے جب بھر کر نظر دیکھا
وہ عالم حسن کا اس کے بہت مجھ کو پسند آیا
وہ پیاری پیاری آنکھیں، اور وہ بھولا بھولا رخ اس کا
کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی، کبھی بولا ا ہا ہا ہا
عجب لوٹے مزے اس وقت نظارے کی اکل نے

ہوئی دل کو مرے اس آن حاصل کیا ہی خوش وقتی
اسے بھولا سمجھ کر میں نے دیکھی ہر ادا اس کی
نہ یاں کچھ خوف تیوری کا، نہ یاں خطرہ ہے جھڑکی کا

مجھے کر جل سے غافل، بھولی صورت کا بنا نقشا
کیا اک بار منھ غصے سے سرخ عیار اچپل 5 نے
مرے ہوش اڑ گئے یارو جب اس کی شکل یہ دیکھی
وہیں گھبرا گیا اور سٹ پٹایا، عقل سب بھولی
کہا دل میں، کروں اب کیا سمجھ تو ہو گئی الٹی
اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
اٹھا کر جھپ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے
جب اس عیار نے دیکھا کہ یہ اب یاں سے چل نکلا
کہا ہنس کر، ارے پرفن کہاں تو جانے پاوے گا
یہ سن کر اور بھی گھبرا گیا میں خوف سے اس جا
چلا ڈرتا جو آگے کو، تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
اڑا کر مفت نظارے بچا تم اب لگے ٹلنے
کہا جب اس نے، یہ پھر تو حواس اپنے مجھے بھولے
ٹھٹھک کر رہ گیا اس جا، نہ ہرگز چل سکا آگے
دکھائی عاجزی، منت بھی کی، اور ہاتھ بھی جوڑے
ادب سے یوں کہا، اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے قطرے پسینے کے مرے منھ سے وہیں ڈھلنے
نہ آیا رحم کچھ اس کو بہت میں نے سماجت کی
نگہ نے سامنے آتے ہی سینے میں سناں جڑ دی
کمند زلف پر خم نے بھی گردن دل کی پھر جکڑی
لگے غمزے لگانے تیرا دھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آن وا دا لپٹی، کرشموں نے ادھر گھیرا
ادھر پلکوں کی نوکوں نے چبھویا دل میں نشتر سا
ادھر انداز نے ورنج کی کیا دیوانہ و شیدا
ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

کرے کیا واں کوئی جس جا یہ صورت آن کر ٹھہرے
بچاوے دل کو پھر کیونکر، کرے کیا، اور کسے روکے
کہوں کیا اس گھڑی کچھ بن نہ آیا دوستو مجھ سے
دکھا کر مجھ کو اپنے واں زبردتی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیر اس شوخ چنچل نے

(630)

خوابِ عشرت

کل دیکھا خواب عجب ہم نے اک چنچل شوخ پری جھٹ سے
اک بار گلے سے آ لپٹی اور لیٹ پلنگ پر جھٹ پٹ سے
سینے سے سینہ لگتے ہی دل جوش میں آیا جھٹ پٹ سے
کچھ اور ارادہ تھا دل میں، کمبخت کس کی آہٹ سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

تھا اور مکاں اک خلوت کا، اور عیش کی چیزیں تھیں وہ سے
ہو مست نشوں میں آ لپٹی دل کھول خوشی سے پی کر مے
ہٹ پھیری ہوئی جب مستی میں، تیار ہوئی جب وہ بھی شے
کیا عیش ملا تھا قسمت سے اک بار وہیں اس میں اے ہے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اس شوخ پری کے جوبن کا اک باغ کھلا تھا، کیا کہئے
اور سرخ بدن میں جوڑا تھا اور عطر لگا تھا، کیا کہئے
دیکھ اس کا سینہ حسن بھرا کیا جوش اٹھا تھا کیا کہئے
سب دل کی دل کے بیچ رہی، کیا عیش مزا تھا کیا کہئے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اک سرخ پلنگ تھا نازک سا، اور اس پر سو سو تیاری
جب نیچے اوپر ہو لیٹے، کای عیش ہوے بھاری بھاری
جس وقت وہ نوبت آپہونچی چھٹ جائے کی پچکاری

اتنے میں چھٹتے چھٹتے ہی یہ آن پڑی سر پر خواری
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جو عیش مزے کی خواہش تھی موجود ہوئی تھی آ کر سب
باہوں سے باہیں، منھ سے منھ، چھاتی سے چھاتی لب سے لب
جس بات کی ساری لذت ہے، اس بات کی آ کر ٹھہری جب
اور عیش طرب کے ہوتے ہی کیا قہر ہوا یہ، ہائے غضب
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جس وقت پلنگ پر پہلو میں وہ چنچل اچپل جان پڑی
اس جان صنم کے آتے ہی اس ست بدن میں جان پڑی
گھٹنوں سے گھٹنے جا لپٹے، اور ران کے اوپر ران پڑی
۔ ۔ ۔ بھی ہونے نہیں پایا، جو ہائے یہ آفت آن پڑی
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

یہ تار بندھا تھا عشرت کا، جو عیش پڑا لہراتا ہے
اور وقت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے چھٹنے کا آیا تو نہیں، پر آتا ہے
اتنے میں سر پر کشتی بان نرسنگا آن بجاتا ہے
کیا قہر ہوا، ہے کیا کہیے، اس بات پہ رونا آتا ہے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا عیش و طرب کی ٹھہری ہے، اور نیچے اوپر آنے سے
سب چور اچکے سے بچ کر جا پہونچا مال ٹھکانے سے
جی ڈوب رہا تھا لذت میں اس عشرت عیش اڑانے سے
اک بلی اس میں چیخ پڑی، اس خندی کے چلانے سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اس وقت نشے کی لذت میں آ لپٹ ہوئی تھی اس گوں سے
کچھ تیر نگہ کے چلتے تھے، کچھ تیغ اگلتی تھی بھوں سے
لگتے تھے ڈنکے عشرت کے، اور عیش کے بجتے تھے دھونے
اک کتا اس میں بھونک اٹھا، اس وقت اسی کی بھوں بھوں سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا دھوم مچی تھی عشرت کی، اور عیش املتے تھے بہ بہ
وہ ہم سے دوڑ لپٹتی تھی، ہم اس سے لپٹتے تھے رہ رہ
کیا سخت مصیب آن پڑی، اس عیش کے عالم میں وہ وہ
کمبخت گدھا اک رینک اٹھا یکبارگی، ڈھیچو ڈھیچو، کہہ
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جب ہو گی صبح تو، اے یارو، میں کیا کیا ہاتھ اتاروں گا
اس کتے بلی کے پتھر، اور لٹھ گدھے کے ماروں گا
نرسنگے والے کو بھی لے اب خوب سا میں للکاروں گا
یہ بات نظیر، اس عشرت کی میں کیونکر ہائے بساروں 1 گا
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

(631)

دیگر

ہے دید فقط منظور جنہیں، وہ ہو کر جب بیکل نکلے
آ پہونچے اس کے کوچے میں جو لیکر دل چنچل نکلے
کیا کام انہیں جو ہنس بولے، یا شوخی میں اچپل نکلے
ہے مقصد جن کے دیکھنے سے وہ گھر سے جب اک پل نکلے
ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ پوچھا ان سے کون ہو تم، نہ اپنے جی کی بات کہی
نہ کرنا کچھ انکار پڑا، نہ کہنا ٹھہرا یوں ہی سہی
جب چھوڑی خواہش بوسے کی پھر کاہے کو دشنام سہی
جب سمجھو ہو گئے چنچل سے، سب چھوڑ ہوس یہ بات رہی
ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

بے چین ہوا دل سینے میں، گر دیکھنے میں کچھ دیر ہوئی
گھبرا کے نکلے بے بس ہو، اور شوق کی گھیرا گھیر ہوئی
بازار گلی اور کوچے میں ہر ساعت ہیرا پھیر ہوئی
تھی چاہ نظر بھر دیکھنے کی، جس جاگہ پر مٹ 2 بھیڑ ہوئی
ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ خواہش پاس بٹھانے کی، نہ منت زلف کھلانے کی
نہ غرض مسی کے ملنے کی، نہ محبت پان چبانے کی
ہے جی میں چاہ بھری ایسی جو شمع سے ہو پروانے کی

جس جاگہ پر مٹ بھیڑ ہوئی ہے طرز یہی مل جانے کی
ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

اک آن نہن کل پڑتی ہے ہر آن کی چھیک لانے میں
نہ داخل جھڑکی کھانے میں نہ شامل ناز اٹھانے میں
نہ ایما نہ تصریح رہی کچھ دل کا حال جتانے میں
بس ایک غرض ہم رکھتے ہیں، یہ اس تک آنے جانے میں
ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

ہے حسن بھی اس کا ناز بھرا، اور آن و ادا بھی پائی ہے
سر پاؤں سے لے اس چنچل میں سو زینت اور زیبائی ہے
جب گھر سے وہ دلبر نکلے، دل دیکھنے کا شیدائی ہے
ہم کو تو نظیرؔ اس الفت میں اب طرز یہی بن آئی ہے
ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

(632)

دیگر

دکھلا کے جھمک جس کو ٹک چاہ لگا دیجے
پھر اس کو بہت اے جان بالا نہ بتا دیجے
سو ناز اگر کیجے الفت بھی جتا دیجے
منظر کے ذرا در کو آگے سے ہٹا دیجے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دیکھی ہے تمہارے جو چہرے کی جھمک اے جاں
دل سینے میں تڑپے ہے جو دیکھ لے پھر اک آں
ہے ہم کو بہت مشکل، اور تم کو بہت آساں
ہے عرض یہی اب تو، اے بادشہ خوباں
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

چھپتے ہو عیاں ہو کر ہو تم اگر اس ڈھب کے
عاشق بھی تو شیدا ہیں چاہت ہی کے مطلب کے
دیدار کی خواہش میں ہم یاں ہیں کھڑے کب کے
جس ڈھب سے دکھایا تھا، ویسی ہی طرح اب کے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

آئی ہے نظر ہم کو جب سے وہ طرحداری
ٹھہری ہے اسی دن سے خاطر میں طلبگاری
ٹک لیتے تمہیں ہم تو جو ہوتی نہ ناچاری

گر ہم کو جلاتا ہے تو کر کے غمو داری
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے
چھپنے کی اگر تم نے یاں آن سنواری ہے
تو بس نہیں کچھ اپنا مرضی یہ تمہاری ہے
بن دیکھے ہوئے ہم کو ہر سانس کٹاری ہے
کچھ اور نہیں خواہش یہ عرض ہماری ہے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دل بحر محبت میں ہر آن جو بہتا ہے
اک آن تمہیں دیکھیں ارمان یہ رہتا ہے
جی ہو کے بہت بے بس دکھ دوری کے سہتا ہے
بیکل ہو نظیر اب تو اے جان یہی کہتا ہے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

(633)

دیگر

جس دن سے ادا مجھ کو اس بت کی لگی پیاری
اور کھپ گئی آنکھوں میں چنچل کی طرح داری
دل پھنس گیا زلفوں میں اس شوخ کی اک باری
دیوانگی آ پہونچی، جاتی رہی ہشیاری
کیا کیجئے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

ملتا ہوں جو ٹک جا کر تو مجھ سے وہ لڑتا ہے
کچھ بات جو کہتا ہوں جھنجھلا کے جھگڑتا ہے
گردن کو پکڑ میری سر کو بھی رگڑتا ہے
جو جو وہ دکھاتا ہے سب دیکھنا پڑتا ہے
کیا کیجئے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

اک چاہ کے دریا میں دن رات میں بہتا ہوں
غوطہ بھی جو کھاتا ہوں تو کچھ نہیں کہتا ہوں
ہر دم کے ستم اس کے میں کھینچتا رہتا ہوں
جو ظلم وہ کرتا ہے، ناچار میں سہتا ہوں
کیا کیجئے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

صورت جو کبھی اس کی ٹک دیکھنے جاتا ہوں
تیوری وہ چڑھاتا ہے، میں خوف میں آتا ہوں
جھڑکے ہے خفا ہو کر جب حال دکھاتا ہوں

وہ گالیاں دیتا ہے، میں سر کو جھکاتا ہوں
کیا کیجئے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

دل دے کے مجھے یارو دکھ درد ہوا اہا
پلکوں نے ستمگر کی اب دل کو مرے راہا
روتا ہوں تو کہتا ہے، کیوں تو نے مجھے چاہا
جتنا وہ ستاتا ہے، کہتا ہوں اہا ہا ہا
کیا کیجئے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

کہتا ہے تجھے میں تو ہر آن کڑھاؤں گا
کچلوں گا ترے دل کو، اور جی کو جلاؤں گا
کوچے سے نکالوں گا، ہر وقت ستاؤں گا
میں اس سے یہ کہتا ہوں، جب سب یہ اٹھاؤں گا
کیا کیجئے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تقصیر نہ ہووے گی کچھ خدمت سامی میں
ہو گا وہی آوے گا جو رائے گرامی میں
آنے کی نہیں خاطر ہرگز مری خامی میں
حاضر ہے نظیر اے جان اس وقت غلامی میں
کیا کیجئے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تمام شد مخمسات

مسدسات عاشقانہ نظیر

(634)

جدائی

جہاں میں نام تو سنتے تھے ہم جدائی کا
ولے نہ دیکھا تھا درد و الم جدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی ستم جدائی کا
بڑا ہے مرگ سے ایک ایک دم جدائی کا
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

گھڑی گھڑی میں تڑپ کر اٹھے ہے دل سے آہ
جگر کے ٹکڑے نکلتے ہیں اشک کے ہمراہ
جو کوئی شکل مری دیکھتا ہے اب واللہ
یہی کہے ہے وہ سینے سے سرد بھر کر آہ
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

مچے نہ کیوں کر مرے دل میں داد اور بیداد
کہ تھے جو عیش و طرب سب وہ ہو گئے برباد
نہ جی کو چین، نہ آنکھوں کو سکھ، نہ دل ہے شاد

بھلا میں کس سے اب اس ظلم کی کروں فریاد
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں
گلی میں اس کی کبھی جا کے سر پٹکتا ہوں
کبھی دوا نہ ہو جنگل میں جا بھٹکتا ہوں
نکلتی جان نہیں اور پڑا سسکتا ہوں
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

نہ تن سے جان نکلتی ہے اب جو صبر آوے
نہ دل میں زور ہے جو تاب صبر کی لاوے
نہ موت آوے، نہ یار آ کے منھ کو دکھلاوے
یہ حال ہو تو کوئی، آہ پھر کدھر جاوے
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

پھروں ہوں دشت و بیاباں میں رات دن غمناک
جلاتا آہ کے شعلے سے سب خس و خاشاک
خراب حال، جگر خستہ، اور گریباں چاک
یہ جس پہ آن پڑے غم وہ کیا جیے پھر خاک
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

مری جو چشم سے دن رات آنسو بہتے ہیں
تو جان و دل مرے کیا کیا عذاب سہتے ہیں
جو آشنا ہیں مرے مجھ کو دیکھ رہتے ہیں
سب اپنے حیف سے مل مل کے ہاتھ کہتے ہیں
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا
جو میکدے کی طرف کو کبھی کروں ہوں گذار
تو دیکھ مجھ کو پریشاں، خراب و خستہ و خوار
پیالہ چشم کا آنسو سے بھر ہر اک میخوار
جگر سے کھینچے ہے آہ! اور یہی کہے ہے پکار
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا
کبھی چمن کو جو گھبرا کے ہوں نکل جاتا
تو واں بھی، ہائے، ذرا دل نہیں ہے ٹھہرتا
جدھر کو جاؤں ادھر غم جگر کو ہے کھاتا
عجب خرابی ہے، کچھ ہائے بن نہیں آتا
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا
جو کوئی ہجر میں روتا تھا عاشق محروم
میں ہنس کے کہتا تھا دل میں عبث یہ ہے مغموم
مچی جو مجھ پہ بھی آ کر فراق کی یہ دھوم
وہ اس کا درد مجھے، ہائے اب ہوا معلوم

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا
جو کوئی پوچھے ہے کیا تجھ پہ دکھ پڑا ایسا؟
کہ جس سبب سے تو پھرتا ہے اس قدر شیدا
میں اس کو جس گھڑی دیتا ہوں اپنا حال سنا
تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہی وہ ہے کہتا
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا
نہ بھوک لگتی ہے، نہ نیند منھ دکھاتی ہے
جو دن پیے ہے لہو، رات مجھ کو کھاتی ہے
نہ دل لگی، نہ کوئی چیز مجھ کو بھاتی ہے
کلیجا ٹوٹے ہے، اور چھاتی الڈی جاتی ہے
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا
نہ سدھ ہے سیر کی مجھ کو، نہ انجمن کی خبر
نہ یاد باغ کی ہے، اور نہ شہرو بن کی خبر
نہ دھیان جسم کا، اور کچھ نہ پیرہن کی خبر
نہ ہوش دل کا ہے، نہ مجھ کو تن بدن کی خبر
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا
جو مجھ پہ آن پڑا دن سیاہ، مت پوچھو

ہوا ہوں ہجر میں ایسا تباہ، مت پوچھو
سوائے مرگ نہیں اب نباہ، مت پوچھو
جو ظلم مجھ پہ گذرتا ہے آہ! مت پوچھو
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

جدائی ہائے محبت کی کیا بری ہے شے
کہ دل نہ بزم میں بہلے، نہ خوش لگے ہے مے
نظیر ہجر کے اب غم کو روئیے تا کے
بہت برا ہے یہ عاشق کے حق میں دکھ! ہے ہے!
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

(635)

مجبوری محبت

اس شوخ کے ستم کا گلہ، آہ، کیا کروں؟
تن سوکھ کر ہوا ہے مرا کاہ، کیا کروں؟
بہتے ہیں اشک شام و سحر گاہ، کیا کروں؟
مانا نہیں ہے تو بھی وہ گمراہ، کیا کروں؟
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

جس دن سے اس سے آن کے چھوٹا [1] مرا نصیب
دل بھر کے ایک دن نہ ہوا دیکھنا نصیب
ہوں جاں کنی میں، تو بھی نہیں جاگتا نصیب
کن سختیوں میں آن پڑا اب میں یا نصیب
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

ایدھر تو مجھ کو قتل کرے ہے وہ نیک نام
اودھر کو آ رہے ہیں اجل کے مجھے پیام
اب یار کو مناؤں، کہ رکھوں اجل کو تھام
اس کشمکش میں اب کہو کیا کیا کروں میں کام؟
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں

کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟
گر یار کی خوشی نہ کروں تو وہ ہو خفا
اور جو اجل کو روکوں تو مانے ہے وہ برا
عرصہ تھا زندگی کا سو گھڑیوں پہ آ لگا
اس دو گھڑی میں، آہ، میں کیا کیا کروں بھلا؟
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟
گر اپنی زندگانی کا کرتا ہوں اب حساب
پل مارنے کی دیر ہے، پانی کا جوں حباب
کیونکر بہے نہ غم سے مرے آنسوؤں کا آب
اتنی سی زندگی میں بھی کیا کیا سہوں عذاب
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟
جو جی چھپا کے اب نہ سہوں یار کی جفا
تو عاشقوں کے بیچ کہاتا ہوں بے وفا
اور جی کو دیکھتا ہوں تو اک دم کی ہے ہوا
ان مشکلوں کے بیچ کروں آہ، اب میں کیا
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟
گر ہاتھ دھو کے بیٹھ رہوں اب میں صبر کر
یہ لوگ طعنہ دیتے ہیں ہنس ہنس کے گھر بہ گھر

اور یار سے ملوں تو وہ کرتا نہیں نظر
اس بیکسی میں آہ کہاں پٹکوں اپنا سر
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

نہ آہ کا مکاں ہے نہ رونے کی اب ہے جائے
نہ دل کو میرے صبر، نہ دلدار منھ لگائے
گر ایک غم پڑے تو مرا جی اسے اٹھائے
اس آسماں پھٹے کو کہوں کس سے اب میں ہائے
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

گر یار کی گلی میں رہوں جا کے بے قرار
تو سختیوں سے مجھ کو اٹھاتا ہے مار مار
ہر آن توڑتا ہے مری آس بار بار
اس درد غم کو آہ میں کس سے کہوں پکار
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

روؤں تو مجھ کو اور رلاتا ہے وہ حبیب
بولوں تو یوں کہے ہے کہ چل مت نکال جیب
گر عمر دیکھتا ہوں تو آ پہونچی عنقریب
اور یار سے سلوک یہ ٹھہرے ہیں، یا نصیب!
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں

کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

چاہوں کہ مجھ کو عشق میں اپنے کرے اسیر
تو دور بھاگتا ہے مجھے جان کر حقیر
نہ مجھ کو قتل کرتا ہے ظالم، نہ دستگیر
کیا بطرح کے غم میں پھنسا ہوں میں اے نظیر
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

(636)

فراق

جب سے تم کو لے گیا ہے یہ فلک اظلم کہیں
جی ترستا ہے کہیں، اور چشم ہے پرنم کہیں
ہم پہ جو گذرا ہے وہ گذرا کسی پہ کم کہیں
نہ تسلی ہے، نہ دل کو چین ہے اک دم کہیں
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر جو تم کہیں اور ہم کہیں

تم وہاں بیٹھے ہو ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب
نہ تو دن کو بھوک ہے، نہ رات کو آتا ہے خواب
بیقراری، یادگاری، انتظاری، اضطراب
کیا کہیں، تم بن پڑا ہے ہم پہ اب کیسا عذاب
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر جو تم کہیں اور ہم کہیں

ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خونبار سے
رات دن سر کو پٹکنا ہر در و دیوار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دل بیمار سے
ہے برا احوال اب تو ہجر کے آزار سے
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں

خاک ایسی زندگی پہ جو تم کہیں اور ہم کہیں

یاد آتی ہے تمہاری الفتوں کی جب کہ چاہ
دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں آنسو بہے ہیں خواہ مخواہ
پاؤں میں طاقت، نہ تن میں زور، نہ معلوم راہ
کیا غضب ہے کیا کریں کچھ بن نہیں آتی ہے آہ
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پہ جو تم کہیں اور ہم کہیں

نہ کسی سے مہر و الفت، نہ کسی سے پیار ہے
نہ کوئی اپنا رفیق، اور نہ کوئی غمخوار ہے
دل ادھر سینے میں تڑپے، جی ادھر بیمار ہے
کیا کہیں اب تو بہت مٹی ہماری خوار ہے
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پہ جو تم کہیں اور ہم کہیں

گھر میں جی بہلے، نہ باہر انجمن میں دل لگے
نہ خوش آوے سیر، نہ سرو و سمن میں دل لگے
نہ پہاڑوں میں، نہ صحرا میں، نہ بن میں دل لگے
اب تو تم بن نہ گلستاں، نہ چمن میں دل لگے
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پہ جو تم کہیں اور ہم کہیں

پر نہیں اڑ کر تمہارے پاس جو آ جایئے
جی ہم جی میں کب تلک خون جگر کو کھایئے

چشم تر اور داغ سینے کے کسے دکھلائیے
دل سمجھتا ہی نہیں، کیونکر اسے سمجھائیے
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر جو تم کہیں اور ہم کہیں

دم بدم بھرتے ہیں ٹھنڈی سانس بیدل کی طرح
نالہ و فریاد ہیں ہر آن گھائل کی طرح
سر ٹپکنا اور تڑپنا رات دن دل کی طرح
خاک خوں میں لوٹتے ہیں اب تو بسمل کی طرح
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر جو تم کہیں اور ہم کہیں

اب جو اپنے حال پر ہم خوب کرتے ہیں نگاہ
ہر گھڑی مثل نظیر اس غم سے ہے حالت تباہ
ہے جو ظلم و ستم ہم پر، کہیں کیا تم سے، آہ!
بن موے اب تو نظر آتا نہیں ہر گز نباہ
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر جو تم کہیں اور ہم کہیں

(637)

التماس اخلاص

اپنے غمخواروں سے کوئی آن ہنس لے بول لے
درد مندوں کا نکال ارمان ہنس لے بول لے
پھر کہاں یہ دلبری یہ آن ہنس لے بول لے
دم غنیمت ہے ارے نادان ہنس لے بول لے
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تجھ کو حق نے دی ہے حسن و خوبی کی بہار
چاہنے والے سے کر لے کچھ سلوک و مہر و پیار
کوندنا بجلی کا اور جوبن کا مت گن اعتبار
کاٹھ کی ہانڈی 1 نہیں چڑھتی ہے پیارے بار بار
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو منھ گل ہے پیارے پھر دھتورا آکھ 2 ہے
آج یہ گلشن کھلا ہے کل کو سوکھا 3 ساکھ ہے
جو اٹھا شعلہ بھبھو کا آخرش کو راکھ ہے
چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا 4 پاکھ ہے
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے

حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اس قدر مت کر مری جان اپنے جوبن پر گماں
یہ نہیں رہتا سدا کافر کسی کے پاس ہاں
جب گریں دانت اور پڑیں چہرے کے اوپر جھریاں
پھر یہ ہنسنا بولنا اور پھر یہ اٹھکیلیاں کے کہاں
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

ایسا کوئی حسن والا آہ تو ہم کو بتا
جس کو خوبی کا ہمیشہ ایک سا عالم رہا
کیوں خفا ہوتا ہے ہم سے یاد رکھ اے دلربا
ہاتھ آتا ہے نہیں کافر یہ جوبن جب گیا
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیا ہمارا حال دل خوبی تجھے کہتی نہیں
یا ہماری چاہ تیرے ناز کو سہتی نہیں
آہ کھیتی حسن کافر کی ہری رہتی نہیں
ناؤ کاغذ کی ہے پیارے یہ سدا بہتی نہیں
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیسے کیسے خوبرو یاں ہو گئے ہیں میری جان
اپنے غمخواروں سے کیا کیا کر گئے ہیں خوبیاں

تو جو روٹھا روٹھا ہم سے رہتا ہے نامہرباں
دیکھ پچتاوے گا غافل حسن پر مت کر گماں
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

حسن کا عالم ستمگر ہر گھڑی ماتا نہیں
گل بھی کھل کر ایک باری جان پر کھلتا نہیں
مجھ سے تیرا روٹھنا ہر دم کا اب جھلتا نہیں
دودھ اور دل جب پھٹا پیارے، یہ پھر ملتا نہیں
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تو عاشق کا سر ہے جان، تیرا پاؤں ہے
منتیں ہوتی ہیں اور تیری نہیں کچھ بھاؤں 1 ہے
اب یہ معشوقی کا سکہ آج تیرے ناؤں 2 ہے
بھول مت اس پر میاں، یہ ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

دل غریبوں کے جو پیارے تجھ سے اب دکھ پائینگے
لیک اک دن تجھ کو بھی خوباں یوں ہیں کلپائینگے
بات کو ہنس نے کو، دے دے جھڑکیاں ترسائینگے
پانڈے جی پچتائینگے، وہی چنے کی کھائینگے
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے

حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اپنے اپنے وقت میں کیا کیا پری و بن رہے
چاند سے مکھڑے رہے، اور گل سے ان کے تن رہے
نہ کسی کا ڈھن رہے، اور نہ سدا جوبن رہے
نہ سدا پھولے 3 تری، اور نہ سدا ساون رہے
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو چہرے پر ہے تیرے حسن و خوبی کی جھلک
خواہ تو ہنس بول سے خواہ غصہ ہو جھڑک
لیک جب جاتی رہے گی یہ جھمک او ریہ چمک
پھر جو بولے گا تو ہر ایک یوں کہے گا، چل نہ بک
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب نظیر آگے تری رہتا ہے حاضر صبح و شام
پیار سے ہنس بول پیارے پی مئے الفت کا جام
پھر کہاں یہ دلبری، یہ عیش کی باتیں، کلام
کچھ نہ رہوے گا، رہے گا آخرش اللہ کا نام
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

(638)

اشتیاق دیدار

کیا تاب ہے جو گل رخ نظریں چھپا لے ہم سے
کچھ ہو، پہ وہ نگاہیں ہنس کر ملا لے ہم سے
ہم وہ میاں ہیں، اللہ پالا نہ ڈالے ہم سے
رہتے ہیں ہاتھ باندھے اب حسن والے ہم سے
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

اس حسن کا پڑا ہے کانوں میں جب سے جھنکا 1
ہو کر فقیر ہم نے جامہ رنگا ہے تن کا
دیدار کی طلب کو پیالا بنا نین 2 کا
سیل پہن کے تاکا، منکا پھرا کے من کا
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

اپنی تو عشق میں ہی گذری جوانی پیری
یا کاکلوں کے پھندے، یا زلف کی اسیری
اے دل جلوں کے دلبر، ہے وقت دستگیری
تیرے ہی دیکھنے کو اب ٹھان کر فقیری
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے

تک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

آگے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنی باری
زنار باندھی، قشقہ کھینچا ہے ہو پجاری
جوگی بھی بن چکے ہیں، مندیل 3 بھی سنواری
آزاد بن کے اس دم ہیں دید کے بھکاری
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
تک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اڑایا
شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑ کھڑایا
بانک و پٹا و بلم گدکا و لٹھ پھرایا
جھمکا تمہارا اس دم ہم کو جو یاد آیا
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
تک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بچا بٹے کا پالا
اس حال میں بھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
پنجرا، گلہری، طوطا، شکرا شکار والا
اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر کے، لالا
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
تک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اتارا
کتنے پری رخوں کو جا پیر نے میں مارا

تصویریں بیچنا بھی کتنے دنوں بچارا
اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر، یارا
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

کشتی میں کتنی مدت ہم نے بدن کو توڑا
سو گل بدن کے تن کو من مانتا مروڑا
جو ڈھب تھا اس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا
اب خوبرو کا پیارے دنیا میں دیکھ توڑا
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

جوڑے کبوتروں کے کتنے دنوں اڑائے
کنکوے 2، چنگ، گڈی، تکلیں، پتنگ بنائے
گھٹ والے بن ہزاروں چھاپے تلک لگائے
ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

پھر لال بھی لڑائے، اور گلد میں بھی پالیں
جنگل میں کل لگائی، اور پدڑیاں سنبھالیں
ڈبیوں میں ڈال مکھی بل مکریاں بنا لیں
کیا کیا نہ ہم نے پیارے پھر پھدکیاں 3 نچالیں
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے

ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

اس شہر میں ہزاروں گو خوبرو بتاں ہیں
لیکن بتاؤ کس کی یہ پیاری انکھڑیاں ہیں
کس میں یہ اچپلاہٹ، کس میں یہ شوخیاں ہیں
انداز کرے دل میں تجھ میں جو خوبیاں ہیں
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

خرادی ہو کے ہم نے لٹو چکنی 4 بنائے
اس میں بھی کتنی لڑ کے خراد پر چڑھائے
پھر ہو کے سرمہ والے، سرمہ بہت لگائے
ریچھوں تلک لڑائے، بندر تلک نچائے
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

اب تو نظیر تیرا ہے مہمان، پیارے
آ کر گلے لپٹ جا، اے مہربان پیارے
بوسے کئی دلا دے ہونٹوں سے، جان، پیارے
تیرے ہی دیکھنے کا رکھ دل میں دھیان پیارے
اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

(639)

وصل وفراق

گاہے بخندہ لب شکر آمیز ہی سہی
گاہے بہ عشوہ غمزۂ خونریز ہی سہی
ہر ناز دل فریب و دل آویز ہی سہی
القصہ ہر ادا ستم انگیز ہی سہی
دیدار ہی نمائی و پرہیز ہی سہی
بازار خواہش و آتش ما تیز ہی سہی

پہلے لگائی دل کو مرے تو نے اپنی چاہ
جب لگے چلے ہم، آہ، تو لی، تو نے اپنی راہ
سمجھے ترا فریب ہم، اے شوخ کج کلاہ
اچھی یہ رسم تو نے نکالی ہے، واہ واہ
دیدار ہی نمائی و پرہیز ہی سہی
بازار خواہش و آتش ما تیز ہی سہی

اول دکھا کے دور سے وہ حسن مہر سوز
پھر چھپ گیا تو دل میں لگا تیر سینہ دوز
ہم دیکھتے ہی رہ گئے آشفتہ تیرہ روز
سوچا جو ہم نے خوب تو اے شمع دل فروز
دیدار ہی نمائی و پرہیز ہی سہی

بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

روویں نہ تیرے ہاتھ سے ہم کیونکر زار زار
دلدار بن کے تو نے کیا ہم کو دل فگار
اب ہم تو بے قرار ہیں اور تو خوشی ہے یار
کیونکر نہ ہو خوشی کہ ترا ہے یہی شعار
دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

غرفے سے پہلے جھانک کے چہرہ دکھا دیا
جب ہم نے کی نگہ، تو لیا پردے میں چھپا
اپنا بڑھایا حسن، کیا ہم کو جتا!
صد آفریں ہے، اے مرے عیار مہ لقا
دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

زلفوں کا اپنی ہم کو دکھا تو نے پیچ و تاب
ڈالا ہمارے دل میں تعشق کا اضطراب
جب پھنس گئے ہم، تو جھٹکا دیا شتاب
اب فطرتوں کا تیری، غرض، ہے یہی جواب
دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

مکر و فریب تو جو کرے ہے نیا نیا
وہ سب نظیر جانے ہے، اے شوخ دلربا

تیری جو شوخیوں سے وہ آگاہ بسکہ تھا
سعدیؒ جبھی یہ بیت گلستاں میں لکھ گیا
دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی



(640)

رضا جوئی

گر تجھ میں، اے پریرو، یا مہر یا جفا ہے
یار راتی کا ملنا یا سر بسر ونا ہے
کر تو وہی جو تیرے اب دل کو خوش لگا ہے
ہم جانتے نہیں ہیں کچھ نیک و بد کہ کیا ہے
راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اوروں بھی واہ وا ہے

کچھ دل میں ہے تو دل کی آبادیاں بھی کر لے
جور و ستم کی اپنے استادیاں بھی کر لے
بیدرد ہے تو، ظالم بیدادیاں 1 بھی کر لے
جلاد ہے تو کافر جلادیاں بھی کر لے
راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اوروں بھی واہ وا ہے

اب در پہ اپنے ہم کو رہنے دے یا اٹھا دے
ہم سب طرح سے خوش ہیں، رکھ یا ہوا بتا دے
عاشق ہیں نر قلندر 2، چاہے جہاں بٹھا دے
یا عرش پر چڑھا دے، یا خاک میں ملا دے
راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے

یاں یوں بھی واہ وا ہے، اوروں بھی واہ وا ہے

گر مہر سے بلاوے تو خوب جانتے ہیں
اور جور سے ڈباوے تو ڈوب جانتے ہیں
ہم اس طرح بھی تجھ کو مرغوب جانتے ہیں
اور اس طرح بھی تجھ کو محبوب جانتے ہیں
راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اوروں بھی واہ وا ہے

ایک دن وہ تھا کہ ہم پہ تھے عیش کے دھڑاکے
یاں مطلبوں کے ہم پہ، اور غیر پہ کڑاکے
اب غیر پہ کرم ہے، اور ہم پہ ہیں جھڑاکے
ہم سب طرح خوش ہیں، سنتا ہے اور لڑاکے؟
راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اوروں بھی واہ وا ہے

یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو، پیارے
یا تیغ کھینچ ظالم، ٹکڑے اڑا ہمارے
جیتا رکھے تو ہم کو، یا تن سے سر اتارے
اب تو نظیرؔ عاشق کہتے ہیں یہ پکارے
راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اوروں بھی واہ وا ہے

(641)

دید بازی

چبھتا ہے اس کو، یارو، دم عاشق کا بھرنا
ہو یاد جس کو سو سو گل پھول کا کترنا 1
جس گھاٹ حسن اترے اس گھاٹ ہی اترنا
جس ڈھب کا حسن دیکھا اس ڈھب ہی کر گذرنا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن بھاری شہ زور یا جبھاڑا 2
تو پہلوان بن کر کھودا وہیں اکھاڑا
ڈنڈ پیل، بھان مگدر، لیزم سے خم کو جھاڑا
اس پیچ سے ہی گل رو میٹھے کو دھر پچھاڑا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن تھا چمکتا قاتل کا مشل کرتا
تو لکڑی باز بن کر پھینکا پھری بھی گتکا
بانک اور پٹا ہلایا، محنت سے ہو کے لتا
راوت ہی بن کے مارا اس پہ بھی اپنا ہتا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن بانکا، تو بن کے ٹیڑھے بانکے

تیغ و سپر، تپنچے باندھے ہیں سب جہاں کے

کر خانہ جنگی اس سے کھائے بدن پہ ٹانکے

ٹانکے تو کھائے لیکن پھنکے بھی خوب پھانکے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

تصویر سی کسی کی صورت جو دی دکھائی

تو بن کے پھر مصور تصویر ہی بنائی

گلیوں میں سیر دیکھی، میلوں میں جا لگائی

اس شکل سے ہی اکثر کی حسن کی کمائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

چھلے 3 کی طرح دل کو جس حسن نے مروڑا

تو پال کر کبوتر اس سے ہی دل کو جوڑا

دکھلا مکھی کا پٹھا، یا شسترو کا جوڑا

کیا ہی پہ گھڑا 4 تھا پہ موٹھ سے نچھوڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن، یارو، جوں لعل یا انگارا

تو لعل چٹی کا ہی پھر پالنا بچارا

کل یا کہ چال رہ کا اور لعل کو اتارا
اس لعل کی ہی ڈھب میں اس پر بھی چال مارا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

بازاری حسن دیکھا تو کر کے دل نگاری
پنجرے بنائیے خاصے، رنگیں، ہلکے، بھاری
ڈالے ہنڈولے اس میں رنگین زر نگاری
ان پنجروں میں کرنی اپنی دکانداری
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

اچھا لگا جو دل کو کہیں بدن پیارا
تو کیمیا گری کا پھر کھٹکا سنوارا
دکھلا کے چاندی سونا، جیسے چمکتا تارا
پارا بھی تھا تو اس کو اس ڈھب میں مار اتارا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جمنا پہ جبکہ دیکھے اس حسن کے تناپے
تو بن کے باہمن اس جا چھاپے تلک بھی چھاپے
چندن دکھا کے ہر دم درپن دکھا کے بھاپے
اس گھاٹ پر بھی آخر اپنے ہی چھاپے چھاپے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا
جادو جو حسن دیکھا تو سیکھے جادو ٹونے
بیروں کے تئیں جگا کے بٹھایا کونے کونے
پڑھ کھوپری کے کاجل چانول سندور مونے
جادو میں دیکھ ڈالے کافر کئی سلونے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا
دیکھا جو حسن قابل تو ریختہ بنائے
کچھ مکریاں 1 بنائیں اور کچھ کبت 2 بنائے
سکھیوں 3 کی بحث ڈالی اور کھنڈ بھی جمائے
جب جھولنے نہ پائے پھر تو مزے اڑائے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا
جو حسن شیر دیکھا تو پیچھ کو نکالا
اور بن کے ریچھ والے سونٹا کڑا سنبھالا
کشتی سے کھڑکھڑایا اور آپ کو اچھالا
اس ریچھ سے بھی کتنے گل رو کو دیکھ ڈالا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا
کھڑکی کا حسن دیکھا تو پھر نچا کے بندر
بکرا بھی لا بٹھایا اس کام کا سمندر

جب ڈگڈگی بجائی کوچہ گلی کے اندر
لڑکے ہزاروں بولے آؤ میاں قلندر
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

پایا جو رنگ بھولا تو بن کے رنگ 1 بھریے
چھلے انگوٹھی ڈھالے سانچے کے کر کے بھریے
بولا کوئی جو اس میں کچھ تو خدا سے ڈریے
تو اس سے ہنس کے کہنا کچھ بات یاں نہ کریے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن کوئی بلدار لہر کھایا
تو بن گئے سپیرے اور سانپ کو چلایا
تو بین بجا کے ہر دم سانپوں کا پھن ہلایا
اس سانپ کے ہی فن سے اپنا بھی من منایا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سرکش سیانے ہی ہو پکارے
دھونی فلیتے لکھے اور بھوت جن اتارے
پھونکی چڑیل خندی 2، دیووں پہ ہاتھ مارے
اک چھوئے منترا میں کیسے کیے نظارے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا
جو حسن بالا دیکھا تو مکڑیاں بنائیں
ڈبیوں میں ڈال مکھی اور مکڑیاں لڑائیں
کچھ چنٹیاں مگائیں کچھ تتلیاں نچائیں
ان پتلیوں کی خاطر کیا پتلیاں لڑائیں
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہر اک پلنگ اتارا شیشے میں جڑ کے ماشا
ککڑی کے پھول کترے اور سنگترہ تراشا
مولی کا ہنس بگلا، گاجر کو مور باشا
دیکھ ابر اک بہانے اس حسن کا تماشا
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

میلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے
سیروں میں دل موٹھیں پاپڑ اچار بیچے
گھاٹوں میں جا چھپینے نقد و ادھار بیچے
چکلوں میں بن کے مالی پھولوں کے ہار بیچے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

گر آ پڑی کسی دن کچھ سیتلا برائی
تو بیچ کر بجایا کی دل کی سربرائی

پھر بن گئے پجاری گر حسن کی اگائی
اس سیتلا کی مت میں اپنی ہی مت گنوائی
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہولی کی پھر بہاریں پہونچیں جو دائیں بائیں
تو بن کے جوگی چیلے باندھیں عجب ہوائیں
آزاد بینوا ہو پھر کہیں ندا سدائیں
اس حال قال ہی سے دیں حسن کو دعائیں
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

خوبی کی لہر کھاتا دیکھا جو حسن لہری
پالے بٹیر طوطے بگلے بئے گلہری
کی بات وہی جو کچھ اس کے پسند ٹھہری
اس لہر کی بھی دیکھی کیا کیا بہار گہری
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سیانا تو بن گئے دوانے
لاگے ہر اک کو اپنے دیوانہ پن جتانے
لڑکوں کے سنگ کھانے اور شور غل مچانے
دیکھے ہزار جھمکے آخر اسی بہانے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھی جو نرم و نازک اس حسن کی کلائی
منھیار بن کے چوڑی ہاتھوں میں کھن کھنائی
بیچے بہت کھلونے اور جو جو بن ہے آئی
آخر بھکاری بن کر کی حسن کی گدائی
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لازم ہے اس کو، یارو، عاشق وہی کہاوے
جو اس طرح کی گھاتیں کر حسن کو بڑھاوے
بہروپیا بھی اپنا بہروپ بھول جاوے
آگے نظیر کیا کیا عاشق کی دھن بتاوے
سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ پھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(642)

رہ نوردیٔ فراق

جب ہم نے دن سے، اے زیب محفل
باندھا سفر کے ناقے پہ محمل
فرقت میں تیری آشفتہ بیدل
غربت کے ہمراہ حسرت کے شامل
رفتیم و بردیم داغ تو بدل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

منزل پہ اترے تو اشک ریزاں
صحرا میں گذرے تو خاک بیزاں
جوں صید زخمی ہر سو گریزاں
القصہ آخر افتاں و خیزاں
رفتیم و بردیم داغ تو بدل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

نکلے جو واں سے ہم پا پیادہ
صد بار ہجراں برجاں نہادہ
صد جا نشستہ صد جا فتادہ
تجھ سے کہیں کیا، اے گل، زیادہ
رفتیم و بردیم داغ تو بدل

صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

منزل بھی طے کی، اور صد بیاباں
طعنے بھی کھینچے مثلِ عقاباں
بیتاب و بے صبر ہر سو شتاباں
فی الجملہ ناچار، اے ماہ تاباں
رفتیم و بردیم داغ تو بدل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

چلنے کی طاقت ہم میں کہاں تھی
قالب تو یاں تھا اور رواح واں تھی
نے دم میں دم تھا، نے جاں میں جاں تھی
لیکن یہی بیت وردِ زباں تھی
رفتیم و بردیم داغ تو بدل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

منزل پہ روئے ہم آ کے ہر شب
اور دن کو لوٹے صحرا میں جب تک
صد اشک در چشم، صد آہ بر لب
آگے نظیرؔ اب کیا بولے مطلب
رفتیم و بردیم داغ تو بدل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

(643)

رازداریٔ محبوب

سن رے اے شوخ، گلبدن، ناداں
تجھے کہہ کہہ کے ہم ہوئے حیران
اس طرح بھر کے منھ، چبا کر پان
غیر سے تو ہنسا نہ کر ہر آن
اس میں ہو گا ہمارے جی کا زیاں
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

گل بدن تالیاں بجاویں گے
غنچہ لب منھ بنا چڑاویں گے
کتنے آنکھوں میں مسکراویں گے
کتنے آئینہ لا دکھاویں گے
کیا ہی چھیڑیں گے ہر گھڑی، ہر آن
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

تو جو خوباں میں خوار ہووے گا
اپنی سب دلبری ڈبووے گا
بات سے مفت اپنی کھووے گا
ہاتھ پھر سر پہ رکھ کے رووے گا
کچھ نہ پھر بن سکے گا، اے ناداں

اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کل تو واں ایک گورا سا لڑکا
اپنے یاروں میں کچھ وہ کہتا تھا
ہم تو جانیں وہ صاف تھا جھوٹھا
یا خدا جانے، تھا وہی سچا
تو تو اس طور کا نہیں انسان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پوچھا کہ کیا لیا بوسا؟
وہ تو کچھ اور ہی چڑ گا
میں کہا ہاتھ سینے پر پھیرا؟
اس نے سودا ہی پار اا ڈاال
جانے اب اس کا دین اور ایمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے اس سے کہا تو جھوٹا ہے
کیا وہ ایسا خراب و رسوا ہے؟
بولا صاحب، تمہیں تو سودا ہے
واں تو جھگڑا ہی سارا پرچھا 1 ہے
کیا تمہارے ہیں بند اب تک کان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پھر بات کھود کر پوچھی
کیا کسی نے لگا لیا چھاتی؟

بولا وہ تم تو سنتے ہو کم جی
اجی ترکی ہی واں تمام ہوئی
جب تو کچھ ہم بھی ہو گئے حیران
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اور بھی اس کے چرچے ہوتے تھے
کتنے موتی کھڑے پروتے تھے
کئی سن سن کے ہوش کھوتے تھے
ہم اسی دن کو یارو روتے تھے
آخر اٹھے یہ توطیے 2، طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کہہ بھلا وہ جو کچھ کہنے تھا جب
کچھ ہے سچ، یا کہ جھوٹ ہے یہ سب
آہ، اب ہم کو اس سے کیا مطلب
سچ بھی ہو گا، تو تو کہے گا کب
شرم کاہے کو کھلنے دی گی زبان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو جو راتوں کو ان میں جاتا ہے
جی میں پھولا نہیں سماتا ہے
قہقہے مار، کھیل کھلاتا ہے
ہم کو اب پھر یہ ہول آتا ہے
کہیں ویسے ہی پھر نہ ہوں بہتان

اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان
آج جانا کہیں جو ہے ٹھانا
دیکھیو، ان کے ساتھ مت جانا
آفت اس حسن پر تو مت لانا
ان کے زنہار دم میں مت آنا
ان سے ڈرتا ہے ہر گھڑی شیطان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان
تو بھلا گو کہ ہوشیار رہا
پر دیا جب نشہ دغا سے پلا
تجھ کو غافل نشے میں جب پایا
پھر اچھوتا کسی نے کب چھوڑا
رحم کر اپنے حال پر، اے جان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان
یاد ہے تجھ کو بات پرسوں کی
جب نشے میں تجھے خبر نہ رہی
بات کچھ اور ہی اور ٹھہری تھی
وہیں ہم آ گئے جو خیر ہوئی
ورنہ واں ہو چکا تھا سب سامان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان
گر انہوں میں تو ہو گیا بدنام
کئی خوباں کریں گے خط ارقام

کتنے ہنس ہنس کے دیویں گے دشنام
کئی جھک جھک کریں گے آ کے سلام
پھر بندھیں گے اکھاڑے اور میدان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

خوب رو بھی پھر آ کے چھیڑیں گے
کاغذوں کی طرح چتھیڑیں گے
سب یہ باتیں گڑی اکھیڑیں گے
خوب سا شہد میں لتھیڑیں گے
دم میں کر دیں گے کر کری سب شان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تجھ پہ اب پھینکتے ہیں جو پھندے
اے ستم گر، بڑے ہیں وہ خندے
واں کئی ہو چکے ہیں شرمندے
دیکھ الفت میں ان کی مت تن دے
بن کے انسان، پھر نہ ہو حیوان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو تھوڑا سا گل یہ پھولا ہے
کل کو پھر باؤ اور ہوا ہے
اب تو جس کے بھروسے بھولا ہے
وہ ترے عیب سب قبولا ہے
لوگ باندھیں گے تو حلیے، طوفان

اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

پھول ڈالی پہ جب تلک ہے کھلا
اس کا واں ہے کچھ اور ہی رتبا
جب کہ اس کو کسی نے توڑ لیا
پھر وہیں سونگ ساگ پھینک دیا
اس سخن کے تو مغز کو پہچان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج یہ گال ہیں جو گل سے لال
لوگ کرتے ہیں بلبلوں کی مثال
آہ! نکلیں گے ان پہ جس دم بال
پھر نہ یہ دھوم، اور نہ یہ دھمال
ان کے ملنے پہ پھول مت، اے جان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو رکھتے ہیں بوالہوس کھٹکا
کوئی چیرا رنگا، کوئی پٹکا
لیک جب حسن کھا گیا چھٹکا
آتا نبزا 1 آ دبوچا پھر سٹکا
ہیں یہ دو دن کے چاؤ اور ارمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آگے وہ بات یاد ہے، پیارے
گرچہ سچ کچھ نہ تھی، خدا نہ کرے

پر وہ طوفان توڑتے ان کے
ہم تو اب تک ہیں ان سے شرمندے
بلکہ تجھ کو بھی خوب ہوں گے دھیان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کیوں ستمگر یہ کیسی بات ہوئی؟
اس نے جو کچھ کہی سو تو نے سنی
نوبت اب یہاں تلک تو آ پہونچی
اب نقارے ہی بجنے ہیں باقی
دیکھ، عاشق نظیر کو پہچان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ختم شد مسدسات

ترکیب بند و ترجیع بند وغیرہ

(644)

ترکیب بند

ادھر کو جس گھڑی اے ہمنشیں وہ یار آیا
ہمارے دل سے گئی بے کلی قرار آیا
اسے جو مہر سے ہے ذرہ پروری منظور
تو پھر ادھر کو جھمکتا وہ مہروار آیا
مزاج اس کا جو عاشق نواز ہے ہم دم
تو راہ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا مبارک ہو
تمہارے پاس ہے وہ نازنیں نگار آیا
کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا آ کر
بھلا ہوا کہ تمہارا بھی گل عذار آیا
خوشی یہ بولی تمہارے میں گرد خاطر ہوں
ادھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں
گیا ملال ہوئے شاد ہم زمانے سے
ہوا ملاپ چھٹے ہجر کے ستانے سے
نشاط جی کو ہوئی ہر طرف کے ملنے سے

سرور دل کو ہوا ہنسنے اور ہنسانے سے
ہوئی نمود و ساعت بھی انبساط بھری
کہ جس میں شاد ہوئے ہم بھی دل لگانے سے
ہر اک طرف سے ہوئی سو طرح کی خوشوقتی
نویدیں آئیاں عشرت کے کارخانے سے
سماتے پھولے نہیں پیرہن میں، اب ہرگز
ہم ایسے شاد ہیں اس گلبدن کے آنے سے
جہاں میں جس کو ملاقات یار کہتے ہیں
عجب بہار ہے اس کو بہار کہتے ہیں
ہمارے دل میں جو فرقت کی بیقراری تھی
تو اس کے ہاتھ سے صورت عجب ہماری تھی
کبھی خیال رخ و زلف کا سحر تا شام
کبھی تصور مژگاں سے دل فگاری تھی
نہ دل لگے تھا کسی شغل سے کوئی ساعت
نہ جاں کو جز الم ہجر ہمکناری تھی
یہ اضطراب تھا ہر دم، یہ اپنی بیتابی
ہمارے حال پہ سیماب کی بھی زاری تھی
خدا کے فضل سے پھر اس میں خیر و خوبی سے
وہ دن بھی آیا کہ جس کی امید واری تھی
جو دیکھی بھر کے نظر گلعذار کی صورت
تو ہر طرف نظر آئی بہار کی صورت
عیاں جو سامنے آ کر وہ گلعذار ہوا

تو عالم عیش کا پھر ایک سے ہزار ہوا

نگہ کو حسن نے اس گل کے تازگی بخشی

خوشی قریب ہوئی، دور انتظار ہوا

جدا جو ہجر میں ہم سے قرار رہتا تھا

ہمارے دل سے وہ پھر آن کر دو چار ہوا

تسلی دل کو ہوئی اس صنم کے ملنے سے

رخ اس کا دیکھتے ہی رفع اضطرار ہوا

طلب تھی دل کے تئیں جس کی ایک مدت سے

ہزار شکر وہی عیش آشکار ہوا

نشاط و عیش کی خاطر سے ہمقرینی ہے

نیاز ناز ہے اور لطف ہمنشینی ہے

ہم اپنے دل کی خوشی کا بیاں کریں کیا کیا

کہ ایک لحظہ یہ ٹھہرا ہے عیش کا نقشا

کبھی ہیں دیکھتے رخسار یار کو ہنس ہنس

کبھی خوشی سے ہیں چھو لیتے اس کی زلف دوتا

کبھی ہیں یار کی چشم و نگاہ سے پیتے

خوشی سے عیش کے بھر بھر کے ساغر صہبا

کبھی ہیں اس کے تکلم سے دل کو خوش کرتے

کبھی ہیں اس کے تبسم پہ جی سے ہوتے فدا

جو دیکھتا ہے ہمیں اس طرح کی عشرت میں

تو یہ سخن وہ رہ منصفی سے ہے کہتا

''نظیر، تم نے جو حاصل یہ شادمانی کی''

یہی بہار ہے بستان زندگانی کی

(645)

ترجیع بند

اے گل اندام دل آرام پریزاد صنم
کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
نہ تکلم نہ تبسم نہ تلطف نہ کرم
کیا خطا ہم سے ہوئی جس سے ہوا تو برہم
تو تو معشوق ہے البتہ نہیں تجھ کو غم
لیکن اس بات سے ہے ہم کو بہت درد و الم
چاہے شمشیر لگا لے تو پہ ابرو نہ مروڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہمیں کر ڈال تو پہ دل کو نہ توڑ

خوبرویوں کے تئیں چاہیے خوش کرداری
یعنی خوش خوئی و خوش خلقی و خاطر داری
غمزدوں اپنے کی ہر آن نئی غم خواری
مہر محبوبوں سے لگتی ہے نہایت پیاری
پیار میں سہتے ہیں عشاق بھی ہلکی بھاری
خوبی رکھتی نہیں آزردگی و بیزاری
چھوڑ نرمی کو قدم سختی کی منزل میں نہ رکھ
سو گرہ زلف میں رکھ پہ تو گرہ دل میں نہ رکھ

دیکھ کر تو جو ہمیں لیتا ہے ہر دم منھ موڑ

ہم سمجھ جاتے ہیں پیارے تیری خاطر کی مروڑ

بے گنہ ہم سے تو اب رشتۂ الفت کو نہ توڑ

تیری خفگی سے ہمیں ہوتے ہیں اندوہ کروڑ

عرض کرتے ہیں تیرے سامنے ہم ہاتھ کو جوڑ

یہ چلن خوب نہیں ہے اسے اے جان تو چھوڑ

ہو کے محبوب دل آرام دل آزار نہ ہو

گل کیا ہے تجھے اللہ نے تو خار نہ ہو

ہم تو اے جان دل و جاں سے ہیں اب تجھ پہ نثار

تیرے بن دیکھے نہیں رکھتے ہیں ایک آن قرار

چاہنے والوں سے لازم نہیں خاطر میں غبار

تابمقدور نہ کیجئے دل عاشق بیزار

گرچہ عالم میں بڑے حسن کے ہیں گے گلزار

لیکن اس باغ کی ہے چاہنے والوں سے بہار

گل کی رونق جو ہے بلبل ہی کے منڈلانے سے

شمع کی گرمی بازار ہے پروانے سے

تو جو تیوری کو چڑھاتا ہے ہمیں دیکھ میاں

اور عیاں کرتا ہے چہرے پہ یہ خفگی کے نشاں

دیکھ ناخوش تجھے ہم ہوتے ہیں دل میں حیراں

بھید اس بات کا ہوتا نہیں کچھ ہم پہ عیاں

منھ بنا بیٹھنا ہر چند کہ ہے حسن کی شاں

پہ وہ موقع سے اگر ہو تو بجا ہے اے جاں

بے سبب ہو کے خفا رنگ نہ بدلا کیجئے
چشمہ صاف محبت کو نہ گدلا کیجئے

اے مرے مہر جبیں چھوڑ یہ خفگی کی چال
بدر دل دیکھ ترے غصہ کو ہوتا ہے ہلال
ہم سے وہ کون سی تقصیر ہوئی ہے فی الحال
جس کے باعث ترا اب آیا ہے خفگی پہ خیال
روٹھنے سے ترے ہے ہم کو بہت رنج و ملال
ہم ترے ذرۂ بیقدر ہیں اے مہر مثال
ڈال مت ہم کو عبث غم کی پریشانی میں
بے خطا چین نہ لا اپنی تو پیشانی میں

ہم سے آزردہ جو ہونا تھا تجھے بے تقصیر
کیوں کیا تھا ہمیں پھر دام میں زلفوں کے اسیر
جس سے یک چند ملے رہتے ہیں اے ماہ منیر
عمر بھر کرتے نہیں اس کے تئیں پھر دلگیر
اب تو دل کھول کے ملنے میں نہ کر کچھ تاخیر
ہے یہی خوب ترے حق میں جو کہتا ہے نظیر
دل کو عشاق کے غنچے کی طرح تنگ نہ کر
صلح کر چاہنے والوں سے میاں جنگ نہ کر

ترجیع بند

ہم پہ اے بے مہر مت اتنی روا بیداد رکھ
لطف سے ویرانہ دل کو مدام آباد رکھ
ہم نے کیا کیا دے کے دل تیرے رکھا ہے دل کو شاد
منھ دکھا کر تو بھی اب دل کو ہمارے شاد رکھ
جیسے دل دے کر کیا ہم نے کھلے بندوں تجھے
تو بھی قید غم سے ویسا ہی ہمیں آزاد رکھ
قصر دل کا انہدام اچھا نہیں ہوتا میاں
گر بھلا چاہے تو بیدردی کی مت بنیاد رکھ
راستی پیشوں سے کرنی کجروی بہتر نہیں
اور جو کرتا ہے تو پھر یہ بات دل میں یاد رکھ
بے دماغی سے نہ چمکے گی طرح داری تیری
سرد مہری سے نہ ہو گی گرم بازاری تیری
اے گل خنداں اگا مت تو ہمارے دل میں خار
صاف دل ہیں ہم نہ رکھ تو اپنی خاطر میں غبار
ہو کے آزردہ ہمیں مایوس مت کر لطف سے
ہم فقط ہیں اک نگاہ مہر کے امیدوار
جس سبب سے تلخ ہے تو ہم سے اے شیریں سخن
مت نہاں رکھ اس کو دل میں شوق سے کر آشکار
جھوٹ ہووے گا تو آپی دیں گے ہم اس کا جواب
اور جو سچ ہو گا تو ہم آپی سے ہوں گے شرمسار

ہے تو بحر حسن و خوبی تجھ کو یہ لازم نہیں
موج بے تابی سے کرنا ہم کو ہر دم ہر کنار

گر تکدر کا سبب غماز بے انصاف ہے
اس سخن چیں کی خطا ہے یاں تو سینہ صاف رہے

یاد ہے آگے جو غمازوں نے تھا بہتاں کیا
جب بچشم غور دیکھا سچ وہ نکلا تو بتا

ہیں سخن کہنے میں گو اہل ہوس سیماب طبع
لیکن ان کی بات کا ہے سوچنا بھی کیمیا

جس نے پی تیرے گلابی چشم کے پیالے میں مے
اس پپیہے نے بھلا پھر اور ساغر کب پیا

لاکھ صورت سے لگاوے کوئی بے معنی سخن
ہم نے دل اے شمع رو تجھ بن کسی کو کب دیا

ہم سے چھٹنے کا نہیں چکر ترے کوچے کا جاں
جب تلک پھرتی ہے سر پر آسماں کی آسیا

وہ توازروے گماں غماز کا بہتان ہے
تو اسے جانے یقیں یہ تو بڑا طوفان ہے

قامت موزوں ہے تیرے باغ خوبی کا نہال
کیا قیامت ہے کہ تو ہم کو نہیں کرتا نہال

کبک ہوتی ہے تری رفتار کے آگے خجل
ہم سے تو بے رحمیوں کی کس لیے چلتا ہے چال

کیوں نکالے ہے ہمیں محفل سے اپنی سوچ تو
کون سا گل باغ سے دیتا ہے بلبل کو نکال

ہم تو سر پاؤں پہ رکھتے ہیں ترے ہو کر خوشی
تو ہمیں کس واسطے کرتا ہے غم سے پائمال
نقص کیا دیکھا ہمارے چاہ میں اے تندخو
جس کے باعث سے تری ہم پر یہ خفگی ہے کمال
ہم کھڑے ہیں منتظر اور تو نہیں کرتا نگاہ
اور تو اب کیا کہیں بس واہ وا جی واہ واہ
تو جو رشتے کی طرح کھاتا ہے ہم سے پیچ و تاب
سوزن غم دل میں لگتی ہے ہمارے بے حساب
ہم کو چشم لطف ہے تجھ سے سو تو اس کی عوض
بے مروت، بے گنہ، بے جرم کرتا ہے عتاب
ذرہ گو ناچیز ہے پر مہر اپنے مہر سے
دیکھ کتنی دور سے کرتا ہے اس کو نور یاب
بس اسی صورت سے تو بھی مہربانی کر میاں
ہم ترے ذرے ہیں اور تو ہے ہمارا آفتاب
لشکر آزردگی سے تیرے اے سرکش صنم
کشور خاطر ہمارا مدتوں سے ہے خراب
چیں بہ ابرو تیرا ہو ناحق میں اپنے سیف ہے
ایک نگہ کی تو کرے ہم سے بخیلی حیف ہے
کیوں بدلتا ہے ہمیں تو دیکھ کر ہر آن رنگ
ہم ہیں تجھ سے صلح ہیں تو کس لیے کرتا ہے جنگ
دلکشائی جس کی کیجئے مہر سے پھر جور سے
غنچہ ساں اے گل نہ کیجئے اس کی پھر خاطر کو تنگ

حسن کو مت دیرپا اپنے سمجھ غافل نہ ہو
یہ وہ طائر ہے جسے اڑتے نہیں لگتی درنگ

اب جو کرتا ہے وہ کر لے دور خوبی میں میاں
پھر نہیں پھرتا کماں سے جس گھڑی نکلا خدنگ

شیشہ دل کو ہمارے بے سبب ہو کر خفا
توڑ مت اے بے وفا سنگیں دلی کا لے کے سنگ

اس قدر بے رحم اور بے درد مت یک لخت ہو
نرم وضعوں سے میاں اپنے نہ اتنا سخت ہو

جو مزا ہے مہر میں نامہربانی میں نہیں
لطف سے خوبی دوبالا ہوتی ہے اے نازنیں

ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا بس اب جلدی سے تو
دور کر غصے کو اور ہو مہربانی کے قریں

ہے یقیں تجھ کو بھی یہ دل سے کہ تیری چاہ میں
ہم نے اک مدت سے کیا کیا کچھ جفائیں ہیں سہیں

حسن کا رہنا ہمیشہ عقل میں آتا ہے کب
گرچہ دولت ہے بڑی لیکن نہیں رہتی کہیں

یہ جو ہم شکوہ ہیں کرتے تجھ سے ہو کر روبرو
سب یہ الفت کا سبب ہے، ٹھیک جان اس کے تئیں

تیری خفگی سے نظیر اب شاکی ہے دن رات کا
آملا جب تو گلے سے پھر گلا کس بات کا

ترکیب بند

تیرے لب لعل سے گل اندام
ہے حسرت لعل حسرت انجام
گلبرگ ہے غرض شبنم رشک
دیکھے سے ترا یہ لطف اندام
عارض سے خجل ہے عارض صبح
کاکل سے خجل ہے کاکل شام
یہ حسن یہ کام دل تو پا کر
رکھتا ہے عبث ہمیں تو ناکام
خوبی نے کیا ہے تجھ کو زیبا
زیبندہ نہیں ہے تجھ سے یہ کام
اتنی بھی نہ کیجئے جفائیں
جو خوبی میں آوے جس سے الزام
دکھ پا کے تری تعدیوں سے
ہم سخت بجاں ہیں اے دل آرام
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتہ جفا کو
رہتے ہیں تری جفا سے گلرو
آنکھوں میں ہمارے سرخ آنسو
کاہے کو یہ شکل ہو ہماری
گر لطف کی اک نگہ کرے تو

غم دیدہ ہے موبمو ہمارا

فرق اس میں نہ جان اک سرمو

دل تجھ سے چھڑا نہیں بھی سکتے

کچھ تو نے کیا ہے ایسا جادو

گر دیکھے تو ہنس کے اس طرف کو

سب رنج و الم ابھی ہوں یکسو

ہم چاہتے ہیں اشارۂ لطف

تو کھینچے ہے ہم پہ تیغ ابرو

تنگ آئے ہیں اب تو ہم نہایت

اے برق نگاہ آتشیں خو

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو

دے طول نہ رشتہ جفا کو

تجھ میں تو نہ تھی جفا کی عادت

نفرت سے تجھے تھی سخت نفرت

کیا ہم سے خطا ہوئی کہ جس سے

کم ہو گئی تیرے دل کی الفت

باندھی ہے کمر ستم پہ تو نے

سب چھوڑ کے مہر اور محبت

رکھ ہم سے وہی نگاہ پہلی

ایسا بھی نہ ہو تو بے مروت

دل ہم سے لیا تھا منتوں سے

اب جاتی رہی کہاں وہ منت

آرام و قرار و طاقت و صبر
سب ہوتے ہیں آج ہم سے رخصت
ہر آن کی رنجشوں سے تیری
پہونچی ہے ہمیں بہت اذیت
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

سمجھے تھے ہم اپنا دلدار
سو تو نے کیا ہمیں دل افگار
خیر اس کا گلہ تو ہے بہت سا
اب کیجئے کہاں تک اس کو اظہار
جیسا کہ تو ہے جفا سے مجبور
ہیں ویسے ہی ہم وفا سے لاچار
دل تجھ سے ابھی چھڑا لیں ہم تو
پر اہل وفا کا یہ نہیں کار
اقرار کیا ہو ساتھ جس کے
پھر اس سے کبھی نہ کیجئے انکار
جتنا کہ تو ہم پہ مہربان تھا
اتنا ہی ہوا ہے اب تو بیزار
شدت سے ہم آ گئے ہیں عاجز
اے دلبر و دل شکن دل آزار
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

دل تیرے لگا کے خال و خد سے
ہم تجھ پہ فدا ہیں دیکھ کد سے
آتے ہیں تری گلی میں بیباک
ہر روز ہم عشق کی سند سے
الفت میں ترے لگا کے دل کو
فارغ ہیں جہاں کے نیک و بد سے
چاہت سے تری، ہمیں کسی کے
مطلب نہ قبول سے نہ رد سے
دیوانہ کو تیرے اے پری رو
کیا کام ہے دانش و خرد سے
ہم تیری ادا کو مبتلا ہیں
کاوش تو نہ کر جفا کی کد سے
آزردگیوں سے تیری ہم پہ
گزرا ہے الم زیادہ حد سے
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتہ جفا کو
ہے حسن میں تجھ کو تاجداری
اور کشور دل میں حکم جاری
ہوتا ہے برنگ بلبل زار
گل دیکھ کے تیری گلعذاری
ٹک دیکھ جفا سے تیری بے مہر
کیا شکل ہوئی ہے اب ہماری

دل تڑپے ہے مثل مرغ بسمل
اور چشم کرے ہے اشکباری
تھا جرم وہ کون سا کہ ہم کو
دی جس کے عوض یہ دل فگاری
گر ہووے گناہ ہم پہ ثابت
تو ہم سے تو لے گناہ گاری
کچھ ہم میں نہیں ہے تاب و طاقت
اتنی بھی نہ کر ستم شعاری
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتہ جفا کو
وہ گل ہے تو آج حسن ایجاد
ہے گلشن حسن تجھ سے آباد
قامت کا ترے بیان خوبی
کرتے ہیں چمن میں سرو و شمشاد
ہیں تیری ہوا کے ہم ہوا دار
تو ہم کو نہ کر الم سے برباد
ہم دیکھ تجھے ہیں شاد ہوتے
تو ہم کو کرے ہے غم سے ناشاد
یوں زلف میں تیری ہم پھنسے ہیں
ہو دام میں جیسے صید صیاد
ہو دل سے فدا جو اپنے اوپر
اتنی نہیں کرتے اس پہ بیداد

تیرا ہے نظیر جان و دل سے
سن عرض یہ اس کی اے پریزاد
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتہ جفا کو

(648)

بہار

گرہ بند

شب کو چمن میں، واہ وا، کیا ہی بہار تھی مچی!
پھول کھلے تھے پھول پھول، غنچے کھلے کلی کلی
بیلا، چنبیلی، رائے بیل، موتیا، جوہی، سیوتی
باد صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
حوض پڑے چھلکتے تھے، نہر بلوریں لیتی تھی
شوخ بغل میں غنچہ لب، مے کی نشوں کی تازگی
عیش و طرب کی لہر میں رات جب آدھی ڈھل گئی
اس میں کہیں سے، ہے غضب! نکلی جو کر چاندنی
صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

رات کو کیا ہی عیش کی ٹھہری تھی آگے انجمن
تارے کھلے تھے مہ رتن، پھول کھلے چمن چمن
نرگس و نار و یاسمن، سوسن و طرے، نسترن
کبک و تدرو خندہ زن، بلبل و قمری نعرہ زن
یار بغل میں گلبدن، سرخ گلے میں پیرہن
سینہ بسینہ، تن بہ تن، عیش و طرب کے سب برن
اس میں رقیب دل شکن، آیا گجر کا کر کے فن
تھالی کہیں سے لا شتاب دے ہے بجا ٹھنن ٹھنن
صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

باغ میں شب کو واہ واہ کیا ہی مزوں کے گھور [1] تھے
طوطے و بگلے مور تھے، فاختوں کے بھی شور تھے
شوخ پر اپنے زور تھے، اس کے بدن بھی زور تھے
توڑے کڑے وبور [2] تھے چھلے بھی پور پور تھے
یار ہمارا چاند تھا، چاند کے ہم چکور تھے
دونوں چکئی و ڈور تھے، دونوں پتنگ و ڈور تھے
مے کے نشوں کے شور تھے، کپڑے بھی شور بور تھے
بولا رقیب دن دیے، دوڑیو یارو، چور تھے
صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی مزے تھے رات کو، یارو میں تم سے کیا کہوں
صحن چمن ارم نموں، ڈالیاں جھومیں سرنگوں

شوخ بغل میں ذوفنوں، عیش و طرب فزوں فزوں

مے کے بجے تھے آ کے خوں، چہرے نشوں میں لال گوں

یار کے ناز اور فسوں، اپنے بھی عشق اور جنوں

جام پکارے منھ لگوں، عیش پکارے دم نہ لوں

اس میں رقیب بدشگوں، کچھ نہ بنا تو وہ زبوں

پچھلے پہر سے بن کے مرغ بولا ہے آ کے کگڑوں کوں

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی

ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

لوٹے ہیں کیا ہی ہم نے واہ، رات مزے بہار کے

انکھڑیوں سرمہ دار کے، لعل مسی نگاہ کے

کاکل مشکبار کے، طرۂ تاب دار کے

مے کے نشوں کے تار کے پھولوں کے شاخسار کے

باہیں گلے میں یار کے، بوس و کنار پیار کے

ہاتھوں میں گجرے تار کے، گچھے گلوں میں ہار کے

بھاگا رقیب ہار کے، ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے

کچھ نہ بنا تو دی اذاں کوٹھے پہ جا کے یار کے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی

ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

رات ہوئے تھے واہ واہ کیا ہی نشے رسا رسا

پیتے تھے مے بسا بسا، پھولوں میں ہم بسا بسا

شوخ بغل میں چاند سا، دیتا تھا بوسے ہنس ہنسا

زلفوں میں اس کی دل پھنسا، آن ادا میں جی بسا

جامہ بدن میں چس چپا، پھول ہوا تھا بس بسا
نیندوں میں یار رسمسا، لے تھا جمائی کسمسا،
اس میں رقیب کر کسا 3 کر کے سحر کا وسوسا
لا کے نقارہ یا دہل، دھوں دھوں بجایا کس کسا
صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی نظیر رات کو عیش کے تھے مقابلے!
مے کے نشے ابل چلے، دل کی فراخ حوصلے
جی پہ خوشی کے در کھلے، رنج و تعب کے فاصلے
شوخ کی ناز چلبلے، بوسوں کے تھے معاملے
ناز و ادا کے چوچلے، عیش و طرب کے غلغلے
یار لپٹ رہا گلے، دل میں خوشی کے ولولے
اس میں رقیب دم نہ لے بولا ہی کر کے اشغلے 1
باندھو کمر مسافرو، کوچ کریں ہیں قافلے
صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

(649)

چاندنی

گرہ بند

صحن چمن میں، واہ واہ، زور بچھی تھی چاندنی!
چاند بلوریں[2] لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلہ زری
چمکے تھے تار تار میں مہ کی جھلک ذری ذری
بوس و کنار، و جام و مے عیش و طرب ہنسی خوشی
اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی
صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
چھوٹیں تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چنی تھیں صف بصف مے کی کئی گلابیاں[3]
ہم کو نشوں کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں، آنکھوں میں بے حجابیاں
اس میں فلک نے رشک سے، ڈالیں یہ کچھ خرابیاں
صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

چاندنی، واہ چاندنی! کرتی تھی کیا جھلک جھلک
چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی، نکلے تھی مے چھلک چھلک
یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک جھپک

عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
ایسے مزے میں، عیش میں آہ! کہیں سے یک نہ دھک 4
صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگمگا
ایک طرف وہ رشک مہ میری بغل میں تھا پڑا
دونوں دلوں میں لذتیں، دونوں میں عیش تھا
مے کی گلابی ہاتھ میں، آنکھوں میں چھا رہا نشا
ہونٹوں سے ہونٹھ لگ رہے، سینے سے سینہ مل رہا
اتنے میں، آہ! یک بیک کیا ہی غضب یہ ہو گا
صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

واہ! ہوئی تھیں رات کیا چاندنی کی اجالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل و گل کی ڈالیاں
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ، دیتا تھا میٹھی گالیاں
ہم بھی نشے میں مست تھے، ساقی کی پی کے پیالیاں
جل کے فلک نے اس میں، ہائے! آفتیں لا یہ ڈالیاں
صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

کیا ہی چمن میں شب کو واہ! بر سے تھی نور کی جھڑی
تار نشوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی پڑی

غنچہ دہن تھا بے خبر، پی تھی جو مے کڑی کڑی
دیتا تھا بوسے پیار کے، سینے سے مل گھڑی گھڑی
چشم سے چشم، لب سے لب، چھاتی سے چھاتی جب لڑی
کیا ہی گھڑی تھی عیش کی! اس میں یہ آ بلا پڑی
صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت یا ارم؟
یار تھا یا کہ حور تھا، یا کہ پری وہ یا صنم؟
چاندنی تھی وہ چاندنی، چاندی کا رنگ جس سے کم
پیتے تھے مے گھڑی گھڑی، لیتے تھے بوسے دمبدم
دونوں نشوں سے مست ہو سوئے پلنگ پہ جبکہ ہم
عین مزا تھا وصل تھا اس میں نظیر، بے ستم!
صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

(650)

شب عیش

گرہ بند

رات لگی تھی، واہ واہ، کیا ہی بہار کی جھڑی
موسم خوش بہار تھا، ابر و ہوا کی دھوم تھی
شمع و چراغ و گلبدن، بارہ دری تھی باغ کی
یار بغل میں غنچہ لب، رات اندھیری جھک رہی
مینھ کے مزے، ہوا کے غل، مے کے نشے گھڑی گھڑی
اس میں کہیں سے، ہے ستم! ایسی اک آپون چلی
ابر کھلا، ہوا کھلی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

شب کو ہوئیں، اہا اہا! زور مزوں کی مستیاں
بجلی کی شکلیں ہنستیاں، بوندیں پڑیں برستیاں 1
سبز دلوں کی بستیاں، جنس خوشی کی سستیاں
دونوں میں عیش مستیاں، دونوں میں مے پرستیاں
دھوم جیوں میں بستیاں، چہلیں پڑیں اکستیاں
اس میں فلک نے یک بیک، لوٹیں دلوں کی بستیاں
ابر کھلا، ہوا کھلی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

برسے تھیں کیا ہی جھوم جھوم، رات گھٹائیں کالیاں
کوئلیں بولیں کالیاں، بہ چلے نالے نالیاں
بجلیوں کی اجالیاں، بارہ دری کی جالیاں
عیش کی جھومیں ڈالیاں، باہیں گلوں میں ڈالیاں
چلتی تھیں مے کی پیالیاں، منھ پہ نشوں کی لالیاں
اس میں فلک نے دوڑ کر سب وہ ہوائیں کھالیاں 1

ابر کھلا، ہوا کھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار یہ گئی
ابرو ہوا کے، واہ واہ! شب کو عجب ہیز ور تھے
بھیگ رہا تھا سب چمن، مینھ کے جھڑاکے زور تھے
غوک، پپیہے، مور تھے، جھینگروں کے بھی شور تھے
بادہ کشی کے دور تھے، عیش و طرب کے چھور تھے
باغ سے تا باغباں جتنے تھے شور بور تھے
آ پڑے آن میں ناگہاں یہ جو خوشی کے چور تھے
ابر کھلا، ہوا کھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار یہ گئی
چار طرف سے ابر کی، واہ! اٹھی تھی کیا گھٹا!
بجلی کی جگمگاہٹیں، رعد رہا تھا گھڑ گھڑا
برسے تھا مینھ بھی جھوم جھوم، چھاجوں، امنڈ امنڈ پڑا
جھوکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا
ہم بھی ہوا کی لہر میں، پیتے تھے مے بڑھا بڑھا
دیکھ ہمیں اس عیش سے سینہ فلک کا پھٹ گیا
ابر کھلا، ہوا کھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار یہ گئی
زور مزوں سے رات کو برسے تھا مینھ جھمک جھمک
بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑے جھپک جھپک
جام رہے جھلک جھلک، شیشے رہے بھبک بھبک
یار بغل میں بانمک، عیش و طرب تھے بے دھڑک

ہم بھی نشوں میں خوب چھک، لوٹتے تھے بہک بہک
کیا ہی سماں تھا عیش تھا! اتنے میں، آہ! یک بیک
ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار یہ گئی

کیا ہی مزا تھا، واہ واہ! ابر و ہوا کا، یارو گل
برسے تھا مینھ سنبھل سنبھل، آگے رہی تھی شمع جل
عیش و نشاط برمحل، بارہ دری کا تھا محل
شوخ سے بھر رہی بغل، دل میں قرار جی میں کل
پیتے تھے مے مچل مچل، لیتے تھے بوسے پل بہ پل
اس میں نظیر یک بیک آ کے یہ پڑ گئے خلل
ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار یہ گئی

(651)

سوز فراق

تضمین 2 معشر

مجھے، اے دوست، تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے
کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے

یہ بیتابی، یہ بیخوابی، یہ بے چینی دکھاتا ہے
نہ دل لگتا ہے گھر میں، اور نہ صحرا مجھ کو بھاتا ہے
اگر کچھ منھ سے بولوں تو مزہ الفت کا جاتا ہے
وگر چپکا ہی رہتا ہوں کلیجہ منھ کو آتا ہے

مرا درویست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزا ستخواں سوزد

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسو کٹھن سینہ 1 کا کس بدھ کروں اپاؤ 2

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے
جگر کی بیکلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے
تڑپنا، لوٹنا، بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہے
کیے پر اپنے پھر آپھی کو دکھ پانا بھی ہوتا ہے
کف افسوس کو مل مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہے

اگر دانستمے روز ازل داغ جدائی را
نمیکر دم بدل روشن چراغ آشنائی را

جو میں ایسا جانتی کہ پیت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈورا پھیرتی کہ پیت نہ کیجو کوئے

سحر سے شام تک صحرا میں پھرنا دن کو من مارے
لگا کر شرم سے تا صبح گننا رات کے تارے
لبوں پر آہ، دل میں داغ جوں آتش کے انگارے
جسے دل چاہتا ہے اس کو کچھ پروا نہیں بارے

جب اس کی ہی یہ مرضی ہے تو چپ بیٹھے ہیں بچارے
مگر اس کے تصور میں یہی کہتے ہیں "اے پیارے"
زحال من کہ چونم بے رخت، داری خبریانہ؟
دل من سوخت، آیا درد لت باشد اثریانہ؟
آہ دئی کیسی بجھئی ان چاہت کے سنگ
دیپک کے بھاویں نہیں، جل جل مرے پتنگ
کبھی ہو کر گریباں چاک صحرا کو نکلتا ہوں
کبھی گھبرا کے پھر گھر کی طرف ناچار چلتا ہوں
لگی ہے آگ دل میں شمع ساں جل کر پگھلتا ہوں
دھواں اٹھتا ہے آہوں کا، برنگ موم گلتا ہوں
بدن میں دیکھ کر شعلہ بھڑکتے، ہاتھ ملتا ہوں
بھبھوکے تن سے اٹھتے ہیں، تی کی طرح جلتا ہوں
زتاب آتش دوری کہ میسوز و دل و جاں را
نمودہ نبض من پر آبلہ دست طبیباں را
برہ آگ تن میں لگی جرن لگے سب گات
ناری چھوات بید کے پڑے پھپھولا ہات
غضب ہے، ایک تو سمجھے نہ دل اور جی بھی گھبراوے
تس اوپر ہر گھڑی اس دلربا کی شکل یاد آوے
نہ ہو دل کیونکہ ٹکڑے اور نہ جاں کس طور اکتاوے؟
در و دیوار سے کیونکر نہ کوئی سر کو ٹکراوے؟
لگے جو آگ دل میں، پھر وہ بجھنے کس طرح پاوے؟
مگر جس نے لگائی ہو، وہی آ کر بجھا جاوے

چودر دل آتش دوری فتد اور اکہ بنشاند
مگر آنکس کہ آتش زدہ ہموں آبے بر فشاند

ہردے اندر دون 3 لگی دھواں نہ پرگھٹ ہوئے
جاتن لاگی سو لکھے، دوجا لکھے نہ کوئے

کہاں تک کھائیے غم؟ اب تو غم کھایا نہیں جاتا
دل بیتاب کو باتوں سے بہلایا نہیں جاتا
قدم رکھتا ہوں جس جاواں سے سرکایا نہیں جاتا
یہ پتھر ہاتھ سے تل بھر بھی اکسایا نہیں جاتا
پڑا ہوں دشت میں رستہ کہیں پایا نہیں جاتا
جو چاہوں بھاگ جاؤں، بھاگ بھی جایا نہیں جاتا

مکان یار دوراز من، نہ پردارم نہ پا، اے دل
عجب در مشکل افتادم، چساں طے سازم ایں منزل

نا میرے پنکھ نہ پاؤں بل، میں اپنکھ، پیا دور
اڑ نہ سکوں، گر گر پڑوں، رہوں بسور بسور

ادھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ "تو چل یار کے ڈیرے"
ادھر تن مجھ کو کہتا ہے کہ "تو مت مجھ کو دکھ دے رے"
جو کہنا دل کا کرتا ہوں تو رہتا ہے وہ گھر میرے
وگرتن کی سنوں تو اور دکھ پڑتے ہیں بہتیرے
نہ دل مانے، نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے
کروں کیا میں، نظیر ایسی جو مشکل آن کر گھیرے؟

دلم دلدار می جوید، تنم آرام می خواہد
عجائب کشمکش دارم کہ جانم مفت می کاید

دل چاہے دلدار کو، اور تن چاہے آرام
دبدھا میں دور دونوں ہو گئے نہ مایا ملی نہ رام

(652)

طلسم وصال

تضمین معشر

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل
کہ جس کی دیکھ کر سج دھج مرا دل ہو گیا بے کل
ادا بھی چلبلی اور آن میں بھی کچھ عجب چھلبل
فسوں گر انکھڑیاں ظالم کی اور جس پر لگا کاجل
کبھی نظریں لڑاوے اور کبھی مکھڑے پہ ہے آنچل
پڑا درکان میں جھلکے، گلے میں سج رہی ہیکل
نگارے، گلعذارے، نو بہارے، ناز پیرائے
دلآرامے، پری شکلے، بتے، شوخے، دل آرامے
وبہ سمن تیں اوجڑی، مکھ میں چمن لجائے
بھویں دھنکیں تان کیں، پلکیں بان چلائے
مجھے اس شوخ چنچل نے جب اپنا حسن دکھلایا
دکھا کر اک نظر چلتا ہوا اور مجھ کو ترپایا

گرا میں ہو کے بیخود یوں، پری کا جیسے ہو سایا
پھر اس میں ہوش جب آیا تو دل سینے میں گھبرایا
بہت سا اس گھڑی میں نے تو اپنے دل کو سمجھایا
نہ مانا دل نے ہرگز، ڈھونڈھنا ہی اس کا ٹھہرایا
کشیدم نالہ از شوق، پیراہن قبا کردم
برائے جستن اور صبر و تسکیں را رہا کر دم
جینت بھئی جاتیں کہی نینن انسواں لائے
ہے کوئی ایسا مہنت جو وچیم مندر بتائے
کہوں کیا اس گھڑی یارو، عجب احوال تھا میرا
ہر اک سے پوچھتا تھا ہر گھڑی اس شوخ کا ڈیرا
طلب کی کثرتیں اور جستجو کا شوق بہتیرا
ادھر آہوں کی سوزش اور ادھر اشکوں نے آگھیرا
کبھی تھی اس طرف جھانکی، کبھی تھا اس طرف پھیرا
جو کوئی پوچھتا تھا "کیوں میاں کیا حال ہے تیرا؟"
ازوی گفتم "احوالم مپرس اے یار غم خوارم"
خرابم دلفگارم، بے قرارم، نوگر فتارم
انگن 1 پھندے ار پری اور من پھنس دینوروئے
درگن 2 جادو ڈار کے سدھ بدھ دینی کھوئے
ابھی یاں اک پری رہ کر گیا ہے مجھ کو دیوانہ
مرا دل ہو گیا اس شمع رو کو دیکھ پروانہ
پلایا اس کی آنکھوں نے مجھے اس مے کا پیمانہ
نگہ نے کر دیا اس کی مجھے اک پل میں مستانہ

ملوں اک دم تو میں اپنا سناؤں اس کو افسانہ
مکاں اس کا تجھے معلوم ہے اے یار، کچھ یا نہ
اگر دانی، چناں کن لطف تا بینم مکانش را
نہم سر بر درش، در شوق بوسم آستانش را
نیہ گرے کا ہار ہے، ہوں تورے بلہار
مارے ہے موہے برہ دکھ لے چل وا کے دوار
یہ سن کر تھا وہ کہتا "میں تجھے اس کا پتا دیتا"
نہیں میں ساتھ جا کر تجھ کو اس کا گھر بتا دیتا
ابھی لے جا کے تجھ کو اس کی ڈیوڑھی پہ بٹھا دیتا
جو واں کے بیٹھنے کے طور ہیں وہ سب جتا دیتا
ادب سے جا کے اس کے حلقہ در کو ہلا دیتا
نکلتا جب تو خوبی سے تجھے اس سے ملا دیتا
ولیکن آں بت سرکش نو عاشق عار میدارد
رسیدن تا درش آساں نباشد کار میدارد
پلک کٹاری مار کے، ہردے رکت بہائے
کہ کی آہ سامرت 3 جووا کے دوارے جائے
یہ باتیں کہہ کے تھا میرے بہت وہ دل کو بہلاتا
جو الفت میں جتاتے ہیں وہی تھا مجھ کو بتلاتا
مگر مجھ کو بغیر از دیکھنے کے کچھ نہ تھا بھاتا
کبھی تھا آہ کرتا اور کبھی تھا اشک بھر لاتا
کبھی دیوانہ بن کر سوئے صحرا تھا نکل جاتا
دل شیدا کو اپنے تھا کبھی اس طرح سمجھاتا

بہ نیم آخرش اور از من تا کے نہاں باشد
اسیران محبت را کجا پرواے جاں باشد
نیہ نگر کی ریت ہے تن من دیہو کھوے
پیت ڈگر جب پگ رکھا، ہونی ہو سو ہوے
وہ تھا یہ بات سنتا جب مرا منھ دیکھ رہتا تھا
جو چلتا تھا تو وہ اپنی طرف کو ہاتھ گہتا تھا
مرا دل آتش فرقت میں اس دلبر کی رہتا تھا
نہ تھا کچھ بن جو آتا اس سے، درد و رنج سہتا تھا
گریباں تک پڑا اشک اس گھڑی آنکھوں سے بہتا تھا
وہ کہتا تھا ''ارے پھر جا، تو میں یوں اس سے کہتا تھا''
کشم آہ و قایم گریہ و شام و سحر گردم
نہ نیم تارخش، از جستجو ہرگز نہ برگردم
پتیم نے من موہ کے کیئوں مان گمان
بن دیکھے وا روپ کے میری کڑہت پہ ان
چلا واں سے میں اس غمخوار کی باتوں سے گھبرا کر
یہی تھی آرزو دل میں کوئی بتلائے اس کا گھر
پریشاں حال پھرتا تھا، کبھی ادھر کبھی ادھر
بتایا جب مکاں اس کا تو بیٹھا ایک رستے پر
یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ آ پہونچا وہی دلبر
اٹھا میں اور کہا یوں رکھ کے سر کو اس کے قدموں پر
مرا مجروح کر دی درنگہ ہم رخ بپوشیدی
چہ تقصیرم کہ دل بردی و حال من نہ پرسیدی

من مورا بس کر لیو، کاٹ کینی اوٹ
ایسی موتیں، من ہرن کہا بن آئی کھوٹ

کہی یہ بات جب اس شوخ سے میں نے بہ چشم نم
تو پہلے ناز میں وہ نازنیں مجھ سے ہوا برہم
لگا مجھ کو جھڑکنے اس گھڑی تیوری چڑھا پیہم
پھر اس میں رحم جو آیا تو ہنس کر یوں کہا اس دم
تجھے زخمی جو کر آئے تھے اب تیغ نگہ سے ہم
لگاویں گے ترے ہر زخم پر اب لطف کا مرہم
نظیر ایں حرف چوں گفت آں نگار دستان من
غم از دل رفت و آمد شاد مانیہا بجان من

من میر و یا بات سن نپٹ بھیو پرسند
نکسو دکھ، من بیچ تے آن بھری آنند

بحرطویل

(653)

پہلا مصرع

ایک دن باغ میں جا کر، چشم حیرت زدہ وا کر، جامہ صبر قبا کر، طائر
ہوش اڑا کر، شوق کو راہ نما کر، مرغ نظارہ اڑا کر، دیکھی رنگت جو چمن
کی، خوبی نسرین و سمن کی، شکل غنچوں کے دہن کی تازگی لالہ کے تن کی،
تازگی گل کے بدن کی، کشت سبزے کی ہری تھی، نہر بھی لہر بھری تھی، ہر
خیاباں میں تری تھی، ڈالی ہر گل کی پری تھی، خوش نسیم سحری تھی، سرو
شمشاد و صنوبر، سنبل و سوسن و عرعر، نخل میوے سے رہے بھر، نفس باد
معنبر، در و دیوار معطر، کہیں قمری تھی مطوق، کہیں انگور معلق، نالے بلبل
کے مدقق، کہیں غوغائی کی بق بق، اس قدر شاد ہوا دل، مثل غنچے کے گیا
کھل، غم ہوا کشتۂ و بسمل، شادی خاطر سے گئی مل، خرمی ہو گئی حاصل،
روح بالیدہ ہو آئی، شان قدرت کی دکھائی، جان سی جان میں آئی، باغ
کیا تھا گویا اللہ نے اس باغ میں جنت کو اتارا۔

دوسرا مصرع

ناگہاں صحن چمن میں، مجمع سرو و سمن میں، جیسے ہو روح بدن میں،
جیسے ہو شمع لگن میں، جیسے خورشید کرن میں، ماہ پروین و پرن میں، دیکھا

اک دل بر رعناوطرح دار جفا کار، دل آزار نمودار، نگہ ہمسر شمشیر، مژہ ترکش پر تیر، سر زلف گرہ گیر، دل خلق کی زنجیر، جبیں نور کی تصویر، وہ رخ شمس کی تنویر، زباں شہد بیاں شیر، نظر روح کی اکسیر، دہن غنچہ خاموش، سمن برگ بر دوش، سخن بحر گہر جوش، بدن سرو قباپوش، چھڑی گل کی ہم آغوش، وفا رحم فراموش، ہر اک آن ستم کوش، عجب حسن دل آرا، نہ کبھی مہر نے دیکھا، نہ کبھی ماہ نے دیکھا، نہ کسی فہم میں آیا، نہ تصور میں سمایا، وہ نظر مجھ کو جو آیا، مجھے حسن اپنا دکھایا، دل نے اک جوش اٹھایا، جی نے سب ہوش اڑایا، سر کو پاؤں پہ جھکایا، اشک آنکھوں سے بہایا، اس نے جب یوں مجھے پایا، یہ سخن ہنس کے سنایا، کہ "تو ہے عاشق شیدا، لیکن عاشق نہیں پیدا، ہووے تجھ پر یہ ہویدا، کہ اگر ہم کو تو چاہے یا محبت کو نباہے، نہ کبھی غم سے کراہے، نہ کسی غیر کو چاہے، نہ کبھی گل کی طرف دیکھ، نہ سنبل کی طرف دیکھ، نہ بلبل کی طرف دیکھ، نہ بستاں پہ نظر کر، نہ گلستاں میں گزر کر، چھوڑ دے سب کو مودت، ہم سے رکھ دل کی محبت، اس میں ہم بھی تجھے چاہیں، تجھ سے الفت کو نباہیں، ہیں یہی چاہ کی راہیں، گر یہ مقدور تجھے ہو، اور یہ منظور تجھے ہو، تو نظیر آج سے تو چاہنے والا ہے ہمارا۔"

(654)

پہلا مصرع

راحت افزائے محباں، مصدر لطف نمایاں، مظہر خوبی شاہاں، مجمع

مہر نمایاں، رونق محفل الفت، زینت بزم مودت، باعث راحت وبہجت، سبب فرحت وعشرت، شاد باشی وسلامت، شوق دیدار نہ چنداں، کہ بہ کلک آمد بتیاں، لاجرم بہتر وانسب، کہ پزیروہ مطلب، نامہ عیش فزایت، بہ تفقد وعنایت، لطف اصدار نمودہ، فرحت تازہ فزودہ، حسن الفاظ نگارد کہ مضامین ومعانی، بعبارت نظر آرد کہ باند از عیانی ایں تلطف کہ نمودی، بایں ہمہ زودی، منتے بر دلم آمد، خامہ گر تیز خرامد، نتواند کہ نگارد وصف آں مہر لقارا۔

دوسرا مصرع

آن کہ از فرط عطوفت، بصد افزونی شفقت، طلب پے رو الفت، شدہ باکثرت، سرعت زہے فرخندہ بشارت، خبے زہندہ اشارت طرب وفرحت آں را، کہ بدل ساختہ مارا، اگر اظہار نماید، بزبان عجز فزاید، وگر از خامہ نگارد، بنوشتن نگراید، عزم ایں مخلص دیریں، ہمیں اے دل برنگیں، کہ بتاخیر نسازد، وتوقف نطرازد، پے تحصیل تمنا، برسد زود وروآنجا، زعنایات الٰہی، ہست امید کہ جلدی، بلبیند از فرحت وخوبی، رخ خورشید ضیارا

(655)

پہلا مصرع

صبح دم بادل خرم، تو سن عزم جہاندم، سر کوے برساندم، دیدم

القصہ ہماں دم، دلبرے طرفہ ترے، حسن ورے، فتنہ گرے، لب شکرے، پرفن عیار، آرام دل آزار، جفا کیش طرحدار، پری شکل فسوں کا، بہ تن جامہ رخشاں، ہمچو خورشید درخشاں، تازہ تر چوں گل خنداں، سرمہ در چشم نمایاں، زینت لب مسی و پاں، بہ تبسم شکر افشاں، بہ نگہ سحر دل و جاں ہمہ مکر و ہمہ دستاں، زلف بر چہرہ کشادہ، بہر جاں دام نہادہ، مثل صیاد ستادہ، بردہ دل باز ندادہ، بنمائش ہمہ سادہ، و لے پرکار زیادہ، صنمے، مہر وشے، غنچہ لبے، گل بدنے، سرو قدے، نازکنے، عشوہ دہے، شوخ دل آرا

دوسرا مصرع

دلم از عقل برآمد، حیرتے در نظر آمد، عشق خود جلوہ گر آمد، آمد و خوب تر آمد، شدہ حالے عجبے، گہ طربے، گہ تپشے، گہ خلشے، گہ نظرے، گہ حذرے، ہیچ نہ دریا، بدل شوق درایزاد، بجاں شورش بیداد، چہ گویم کہ چہ افتاد، شدم محو تماشاہ دیدچوں آں بت زیبا کہ شدایں والہ و شیدا، زور آور و دلبہا، خندۂ قند و نمک زا، کرد صد ناز ہویدا، گفت ''اے ہوش نہ بر جا، تو چرا آمدی ایں جا، سر خود گیر بزودی، باش آں طور کہ بودی'' و گفتمش ''دل تو ربودی، عاشق خویش نمودی، بر من شیفتہ والہ دیوانہ دل دادۂ، دل بستہ، افتادۂ خود لطف ضرور است نگارا!''

قطعات، رباعیات وقصائد نظیر

قطعات

(656)

کہا یہ دل نے مجھے ایک دن کہ باغ کو دیکھ
ذرا تو چل کے گلستاں کو شب چراغ کو دیکھ
جونہی گیا میں چمن میں تو دل ہوا خرم
گلوں کے حسن کو اور ناز اور دماغ کو دیکھ
کہ اس میں آیا نظر مجھ کو اک گل لالہ
میں شاد اس کے ہوا عیش بافراغ کو دیکھ
یکایک اس نے کہا تو نگہ نہ کر مجھ پہ
نہ میرے بادۂ شبنم سے پر ایاغ کو دیکھ
نہ میری دیکھ تو سبزی نہ رنگ سرخ نظیر
ہے درد مند اگر تو تو میرے داغ کو دیکھ

(657)

ایک دن رہ کر لگا کہنے دل شیدا مجھے
تو نے عیش زندگانی کچھ نہ دکھلایا مجھے
میں کہا، بازار دنیا میں ہے سب کچھ دیکھ لے

جو تجھے درکار ہے اس کی تو کر ایما مجھے

گر یہ دولت چاہیے تجھ کو تو ہے یہ بے وفا

بے وفا سے پھر توقع کیا تجھے اور کیا مجھے

وصف اس بازار دنیا کا کہوں میں تجھ سے کیا

ایک نکتہ اس گھڑی ہے خوب یاد آیا مجھے

ایک مزارستان میں اے دل اک مزار کہنہ تھی

واں ہدایت نے شگاف ایک اس میں دکھلایا مجھے

مختصر تھی اک چمن بندی اور اس میں ایک شخص

مسند زریں پہ بیٹھا واں نظر آیا مجھے

ناگہاں باصد تاسف ہائے دنیا کہہ اٹھا

اس کے کہنے سے تعجب ہو گیا اس جا مجھے

میں کہا ان خوبیوں میں چاہیے افسوس کیا

سن کے بولا اس کا اب افسوس ہے آتا مجھے

میں نے واں کی تھی عبادت اور ریاضت چند روز

لطف حق نے اس کے بدلے یاں یہ کچھ بخشا مجھے

اور جو میں بھر عمر رہتا واں عبادت میں تو پھر

کیا کہوں اس کی عوض ملتا یہاں کیا کیا مجھے

سن کے اس نکتے کو مجھ سے یوں کہا دل نے نظیر

سچ کہا تو نے نہایت یہ پسند آیا مجھے

(658)

ایک دن دل خود بخود ایک بار قہ قہ کر ہنسا

میں نے اس کا دیکھ کر وہ خندۂ دنداں نما
یوں کہا تجھ کو ملا کیا گنج دولت کا کوئی
یا پڑا پایا کوئی تو نے جواہر بے بہا
یا کہیں سے منصب و جاگیر کی پہونچی نوید
یا تجھے خط اماں کلک اجل نے لکھ دیا
تو ہے غرق معصیت تجھ کو تو ہو کر منفعل
چاہیے عذر گنہ کرنا بصد درد و بکا
ایک دن تیری طرح سے میں بھی باعیش و نشاط
مثل گل خنداں و خرم اک گلستاں میں گیا
دیکھ کر ہنستا مجھے اک گل یہ بولا او میاں
اس قدر اس باغ میں ہنسا نہیں تجھ کو روا
میں نے اس کو یوں کہا آخر اسی گلزار میں
تو بھلا کس واسطے ہنستا ہے ایسا کھلکھلا
سن کے اس نے قطرۂ شبنم کے آنسو چشم سے
کر کے جاری اور بصد افسوس یوں مجھ کہا
میرے اور ہنسنے میں تیرے ہے نہایت اختلاف
تو ہنسا غفلت سے اور میں عمر پر اپنی ہنسا
کل جو تھے یاں گل کھلے آج ان کی ایک اک پنکھڑی
سامنے میرے اڑا کر لے گئی باد صبا
اب کوئی دم میں یہی ہو گی مری صورت نظیر
پس ترا ہنسنا بجا ہے یا مرا ہنسنا بجا

(659)

کہا دل نے مجھے اک دن کہ یاں دولت غنیمت ہے
نشاط کامرانی فرحت و عشرت غنیمت ہے
یہ سن کر میں نے اس سے یوں کہا کہتا ہے کیا اے دل
یہ دنیا کی ہوس ہے تو اسے کہہ مت غنیمت ہے
حباب آسا تری ہے زندگی اس بحر دنیا میں
اگر تو غور سے دیکھے تو یہ مہلت غنیمت ہے
پس اس مہلت میں تجھ سے جو عبادت اور ریاضت ہو
تو وہ نعمت تجھے اے دل بہر صورت غنیمت ہے
نظیر اب تجھ سے کہتا ہے یہ اے دل اتنی فرصت میں
جو کچھ حسن عمل کر لے تو یہ فرصت غنیمت ہے

(660)

کہا یہ دل نے مجھے دیکھ کر شب مہتاب
کہ میں ہوں اس شب مہتاب میں بہت بیتاب
جو آج کچھ بھی مرے پاس سیم و زر ہوتا
تو کیا ہی عیش کے کرتا میں اس گھڑی اسباب
بلا کے مطرب و رقاص چند بادلہ پوش
بچھا کے فرش مکلف سفید آئینہ تاب
جو چیزیں بزم طرب کی ہیں سب مہیا کر
خوشی سے بیٹھتا محفل میں جوں گل شاداب

ادھر سرور دکھاتے بہار رقص و سرود
ادھر سے عیش بڑھاتے صدائے چنگ و رباب
برستے عیش و نشاط اس طرح سے کر کے ہجوم
کہ جیسے برسے ہے جھڑ باندھ باندھ جوش سحاب
سحر تلک غرض اس بزم عشرت آگیں سے
ہزار فرحت و عشرت میں کرتا استیعاب
یہ سن کے میں نے کہا دل کو ایسی محفل تو
پچاس ساٹھ روپے میں بھی ہو سکے ہے شتاب
کچھ ایسی بات نہیں یہ تو ہے ابھی موجود
پر ایک بات میں پوچھوں جو اس کا دے تو جواب
ہوئے ہیں وہ جو جم و کیقباد و کیکاؤس
کب ان کی دولت و حشمت کا ہو سکے ہے حساب
انہوں نے کھو کے کروڑوں روپے یہ دیکھی سیر
پھر آخرش نہ وہ حشمت رہی نہ وہ اسباب
صراحی رہ گئی حسرت سے خون دل پی کر
پیالہ رہ گیا حیرت سے کر کے چشم پر آب
تو بس اسی میں تو عبرت پذیر ہو اے دل
کہ عیش و عشرت دنیا خیال ہے یا خواب
تو جس کو زیست سمجھتا ہے عطش غفلت سے
وہ موج آب نہیں ہے فقط ہے موج سراب
نہیں وہ چاندنی ہو جس کے بعد تاریکی
نہیں وہ عیش کہ ہو جس کے بعد رنج و عذاب

وہ مے کہ پہلے ہو جس میں سرور پیچھے شرور
سوائے آب سر اصلانہ کہئے اس کو شراب

تو جس کے واسطے کرتا ہے اس قدر افسوس
مرے قیاس میں ہے وہ خلاف رائے صواب

مگر خطا نہیں تیری میں خوب سمجھا ہوں
فریب دیوے ہے تجھ کو یہ نفس خانہ خراب

تجھے تو نفس کے برعکس چاہیے کرنا
کہ جس میں زور نہ پاوے یہ مفتری کذاب

ضیا و نور عبادت سے اپنا خانہ دل
کر ایسا جیسا کہ ہے آفتاب عالمتاب

فروغ طاعت و تقویٰ کر اس قدر پیدا
کہ جس سے تیری شب کو رہو تجلی یاب

بھروسا عمر کا مت کر نہیں وفا اس میں
جو کچھ نکوئی ہے کرنی تو وقت راد ریاب

نظیر کی تو یہی بات یاد رکھ اے دل
کہ یہ جہاں تو ہے دریا اور اس میں تو ہے حباب

رباعیات نظیر

(661)

مکھڑے کو جو اس کے ہم نے جا کر دیکھا
نمکھ تو نہیں یہ چھپ چھپا کر دیکھا
وہ حسن نظر پڑا کہ جس کا ہم نے
جب رات ہوئی تو مہ کو جا کر دیکھا

(662)

دیگر

محبوب نے پیرہن میں جب عطر ملا
اور پان چبا کے اپنے گھر سے وہ چلا
ہم نے یہ کہا نہ جاؤ باہر اے جاں
ہے شام قریب ہنس دیا کہہ کے بھلا

(663)

دیگر

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا
مکھڑے میں عجب حسن کا نقشا دیکھا
ایک آن دکھائی ہمیں ہنس کر ایسی
جس آن میں کیا کہیں کہ کیا کیا دیکھا

(664)

دیگر

دل دیکھ اسے جس گھڑی بے تاب ہوا
اور چاہ ذقن سے مثل گرداب ہوا
کی عرض کہ بے قرار دل ہے، تو کہا
اب دل نہ کہو اسے جو سیماب ہوا

(665)

دیگر

ہم دل سے جو چاہتے ہیں اے جان تمہیں
بے کل ہوں اگر نہ دیکھیں ایک آن تمہیں
تم پاس بٹھاؤ تو ذرا بیٹھیں ہم
مشکل ہے ہمیں تو اور ہے آسان تمہیں

(666)

دیگر

اس زلف نے ہم سے لے کے دل بستہ کیا
برو نے کجی کے ڈھب کو پیوستہ کیا
آنکھوں نے نگہ سے اور مژہ نے کیا کیا
کیفی کیا، دیوانہ کیا، خستہ کیا

(667)

دیگر

پان اس کے لبوں پہ اس قدر ہے زیبا
ہو رنگ پہ جس کے سرخی لعل فدا
ہر فندق انگشت سے اس دست کو گر
گلدستہ باغ حسن کہیے تو بجا

(668)

دیگر

کیا حال اب اس سے اپنے دل کا کہئے
منظور نہیں یہ بھی کہ بے جا کہئے
مشکل ہے مہینوں میں نہ جاوے جو کہا
پھر ملیے جو ایک دم تو کیا کیا کہئے

(669)

دیگر

پس اس کے گئے پہر جو ہم کو سینہ
دل کرنے کو اس کی چاہ کا گنجینہ
جب ہم نے کہا دیکھنے آئے ہیں تمہیں
سن کر یہ لگا وہ دیکھنے آئینہ

(670)

دیگر

آئینہ جو ہاتھ اس کے نے تا دیر لیا
اس دیر سے خجلت نے ہمیں گھیر لیا
جب ہم نے کہا کیا یہی عاشق ہے میاں
یہ سنتے ہی آئینے سے منہ پھیر لیا

(671)

دیگر

رکھتے ہیں جو ہم چاہ تمہاری دل میں
آرام کی ہے امید واری دل میں
تم حکم قرار کو نہ دو گے جب تک
البتہ رہے گی بے قراری دل میں

(672)

دیگر

رکھتی ہے جو خوش چاہ تمہاری ہم کو
اور کرتی ہے شاد باری باری ہم کو
کچھ دیر جو کی تھی ہم نے دل دیتے وقت
اب تک ہے اسی کی شرمساری ہم کو

(673)

دیگر

کوچے میں تمہارے ہم جو ٹک آتے ہیں
اور دل کو ذرا بیٹھ کے بہلاتے ہیں
ہو تم جو دل آرام تو ہم دیکھ تمہیں
اک دم رخ آرام کو تک جاتے ہیں

(674)

دیگر

ہم دیکھ کے تم سے رخ آرام میاں
خوش رہتے ہیں دل میں سحر و شام میاں
دیوانے تمہارے جب ادا کے ٹھہرے
پھر حسن پری سے ہمیں کیا کام میاں

(675)

دیگر

یاد آتی ہیں جب ہمیں وہ پہلی چاہیں
افسوس کرے ہے دل میں کیا کیا راہیں
تھے شور جو قہ قہ کے سو ان کے بدلے
اب شور مچا رہی ہیں جی میں آہیں

(676)

دیگر

ہوں کیوں نہ بتوں کی ہم کو دل سے چاہیں
ہیں ناز و ادا میں ان کی کیا کیا راہیں
دل لینے کو سینے سے لپٹ کر کیا کیا
ڈالے ہیں گلے میں پتلی پتلی باہیں

(677)

دیگر

ہم اس کی جفا سے جی میں ہو کر دلگیر
رک بیٹھے تو ہیں ولے کریں کیا تقریر
دل ہاتھ سے جاتا ہے بغیر اس سے ملے
اب جو نہ پڑیں پاؤں تو پھر کیا تدبیر

(678)

دیگر

ساقی سے جو ہم نے مے کا اک جام لیا
پیتے ہی نشے کا یہ سر انجام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے
یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

(679)

دیگر

اے دل جو یہ آنکھ آج لڑائی اس نے
اور پل میں لڑا کے پھر جھکائی اس نے
اپنی بے باکی اور حیا کی خوبی
تھی ہم کو دکھانی سو دکھائی اس نے

(680)

دیگر

ہے چاہ نے اس کی جب سے کی جا دل میں
کیا کیا کہئے جو ہے مہیا دل میں
جاتی ہے جدھر نگاہ اللہ اللہ
آتا ہے نظر عجب تماشا دل میں

(681)

دیگر

گر یار سے ہر روز ملاقات نہیں
اور ہو بھی گئی تو پھر مدارات نہیں
دل دے چکے اب قدر ہو یا بیقدری
جو کچھ ہو سو ہو، بس کی تو کچھ بات نہیں

(682)

دیگر

ناصح نہ سنا سخن مجھے جس تس کے
جو تو نے کہا یہ آوے جی میں کس کے
کیونکر نہ ملوں بھلا جی میں اس سے آہ
دل رہ نہ سکے بغیر دیکھے جس کے

قصائد نظیر

(683)

یہ جواہر خانہ دنیا میں جو ہے با آب و تاب
اہل صورت کا ہے دریا، اہل معنی کا سراب
وہ مطلا قصر رنگیں وہ منقش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصر ارم کو پیچ و تاب
وہ عظیم الشاں مکاں، ویتی تھیں جن کی رفعتیں
ہنس کے طاق آسماں کو طاق ابرو سے جواب
صحن میں بستاں سرا ایسی پراز غلمان و حور
جن کی انہاروں میں جائے آب و گل خالص گلاب
ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنہیں کہتی تھی خلق
کیقباد، قیصر و کیخسرو و افراسیاب
مہروش بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش
مشتری ہمت، ثریا بارگہ، کیواں جناب
وہ تجمل، وہ تمول، وہ تفوق، وہ غرور
وہ تحشم، وہ تنعم، وہ تعیش، وہ شباب
ہر طرف فوج بتاں ہر سو ہجوم گل رخاں
جن کے عارض رنج ماہ و رشک روے آفتاب
چشمک وآں و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت غمزۂ و ناز و عتاب

صبح سے لے کے شام تک اور شام سے لے کے تا بہ صبح
متصل رقص و سرود و پے بہ پے جام و شراب
ساقی و مطرب، ندیم و مستی و مے خوارگی
ساغر و مینا گل و عطر و مے و نقل و کباب
کثرت اہل نشاط و جوش نوشا نوش مے
از زمیں تو آسماں شور نے وچنگ و رباب
وہ بہاریں، وہ فضائیں، وہ ہوائیں، وہ سرور
وہ طرب، وہ عیش، کچھ جس کا نہیں حد و حساب
یا تو وہ ہنگامہ تنشیط تھا، یا دفعتہً
کر دیا ایسا کچھ اس دور فلک نے انقلاب
وہ تو سب جاتے رہے دم میں حباب آسا، مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصر ویران و خراب
تھا جہاں وہ مجمع عالی وہاں اب ہے تو کیا؟
نقش سم گور یا کہنہ کوئی پر عقاب
ہیں اگر دو خشت باہم، تو لب افسوس ہیں
اور جو کئی طاق ہے تو صورت چشم پر آب
خواب کہئے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں، واللہ، علم بالصواب

(684)

کیا کاسہ مے لیجئے اس بزم میں اے ہم نشیں
دور فلک سے کیا خبر پہونچے گا لب تک یا نہیں

یہ کاسہ فیروزہ گوں، ہے شیشہ بار پر فنوں
جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیر نگیں
ہو اعتماد اس کا کسے ہے شیشہ بازی یاد اسے
رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پر اندوہ گیں
کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبح دم
اک کاسہ سر پر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بفریاد و فغاں کیا "دیکھتا ہے، او میاں"
تھے ہم تھی سر بر آسماں، گو اب تو ہیں زیر زمیں
گل برگ سے نازک بدن، سر پاؤں سے رشک چمن
زرین و سیمیں پیرہن، دل کش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں، مہ طلعتوں سے صحبتیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں، مطرب قریں
باغ و چمن پیش نظر، بزم طرب شام و سحر
ہر سو بکثرت جلوۂ حسن بتان نازنیں
اک آسماں کے دور سے، اک گردش فی الفور سے
اب سوچئے گا غور سے در لحظہ آں، در لمحہ ایں،
سنتے ہی جی تھرا گیا، رخسار پر اشک آ گیا
دل عبرتوں سے چھا گیا، خاطر ہوئی بس سہمگیں
اس میں سر اپنا ناگہاں، ہر مو ہوا مثل زباں
بولا "نظیر آگہ ہو ہاں من نیز روزے ہمچنیں"

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے
خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے

کر رکھا تھا اپنا قبضہ غیر کی املاک پر
چھین لیا جب حق نے تب جانا بڑے نادان تھے

غیر کی چیزیں چرائی ہم بڑی سمجھے تھے عقل
غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے

ناگہاں اک استخواں پر جا پڑا اپنا قدم
کیا کہیں غفلت میں اس دم ہم کو کیا کیا دھیان تھے

پاؤں پڑتے ہی مرے اس استخواں نے آہ کی
اور کہا غافل کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے

دست و پا، زانو، سروگردن، شکم پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے

ساعدہ و بنی جبیں نقش و نگار و خط و خال
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے

رات کے سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا طاق اور ایوان تھے

لگ رہے تھے قہقہے اور ہو رہے تھے چہچہے
ساغر و ساقی صراحی عطر پھول اور پان تھے

لگ رہا تھا دل کہیں چنچل پریزادوں کے ساتھ
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے

گلبدن اور گل عذاروں کے کنارو بوس سے
کچھ نکالی تھی ہوس اور کچھ ابھی ارمان تھے

ایک ہی چکر اجل نے آن کر ایسا دیا
پھر نہ ہم تھے اور سب وہ عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پہ پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

ختم شد دیوان نظیر



مثنویات نظیر

(1)

مثنوی سیر دریا

تمہید

یک زماں از بحر عشرت زاے دہر
آ گئی دریائے خاطر میں یہ لہر

یعنے تک دریا کی جانب جائیے
دو گھڑی واں دل کو خوش کر آئیے

آ پڑا جب یہ ارادہ دھیان میں
جا پڑا دل شوق کے عمان میں

جی طلب کا سر بسر گھر ہو گیا
لُجہ خواہش سمندر ہو گیا

ہر طرف سے دل کے ہو کر دو بدو
جوش میں آیا محیط آرزو

آ گئی کثرت سے فوج اشتیاق
سر سے گزری دل کے موج اشتیاق

کھینچ کر لنگر ہوس نے ناگہاں

زورق خاطر کے باندھا بادباں
تند تر ہو کر تمنا کی ہوا
لے چلی کشتی طبیعت کی بہا

صفت کشتی

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہر آن ہو
شوق جس کشتی کا کشتی بان ہو
کیوں نہ وہ کشتی تپش لیتی چلے
جس کو خواہش اور طلب کھیتی چلے
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو مثل باد
جس کی ہووے آرزو باد مراد
کیوں نہ وہ کشتی روانی میں ہو طاق
جس کے چپو ہوں بدست اشتیاق
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو تیرساں
جس کے قبضے میں ہوس کی ہو کماں
کیوں نہ وہ کشتی ہو پراں آب پر
دے تمنا جس کو ہر دم بال و پر
الغرض غالب ہوئی جب دل کی چاہ
سیل کے مانند لی دریا کی راہ

صفت دریا

جب نظر آیا کنارا بحر کا
اس کے پہلو سے لگا اک دشت تھا

جی نے یوں چاہا کہ خوش ہو یک قلم
وصف صحرا پہلے کر لیجئے رقم

پر جو اول نام آیا بحر کا
پہلے اس میں ہی سخن پھیرا مرا

بھاگئیں اس کی جو طرحیں خاصیاں
کیں اسی کے آب میں غواصیاں

کیا کہوں، دریا ہے وہ یا عین نور
جس کی اک اک موج ہے بحر سرور

یوں وہ آب صاف سے پر نور تھا
جس سے حسن نور کا منظور ہے

ہے وہ کچھ حسن صفا پایا ہوا
جیسے آئینہ جلا پایا ہوا

تابش الماس کو ہے حسرت مقیم
قطرہ قطرہ روکش ہے در یتیم

دن میں کرتا ہے وہ آب سیم مات
رات میں ہے چشمہ آب حیات

تھی وہ کچھ تہ کی تجلی گستری
جیسے آئینے میں ہو عکس پری

صفت شیرینی آب

ہے عذوبت اس کی یہ شکر فشاں
شہد جس کے وصف میں عذب البیاں
قند ہی چپکا نہ ہے واں ہو کے مات
منھ سے مصری کے بھی نکلے ہے نہ بات
شربت اس پانی کے آگے روتا ہے
دودھ بھی پانی سے پتلا ہوتا ہے
اس کی شیرینی کی گر سنتی صفیر
بھولتی شیریں کو اپنی جوئے شیر

صفت خنکی وشیرینی آب

سردی اور شیرینی اس میں یوں ملی
جیسے ہو وہ برف شیریں کی ڈلی
اولے اس کو دیکھ کر غش کھاتے ہیں
ہونٹ شکر کے بھی چپکے جاتے ہیں

صفت موج

موج رکھتی ہے نزاکت سے وہ بہر
جوں کنارے کی بناوٹ میں ہو لہر
دیکھ کر اس کی وہ چین دل نشیں
رشک میں ہے یار کی چین جبیں
حد تو یہ ہے اس کی چین آباد سے

بھولی ہے بعد مسلسل یاد سے
یمہ شبنم کی چن کر آستیں
گر کوئی اس موج کے لاتا قریں
تاب کیا جو پاس آتا جانتی
دور ہی سید کچھ کر چیں مانتی
جب نسیم صبح واں آ جاتی ہے
بہتی ہے لہر میں وہ اور لہراتی ہے
کیا کروں اس کے تواتر کا بیاں
اس طرح ہوتی ہے پے در پے عیاں
جیسے طبع عشق زا سے زود زود
کرتی ہیں ہر دم نئی لہریں نمود

صفت حباب

ہر حباب اس کا نزاکت جوش ہے
موج کی تھالی کا وہ سر پوش ہے
یا کہ ہے دریا نے پہنی، کر کے چاہ
سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ
یا ہوا نے قصد کر کے خواب کا
ہے وہ بے چوبہ بنایا آب کا
درج سیمیں ہوش اس پہ کھوتا ہے
گنبد گردوں تصدق ہوتا ہے
کس نے دیکھا اس سوا بہتا ہوا

آب پر الٹا کٹورا سیم کا
کس نے غیراز اس کے دیکھیں بھالیاں
آب پر چینی کی الٹی پیالیاں
ہے ہوا اس میں وہ کچھ خوبی بھری
جس طرح ہوتی ہے شیشے میں پری
ہے تنک اتنا کہ وار اور پار سے
خوف رکھتا تھا نگہ کے بار سے
کیا کہوں اس کی صفائی اور چمک
کاسۂ بلور رہ جاتا ہے ڈھک
موتیوں پر غم کے اولے پڑتے ہیں
دل میں شیشے کے پھپھولے پڑتے ہیں
اب کہوں خوبی میں اس کی تاکجا
بندھ رہی ہے دور میں، اس کی ہوا

صفت گرداب

گردش گرداب ہے اس طور کی
میں نے جب خوبی پہ اس کی غور کی
فکر میں سر کو وہیں دور آ گیا
ہوش کا بھی مغز چکر کھا گیا
دیکھ لے اس کی گردش کا کمال
چاک ہووے سینۂ چرخ کلاک
کف پڑا پھرتا ہے وہ ایسا شگرف

چاک کے ہمراہ جوں پھرتا ہے ظرف
چرخ جب کہتا ہے کہ اس پر ہوں نثار
ہے زبان موج کہتی "دور پار"
اس کی گردش میں وہ چکر خاص ہے
جس سے حیراں دامن رقاص ہے
بحر دیکھے اس کی پھرت کی بیریاں
ناچتا تھالے کے چکر پھیریاں
جب نظر جاتی ہے اس میں گھرتی ہے
کیا کہوں، پانی میں پھر کی پھرتی ہے
اب پڑوں کب تک میں اس کے آب میں
کشتی دل جا پڑی گرداب میں
اور بھی مضموں کوئی لاتا میں گھیر
گر نہ آ جاتی طبیعت کو گھمیر
خوبیوں کو ان کی تکتا تھا بمہر
شب کو عکس ماہ، دن کو عکس مہر

صفت ماہی

ماہی ایک اک ہے اس میں وہ ندرت بھری
جس طرح ہوتی ہے شیشے میں پری
ہیں وہ ان سے حسن کی ہمراہیاں
مشت میں جن کی حنا کی ماہیاں
آوے کب لطف ان کا آگاہی تلک

شور جن کا ہے ماہ سے ماہی تلک

یوں دل دریا سے ہوتی ہیں عیاں
جیسے نقطہ نون کے ہو درمیاں
ماہی چرخ ان کو پا کر اچھیاں
دور سے لیتی ہے ان کی مچھیاں
ہے تڑپنے کی کجی میں وہ جمال
دن کو گر ہوتا تو غش کرتا ہلال
ایسی کچھ ان کی وہ کجیاں ہیں نفیس
دیکھتا ہے جن کو نون خوشنویس
ان کی کجیوں پہ نظر جب لاتی ہے
برق کیا کیا دہری ہو ہو جاتی ہے
آب میں ان کی کجی کے رو برو
دل بروں کے ابرووں کی آب رو
وہ کجی جب سر سے پا تک آتی ہے
نون کی گردن کی ہے بن جاتی ہے
دیدۂ شوق ان کو بھی یوں تک رہے
جیسے ماہی کی دو چشمی ہووے ہے

صفت صدف و ریگ

ہر صدف بلور سے شفاف ہے
ریگ بھی آب گہر سے صاف ہے

صفت ساحل

ساحل اس کا وہ صفا ہے ہم کنار
جس کی خوبی نہیں ہے کچھ وار پار

صفت ذرۂ ریگ

ریگ کے ذرے جو واں ہموار ہیں
وہ بھی یکسر گوہر شہوار ہیں
کیا کہوں ذروں کی اس کے آب و تاب
تک رہا ہے جن کی صورت آفتاب
ایک طرف ہیں قاز و بگلوں کے پرے
ایک طرف سارس کلنگ اور قر قرے

خاتمہ

اس طرح کا بحر جب دیکھا رواں
دل نے بھر لیں راحتوں کی کشتیاں
طبع میں عشرت پناہی آ گئی
غم کی کشتی پر تباہی آ گئی
یاں سے اب لیتا ہوں میں صحرا کی راہ
ہیں عجب کچھ واں بہاریں واہ واہ
وادیٔ خاطر چمن سے ملتا ہے

غنچہ دل دیکھتے ہی کھلتا ہے
گلشن اس کے حسن کا دل بستہ ہے
باغ اس کا صحرا کا اک گلدستہ ہے
گل سے ہر گل اب رگڑتا دوش ہے
بلبلوں کا بھی نہایت جوش ہے
اس طرح کی جا بجا ہے سبز کاہ
جس سے ہوتی ہے ہری کشت نگاہ
ہے نزاکت اس کی سبزی میں یہ واں
اطلس سبز اس قدر نازک کہاں
مخمل اس سبزی کے اوپر سوتی ہے
پرنیاں ہر دم تصدق ہوتی ہے
لہلہاہٹ اس کی ہے یہ خوشنما
جس طرح چلتا ہے پانی لہر کھا
برگ برگ اس کا زمرد کا نگیں
قطرۂ شبنم بھی جوں درثمیں
موج مے ہے اس کی ہر موج ہوا
اک نشہ سا دل کو آتا ہے چڑھا
خواب مغز سر میں ڈالے ہے کمند
خود بخود آنکھیں ہوئی جاتی ہیں بند
اونگھ پر اونگھ اس مزے کی آتی ہے
آنکھ گہہ کھلتی ہے گہ مند جاتی ہے
نکہت جیب ہوا ہے یاں تلک

ہے معطر جسم جس سے جاں تلک
ہر شجر اس کا دم طاؤس ہے
ہوتا بوٹا طبع کا مانوس ہے
دیکھ شکل اس دشت نزہت بہر کی
اٹھ گئی دل سے محبت شہر کی
تازگی دیکھ اس نضارت یار کی
اٹھ گئی دل سے الفت در و دیوار کی
دل نے یوں چاہا کہ اب رہئے یہیں
خلق میں کہلایئے صحرا نشیں
اب جو یہ صحرا ملا ہے بے تلاش
کیجئے یاں مثل مجنوں بود باش
چھوڑیئے دانش کی خوش اسلوبیاں
دیکھئے دیوانہ پن کی خوبیاں
بے محابا شادمانی کیجئے
بے تکلف زندگانی کیجئے
دیکھئے وارستگی کی شادیاں
کیجئے دل کھول کر آزادیاں
عمر بھر اٹھیے نہ یاں سے اے نظیر
دیکھئے ہر دم یہ دشت دل پذیر

مثنوی دوم

عجب دلکشا عالم حسن ہے
عجب جانفزا عالم حسن ہے
صفت حسن کی کس زباں سے کہوں
کہوں کیا اگر اس زباں سے کہوں
دکھائے ہے کس کس طرح کی بہار
فدا ہوں میں اس حسن صنعت کے یار
زباں میں اگر حسن گفتار ہو
تو شمہ بھی اس کا نہ اظہار ہو
ادا حسن کی وہ ہے اور آن بھی
کہ جس پر فدا ہے دل اور جان بھی
تبسم شکر، خوش اشارات ہے
تکلم بھی ایسا کہ کیا بات ہے
سراپا عیاں زینت افزائیاں
حیا، شوخیاں، جلوہ آرائیاں
جہاں صاحب حسن تشریف لائیں
تو واں لوگ پھولے نہ تن میں سمائیں
اگر روٹھ بیٹھیں تو منت کریں
خوشامد کریں دل سے خدمت کریں
جدھر یہ دکھاویں جفا کاریاں
ادھر سب کریں ناز برداریاں

جنہیں نازنیں ہنس کے دشنام دیں
وہ اس کا مزا دل ہی دل بیچ لیں
جو ایک ان کی جھڑکی سے ممتاز ہوں
تو کیا کیا وہ دل میں سر افراز ہوں
یہ ہو کر خفا جن سے لڑنے لگیں
وہ ان کو منا پاؤں پڑنے لگیں
یہ کوچے سے اپنے اٹھاویں جنہیں
وہ قسمیں دلا کر بٹھاویں انہیں
یہ تیوری کو جن پر چڑھائے رہیں
وہ چاہیں انہیں اور جتائیں کہیں
سہی قد سمن بر گل اندام ہیں
صنم ہیں پری ہیں دل آرام ہیں
عناں دل کی دے کر نظیر ان کے ہاتھ
غنیمت ہے الفت جو ہو ان کے ساتھ
کوئی نازنیں تھا بہت خوش جمال
پری شکل اور صاحب ملک و مال
وہ رنگیں ادا نو گل باغ حسن
کہ جس پر فدا سو گل باغ حسن
کہاں حسن کی اس کے تقریر ہو
پری دیکھ کر جس کو تصویر ہو
عجب اس کی سج دھج عجب آن بان
عجب اس کی شوکت عجب اس کی شان

رہی سر پہ رفعت کی وہ کج کلاہ
کہ جس کو تکیں چاہ سے کج کلاہ
قبا تن میں حشمت کی وہ دل فریب
کہ رہ رہ کے دیکھیں جسے جامہ زیب
چمک حسن پہ مہر اور ماہ کی
ترقی بہت دولت و جاہ کی
جدھر کو نکلتا وہ ہو کر سوار
ادھر لوگ اس گل پہ ہوتے نثار
نگہ کی کوئی پی کے مے جھومتا
کوئی اسپ کے نقش پا چومتا
کوئی دام کاکل میں ہوتا اسیر
کوئی دل میں کھاتا نگاہوں کے تیر
اٹھاتا کوئی تیغ ابرو کے وار
کوئی نوک مژگاں سے ہوتا فگار
غرض ملک خوبی میں تھا وہ جواں
شہ دلبراں خسرو دلبراں
مکاں اس کے کیا کیا چمکتے ہوئے
بلند اور وسیع اور جھمکتے ہوئے
کئی زرفشاں اور کئی سنگ کے
بچھے فرش ان میں کئی رنگ کے
جو خورشید کی پڑتی ان پہ جھلک
تو جاتی جھلک ان کی کوسوں تلک

خواصیں کنیزیں بھی سب دلربا
بہت خوبرو اور بہت خوش ادا
وہ ناز ان کنیزوں کے کرتے تھے کام
کہ سن کر کئی دل تھے ان کے غلام
لباسوں میں سب سیم تن سی پھریں
جواہر کے گہنے پہ منت دھریں
نئے چوچلے، ناز، اٹکھیلیاں
انوکھی اداؤں میں البیلیاں
وہ باغ اس کے سب سرو و سنبل بھرے
گل و بلبل ان میں تھے بالکل بھرے
جو کچھ وصف کی باغبانی کرے
تو نوک قلم گلفشانی کرے
کہے وصف گر اک خیاباں کا
تو کاغذ ہو تختہ گلستاں کا
محل اس سے ہوتا شبستان حسن
چمن اس سے ہوتا گلستان حسن
ندیم اس کے خاطر کے مرغوب تھے
جو یہ خوب تھا وہ بھی سب خوب تھے
گیا ایک دن کھیلنے وہ شکار
عجب واں تماشا ہوا آشکار
یہ پہونچے جو نخچیر کہ میں شتاب
سب اسباب ہر صید کا بے حساب

نہ چھوٹے تھے چیتے ابھی اور نہ باز
نہ جرے نہ شکرے سوے کبک و قاز
یکا یک نئی اک شمیم آ گئی
برنگ نسیم آ کے لہرا گئی
وہ نکہت کی جب واں ہوئی واردات
تو اس میں ہوئی یہ تعجب کی بات
کہ آئی نہ وہ یار و اغیار کو
مگر ان کو اور ان کے رہوار کو
جونہی مغز میں ان کے وہ بو گئی
تو حالت کچھ ان کی عجب ہو گئی
نہ اپنی خبر اور نہ توسن کی سدھ
نہ کچھ ہوش جاں کا نہ کچھ تن کی سدھ
وہ توسن بھی ویسا ہی کچھ ہو گیا
چلا بو کی جانب برنگ ہوا
نہ ہانکا انہوں نے نہ مہمیز کی
ولے اس نے رفتار واں تیز کی
انہوں نے تو اس کی نہ دی باگ اٹھا
وہ یکبارگی خود بخود بھاگ اٹھا
لگا تازیانہ جو تقدیر کا
تو دیکھ اس کو ہوش اڑ گیا تیر کا
سواروں نے گھوڑے اٹھائے بہت
کڑے تازیانے لگائے بہت

کیا برق ساں سرخہ و زرد کو
پر اس کی نہ پہونچا کوئی گرد کو
وہ آگے یہ پیچھے تگ و تاز میں
وہ انجام میں اور یہ آغاز میں
انہیں متصل ایڑ پر ایڑ تھی
اسے اور ہی ایڑ کی چھیڑ تھی
گرہ ایک ہوا کی نمایاں ہوئی
جو نزدیک پہونچی تو پیچاں ہوئی
سمیت اسپ اس کو اڑا لے گئی
یہ دیکھو ہوا کو ہوا لے گئی
جو دیکھا رفیقوں نے یہ اس کا حال
تو ہو جی میں دلگیر اور پر ملال
پھر آئے سوئے شہر آنسو بہا
یہ احوال اس کے پدر سے کہا
پدر یہ خبر سن کے غمگین ہوا
دل اس کا بہت حریت آگیں ہوا
فلک بازی اس ڈھب کی جس جا کرے
تو واں شخص مجبور پھر کیا کرے
یہ حال اس کا جس نے سنا رو دیا
تعجب میں آ ہوش کو کھو دیا
جو ہوتا تھا واں درد و غم سو ہوا
اب آگے سنو ماجرا جو ہوا

گئی اس کو لے کر ہوا جس گھڑی
تو کیا کیا چلی واں سے ہو کر کڑی
پھر آخر اسے لا کے ایک آن میں
اتارا عجب اک بیابان میں
ہوا جس گھڑی واں کی ان کو لگی
ہوئی دل کی اور ہوش کی تازگی
یہ اترے جو اس دشت میں آن کر
تو دیکھا ادھر اور ادھر دھیان کر
بڑا دشت آیا نظر ایک ہرا
بہت فرحت افزا بہت دل کشا
جو آئیں نظر واں کی ہریالیاں
تو کیا کیا ہوئیں دل کو خوش حالیاں
ہوا نرم نرم ایسی تفریح بار
چمن میں چلے جوں نسیم بہار
کروں کیا ہوا کی میں خوبی رقم
لکھوں تو ہری ہو سراپا قلم
اگر رنج کی دل میں بنیاد ہو
تو سب اس ہوا سے وہ برباد ہو
کرے جس طبیعت سے ہمراہیاں
تو کیا کیا جتاوے ہوا خواہیاں
خوش آئی وہاں کی انہیں جو ہوا
ہوئی آگے چلنے کی دل کو ہوا

رسیدن جوان بر کنار چشمہ

بڑھے جب یہ آگے کو ہو شادماں
تو دیکھا کہ اس دشت کے درمیاں

بہت خوشنما ایک تالاب ہے
صفا پرور اس کا بہت آب ہے

تموج ہے کیا کیا ادا کر رہا
کناروں تلک آب ہے بھر رہا

بنا ہے بہت طرفہ معمول میں
بڑے عرض میں اور بہت طول میں

جو فکر اس کے بحر صفت میں ترے
تو جوں موج مضمون بہتا پھرے

قلم بھی لکھے کچھ جو آ لہر میں
تو پیرے وہ انگشت کی نہر میں

رقم ہو تو کاغذ کے اوپر شتاب
پھریں دوڑتے حرف مثل حباب

یہ کچھ موج کی سلسلہ بندیاں
کہ سنبل کی شاخیں ہوں شرمندیاں

شنا ماہیوں کا اس آداب میں
کہ جوں عکس مہ کا پھر ے آب میں

اگے سبزۂ سبز بخت اس کے گرد
کھڑے لہلہاتے درخت اس کے گرد

طیور ان کی ہر شاخ پہ ناز میں
بھریں خوبیاں ان کی آواز میں
کناروں پہ سرووں کی پہ آبیاں
پھریں بیچ میں تیرتی مرغابیاں
بڑے قاز سرخاب بگلے بہت
ولے یاں کے بگلوں سے اگلے بہت
کہیں پانی پیوے کلنگوں کی صف
بطیں بھی پھریں پیرتی ہر طرف
کہیں اس کے ساحل پہ مشکیں غزال
پئیں ڈال کر منھ وہ آب زلال
اسے بھی یہ دیکھ عیش گستر ہوئے
پیا پانی اور شادماں تر ہوئے
سمجھ میں تو ان کی بیابان تھا
ولیکن وہ دشت پرستان تھا

ماندن جوان بوقت شب درآں بیابان

جو دیکھا وہ صحرا نیا یک بیک
تو خوش ہو یہ دیکھا کیے دیر تک
تماشا کبھی اس فضا کا کیا
کبھی وصف آب و ہوا کا کیا
ہوئے دشت میں واں کے مشغول یہ
چمن اپنے گھر کے گئے بھول یہ

دل ان کا جو تھا عشرتیں گن رہا
تو اس میں کوئی دو گھڑی دن رہا
یہ سوچے کہ یاں سے اٹھا چاہیے
کہیں شب وک چل کر رہا چاہیے
کچھ اک میوے اس جا کیے نوش جاں
ہوئے پانی پی کر وہاں سے رواں
ہنسی اور خوشی جب یہ آگے بڑھے
تو واں کوہ تھا اک یہ اس پر چڑھے
چڑھے کوہ پر واں جو یہ پر شکوہ
تو دیکھا مکاں ایک بالائے کوہ
نئی طرز میں اس کی دیکھی بنا
نہایت مصفا بہت دل کشا
انہوں نے نظر کی سب آرام پر
رکھا پاؤں اپنا سر بام پر
چڑھے بام پر جب یہ ہر دل پسند
تو بیٹھے اسی کو یہ کر دل پسند
ہوا اپنی راحت جتانے لگی
بلندی بہاریں دکھانے لگی
چھپا سورج اور وقت دونوں ملے
جو اس وقت کھلتے تھے گل سب کھلے
بسیرے کے طائر لگے بولنے
ہر ایک طرز بسرام کو کھولنے

جو آواز ان کی بہت واں ہوئی
تو کیا کیا عیاں راحت جاں ہوئی
وہ صحرا کی سبزی وہ ہنگام شام
ہوئے مل کے ایسے وہ حسن انتظام
کہ جوں سانولا دلربا شنگ ہو
چھٹی منھ پہ زلف اس کے شب رنگ ہو
ہوا وصل ان کا وہ اس آن میں
کہ سنبل ہو آغوش ریحان میں
جو دونوں میں واں آشنائی ہوئی
تو پھر زور میں مشک سائی ہوئی
لگیں لپٹیں آنے ادھر اور ادھر
مکاں سب گیا مشک و عنبر سے بھر
معنبر وہ صحرا وہ بن ہو گیا
غرض رشک دشت ختن ہو گیا
معطر ہوا جب انہوں کا مشام
تو ہنس کر کہا واہ رے یاں کی شام
یہ پھرتے تھے یوں بام پر شادماں
پھرے جوں فلک پہ مہ آسماں
کوئی دو گھڑی بعد پھر واں شتاب
نمایاں افق سے ہوا آفتاب
وہ تھا کوہ اس جا جو آئینہ رنگ
تو کیا کیا چمکنے لگے اس کے سنگ

درختوں کے پتے سہانے لگے
ہر ایک شاخ پر جگمگانے لگے
ضیائیں ادھر اچاندی رات میں
نمائش ادھر جوں طلسمات میں
وہ طائر جو ہیں بولتے رات میں
وہ مشغول سب اپنے نغمات میں
چھکنا جو تھا بھا گیا چاند کا
چکوریں بھی ناچے تھیں چاہت جتا
وہ سب دشت واں مہ کے دستور سے
جھمکنے لگا ہر طرف نور سے
غرض واں بہار اس قدر ہو گئی
کہ ان کو خوشی میں سحر ہو گئی
سحر کا بھی نور اس خوشی کا ہوا
کہ جس کو قمر دیکھ پھیکا ہوا
صباحت وہ اس کی ہوئی سو، بسو
کہ حیرت میں ہوں جس سے آئینہ رو،
چلی اس قدر راحت افزا نسیم
کہ دل سے ہوئے دور سب خوف و بیم
سحر سے بھی یہ خوش بہت ہو گئے
جو خورشید نکلا تو پھر سو گئے
کئی دن اسی طور سے واں رہے
بہت خرم و شاد و خنداں رہے

چلے واں سے آگے بہ مقدور تک
گئے سیر کرتے بہت دور تک
اسی طور کی خوبیاں دیکھیاں
طبیعت کی مرغوبیاں دیکھیاں
کہیں دن کہیں رات کو جا رہے
جہاں دل نے چاہا اسی جا رہے
یہ جتنا کہ آگے چلے جاتے تھے
عجائب بھی ان کو نظر آتے تھے
دکھاتے تھے جلوے نگہ کے حضور
نئے کچھ وحوش اور نئے کچھ طیور
کئی دن میں چل کر یہ پہونچے کہاں
نیا باغ تھا ایک پری کا جہاں
جو آئے یہ اس باغ میں پر سرور
تو پایا عجب رنگ و بو کا وفور
گل و نسترن سے بھری کیاریاں
نسیم اور صبا کی ہوا داریاں
زمین چمن سے وہ سبزہ اگا
کہ سلک زمرد ہو جس پر فدا
اکڑ سرو و شمشاد کی دل پسند
صدا قمریوں کی بھی کیا کیا بلند
رہیں بلبلیں ہر طرف چہ چہا
رواں نہر اور جوش فوار ہا

ہنسیں کبکیں اور زیب لاتی پھریں
تذرو دیں بھی چالیں دکھاتی پھریں
گل و لالہ و سوسن و ارغواں
رہے اپنی اپنی دکھا خوبیاں
ادھر کو رخ ناردن لعل گوں
ادھر چشم نرگس بھی رکھتی فسوں
ادھر عبہر اپنی کیے کج کلاہ
ادھر زلف سنبل بھی دام نگاہ
ادھر حوض نادر ادھر آبشار
جدھر دیکھیے ہر طرح کی بہار
جو دیکھا انہوں نے وہ باغ ایک بار
طبیعت ہوئی ان کی باغ و بہار
مکاں ایک تھا باغ کے درمیاں
بہت زر نگار اور جواہر فشاں
مقطع نہ اونچ اور نہ کچھ نیچ میں
عجب اونچ اور نیچ کے بیچ میں
جگہ ٹھہرنے کی اسے ٹھان کر
گئے بیٹھ جلدی یہ واں آن کر
کبھی عارض گل پہ ان کی نگاہ
کبھی زلف سنبل پہ ان کی نگاہ
بہت ہو کے خوش وقت واں بار بار
یہ تھے دیکھتے اس چمن کی بہار

وہ تھا باغ جس کا وہ اک آن میں
ہوئی وارد اپنے گلستان میں
عجب مہر پیکر عجب خوش لباس
خواصیں بھی اس کے بہت آس پاس
نگہ اس کی جادو ادا فتنہ زا
جو چاہے تو لے دل پری سے اڑا
جب اس نے یہ دیکھا نیا گلبدن
تو ہو مثل بلبل وہ گل پیرہن
لگی کہنے دل میں تعجب میں آ
کہ یہ اس چمن میں نیا گل کھلا
یہ گل اس گلستاں میں بیٹھا ہے جو
کبھی یاں تو آئی نہ تھی اس کو بو
عجب ہی یہ گل گلشن ناز ہے
عجب دلربا شوخ طناز ہے
ذرا اس سے چل کر ملا چاہیے
کچھ احوال اس کا سنا چاہیے
یہ کہہ اپنے دل میں وہ سرو رواں
جہاں تھے یہ بیٹھے چلی آئی واں
ہوئی ان کے آ کر وہ یوں عنقریب
کہ جوں گل کے نزدیک ہو عندلیب
منگا جلد دو کرسیاں زر نگار
بٹھایا انہیں اور وہ بیٹھی نگار

بہت خیریت پوچھ کر یوں کہا
نہایت کرم تم نے ہم پر کیا
لگی دیکھنے چاہ سے بھر نظر
انہوں نے نہ دیکھا اٹھا کر نظر
جب ان کی نگہ واں نہ اس سے لڑی
وہ سمجھی کہ اس کی نگہ ہے بڑی
غرور اس کو ہے اور ہی شان کا
یہ انسان ہے اور ہی آن کا
مجھے یہ جو خاطر میں لایا نہ یاں
اسی میں گھلی جاتی ہے میری جاں
بڑی دیر تک پوچھتی وہ رہی
ولے کچھ انہوں نے نہ اپنی کہی
بہت پوچھنا حال کا جب کیا
یہ جب بھی نہ بولے مگر ہنس دیا
ہنسا جب وہ شمشاد باغ جمال
پری ہو گئی بس اسی میں نہال
ضیافت بڑے لطف سے اس نے کی
ہر ایک چیز پاکیزہ آگے رکھی
کھلایا نہایت خوشی سے انہیں
کیا شاد ربط دلی سے انہیں
جو پھر رسم ہے عطر اور پان کی
وہ لائی بجا اپنے مہماں کی

ہوا ناچ اور راگ بھی خوب سا
مزے پر مزا ان کے دل کو ملا
جو واں ناچ اور راگ دیکھا سنا
نہ دیکھا کبھی تھا نہ ویسا سنا
وہ گہنے نئے اور وہ نادر لباس
کہ حسرت میں ہو دیکھ جس کو قیاس
بہت نیند جب ان کو آنے لگی
پلک پر پلک کو جھکانے لگی
پری نے مکاں ان کو بتلا دیا
بہت فرش پاکیزہ بچھوا دیا
انہوں نے کیا جا کے آرام واں
نگہباں رہیں کتنی آرام جاں
پری باغ سے اپنے گھر کو گئی
وہ جاگی تھی جاتے ہی بس سو رہی
ہوئی جب سحر پھر وہ آئی پری
لگی کرنے دلداری و دلبری
جو کل ان سے تھا لطف و احساں کیا
تو آج اس کی نسبت وہ چنداں کیا
کوئی دو مہینے تلک روز و شب
رہے باغ میں یہ بہ عیش و طرب
پری تھی دل و جاں سے ان پر نثار
لگے کہنے اس سے یہ ہو بیقرار

اگر تم کہو تو میں صحرا میں جا
شکار افگنی کا بھی لوں کچھ مزا
کہا اس نے بہتر ہے اے مہرباں
کرو تم شکار افگنی جا کے واں
شتاب ایک فرس اس نے منگوا دیا
بڑے ساز سے اس کو سجوا دیا
کہا پھر بہت دور مت جائیو
اسی کوہ و صحرا میں ہو آئیو
پھرو گے ادھر تم تو کرتے شکار
رہوں گی ادھر میں بہت بیقرار
نہ آؤ گے پھر جب تلک تم ادھر
رہے گا لگا دھیان میر ادھر
بہت چاہت اپنی جتاتی تھی وہ
پہ خاطر میں ان کے نہ آتی تھی وہ
وہ الفت میں ان کے گرفتار تھی
انہیں اس سے نفرت تھی اور خار تھی
انہیں حسن پر تھا جو اپنے غرور
اسے کچھ نہ گنتے تھے اپنے حضور
ہوئے جب یہ اس باد پا پر سوار
چلے شاد ہوتے ہوئے کوہسار
جو کیں واں انہوں نے عناں تازیاں
تو وہ اسپ کرنے لگا بازیاں

ابھی تھا زمیں پر ابھی کوہ پر
ابھی پل میں آیا ادھر سے ادھر
ڈپٹ میں ہوا باد، جب ایڑ کی
اچک کر اڑا جس گھڑی چھیڑ کی
جو چاہا یہ پکڑیں پرند ہوا
تو ان کا دیا ہاتھ ان، ملا
جو چاہیں ہرن پکڑیں جیتا ہوا
تو ان کا وہی واں بھی چیتا ہوا
ملا صید جو جو بیاباں میں
کای قید اس نے وہ ایک آن میں
طبیعت جدھر ان کی مائل ہوئی
وہی آرزو ان کی حاصل ہوئی
تو پھر جس گھڑی دن بہت سا چڑھا
درختوں کے سایہ میں بیٹھے یہ جا
یہ سایہ میں بیٹھے تھے جا کر جو ہیں
تو دیکھا کہ اس جا پہ ایک نازنیں
سوار اپنے اشہب پہ آتا ہے وہ
بہت لوگ ساتھ اپنے لاتا ہے وہ
عیاں حشمتوں کا کچھ آثار ہے
ذرا حسن میں بھی طرح دار ہے
انہیں اس نے دیکھا تو خوش ہو کے واں
اتر اپنے توسن سے وہ نوجواں

سلام ان کو کر کے گلے سے ملا
بہت خرمی سے وہ جوں گل کھلا
وہ دیکھ ان کو جب مثل گل کھل گیا
تو ان کا بھی واں اس سے دل مل گیا
ہوئی اس کو ان سے محبت بہت
انہیں بھی ہوئی اس سے الفت بہت
کہا گھر میں رکھئے ہمارے قدم
ہماری تو آنکھیں تمہارے قدم
انہیں واں سے وہ سیمبر لے گیا
غنیمت سمجھ اپنے گھر لے گیا
وہ تو سن یہ آئے تھے جس پہ سوار
دیا بھیج جس کا تھا وہ راہوار
پری ان کی خاطر بھٹکتی رہی
بہت دل ہی دل میں بلکتی رہی
یہ آئے جو گھر میں پری زاد کے
تو دیکھے مکاں طرفہ بنیاد کے
چمن گلفشاں دل کشا خوب تر
ہر ایک چیز نادر خوش اسلوب تر
جو ہم عمر ان کا تھا وہ نوجواں
بہت خوش ہوا ان کے آنے سے واں
سوا اس کے واں اور ہم سن و سال
انہیں بھی ہوئی ان سے الفت کمال

لگے رہنے ان ہمنشیوں میں شاد
پری کا نہ آیا وہ پھر باغ یاد
یہ دلخواہ صحبت جو ان کو ملی
تو کیا کیا ہوئی ان کو واں خوشدلی
سحر سے لگا شام تک فرحتیں
لگا شام سے صبح تک عشرتیں
رہے واں بہت خوش یہ دو چار ماہ
پھر اک دن پری زاد پر کر نگاہ
کہا یاں جو بہتر کوئی ہو مکاں
تو ہم کو دکھاؤ تم اے قدرداں
کہا اس نے یا اک مکاں ہے نیا
برابر نہیں اس کے یاں دوسرا
تمہیں کل ہم اس جا میں لے جائیں گے
بہت خوبیوں سے دکھا لائیں گے
سحر کے یہ ہوتے ہی نکلے شتاب
ہوا وہ پری زاد بھی ہمرکاب
وہ گھوڑے ہوا کا جو بھرتے تھے دم
انہوں نے رکھا دم میں اس کا قدم
گئے واں یہ جس دم نزاکت نشاں
تو دیکھا عجب اک بلوریاں مکاں
ہرا گرد صحرا تھا کوسوں تلک
بچھا فرش مینا تھا کوسوں تلک

بنا یوں وہ اس سبز صحرا میں تھا
کہ الماس لے جوں زمرد میں جا
بلند اس قدر و ضیا دستگاہ
کہ بھولوں کو اکثر بتاتا وہ راہ
جھلک اور جھمک اس کی واں اس قدر
کہ آئینہ شرمندہ ہوا دیکھ کر
وہ صحرا جو پہلے نہیں تھا ملا
یہ صحرا جو دیکھا وہ ٹھہرا بڑا
مکاں جتنے دیکھے تھے خوش قطع واں
وہ بھولے انہیں جب یہ دیکھا مکاں
یہ مائل جو اس دلنشیں کے ہوئے
تو مشتاق اس کے مکیں کے ہوئے
کہا اس پری زاد سے ہنس کے واں
کہ ہم کو خوش آیا بہت یہ مکاں
اب اس کی ہے اس دم تمنا ہمیں
کہ جس کی یہ جا ہے تک اس سے ملیں
سنا جب یہ اس نے تو ان سے کہا
اسے دیکھ لینا نہیں کچھ بھلا
یہ جس کا مکاں خوب پر نور ہے
بہت حسن پر اپنے مغرور ہے
نگہ برق زلف سیہ جال ہے
ستمگر ہے سرکش ہے قتال ہے

گھمنڈ اپنی سج پر ہے اس کو بہت
غرور اپنی دھج پر ہے اس کو بہت
بڑے حسن میں یاں جو ہیں خوبرو
تو ان کو وہ کہتی ہے یہ کیا ہے تو
یہ نام اس کا ہے وہ جو محبوب ہے
نہایت طرح دار اور خوب ہے
یہ سن کر انہوں نے کہا واہ واہ
بھلا ہم بھی اب دیکھ لیں اک نگاہ
اسے ہم جو ٹک دیکھ جاویں گے یاں
کریں گے صفت جا کے ہم اپنے ہاں
پری زاد یار، ان کو لایا ادھر
جہاں جلوہ گر تھی وہ رشک قمر
ہوئے واں جو یہ اس پری سے دو چار
پڑے دام ان پر ہزاروں ہزار
وہ محبوب بھی دیکھ انہیں غش ہوئی
عیاں چاہ کی دل میں آتش ہوئی
کہا آیئے یاں کرم کیجئے
کنیزی میں اپنی ہمیں لیجئے
یہ بولے کہ ہم پر جو اعطاف ہے
فقط آپ کا حسن الطاف ہے
وگرنہ یہ رتبہ ہمارا کہاں
جو یاں آویں یہ ہم میں یارا کہاں

ادھر عجز اس نے کیا بار بار
ادھر سے انہوں نے کیا انکسار
دلوں میں بہم تازہ الفت ہوئی
پھر الفت سے بڑھ کر محبت ہوئی
پھر آگے محبت کے تو عشق ہے
ہوا عشق پھر عشق کو عشق ہے
ہوئے دونوں آپس میں جب مبتلا
تو لائی وہ رسم ضیافت بجا
وہ کھانے جو تھے زرفشاں خوان کے
سو آگے رکھے اپنے مہمان کے
نہایت تکلف کی تیاریاں
ملیں ان کو کیا کیا مزیداریاں
دکھایا انہیں ناچ پھر اس قدر
کہ جادو نے مجرا کیا آن کر
پکڑ ہاتھ چاہت جتاتی پھری
مکانات ان کو دکھاتی پھری
چمن بھی پھر اپنے دکھائے انہیں
تر و تازہ میوے کھلائے انہیں
بڑا لطف ان پر نمایاں کیا
ہزار عیش سے ان کو شاداں کیا
پری کی جو مادر تھی والا صفات
تو واں اس نے کی تھی مقرر یہ بات

کہ جب تک رہے دن یہ اس جا رہے
جو شب ہو تو مجھ پاس پھر آ رہے
پھر اس میں جو دن واں ذرا سا رہا
دیا اس نے معمول اپنا جتا
گئے تھے جو دونوں دل آپس میں مل
تو ہوتا نہ تھا واں سے اٹھنے کو دل
یہی تھی تمنا یہی تھی طلب
کہ بیٹھے رہیں متصل روز و شب
پھر اتنے میں چھپنے لگا آفتاب
یہ بے بس چلی واں سے اٹھ کر شتاب
پھر آئے جو گھر تھا پریزاد کا
ولیکن دل ان کا اسی جا رہا
رہی جی میں اس کی ملاقات بھر
نہ آئی انہیں نیند واں رات بھر
ہوئی ان کے جی پر جو یاں واردات
وہی حالت اس کی رہی ساری رات
سحر پھر پچھلے اس کا لیتے یہ ناؤں
وہ محبوب بھی آئی تاروں کی چھاؤں
ملے جب تو پھر شادمانی ہوئی
عیاں سو خوشی کی نشانی ہوئی
بہم مل کے بیٹھے جو دونوں وہ گل
گئی رات کی غنچگی دل سے کھل

خوشی کے لگے ہونے باہم سخن
طرب کے کھلے جی میں کیا کیا چمن
لگی ہونے مہر و وفا آشکار
یہ اس پہ فدا اور وہ ان پہ نثار
بہت شام تک خوش طبیعت رہی
ہر ایک طور خاطر کو فرحت رہی
اسی طور مدت تلک دم بدم
رہے شاد و مسرور دونوں بہم
یہ ملتے جو ہر روز تھے بے خطر
تو اک دن ہوا اس خلل کا اثر
کہ ناگہ ادھر اس کی ماں آ گئی
پری دیکھ کر اس کو تھرا گئی
نہایت وہ غصہ ہوئی اور خفا
انہیں تو نہ ہرگز کچھ اس نے کہا
طمانچہ مگر اس کے عارض پہ مار
اسے لے گئی واں سے ناچار وار
جو اس کے طمانچہ وہ آ کر لگا
تو واں منھ پہ اور ان کے دل پہ لگا
وہ مہوش جو مکھڑا ہوا لال کچھ
تو ان کے ہوا دل کا احوال کچھ
وہ نقش انگلیوں کا جو اس جا ہوا
تو نقشا عجب ان کے دل کا ہوا

قرار دل اور ہوش جاں کھو دیا
جو کچھ بس نہ دیکھا تو بس رہ دیا
پھر آ کر یہ گھر میں پریزاد کے
ہوئے ہم نفس آہ و فریاد کے
ہوا ہجر کا ان کے دل پر وہ جوش
کہ خواب و خورش کا رہا کچھ نہ ہوش
نہ باہر یہ نکلیں نہ باتیں کریں
دم سرد ہر دم یہ بیٹھے بھریں
یہ بیکل ادھر وہ پری بیقرار
یہ آہیں کریں وہ ادھر اشکبار
رہا ایک مدت اسی طور حال
انہیں درد و غم اس کو رنج و ملال
پری زاد دیکھ ان کو جنجال میں
پڑا سخت تشویش کے جال میں
کوئی سوچ کر بات دل میں وہیں
گیا واں جہاں تھی وہ اندوہگیں
حضور اس کی ماں کے بصد عجز جا
جھکا سر کو اور پاؤں پر گر پڑا
کہا وہ جو گھر میرے انسان ہے
کہوں کیا وہ میرا دل و جان ہے
جو اس کے تئیں میں نہ لاتا ادھر
تو برسوں تلک وہ نہ آتا ادھر

اگر پہ اگاتا وہ اسباب میں
تو ہرگز پہونچتا نہ یاں خواب میں
وہ انسان ہے اور یہ پرستان ہے
وہ اس جا مسافر ہے مہمان ہے
بہت شرمگیں اور ہے صاحب حیا
نہیں اس نے کی یک سر مو خطا
میں ایا اسے جب یہ الفت ہوئی
یہ میرے سبب سے محبت ہوئی
نہیں زہر ہرگز وہ تریاک ہے
اسے آج تک الفت پاک ہے
اب اس کا پریشاں بہت حال ہے
ادھر یہ بھی فرقت سے پامال ہے
رہے یوں ہی دونوں جو اندوہ گیں
تو کچھ شکل جینے کی ان کے نہیں
مناسب تو اب عقل کے ہے یہی
کہ نسبت سے دونوں کی ہو زندگی
مجھے عرض کرنا سزاوار ہے
مزاج آپ کا آگے مختار ہے
نہایت وہ صاحب خرد تھی پری
اسی بات میں دیکھ کر بہتری
کیا خیر بہتر ہے اب جائیے
برات اس کی جا کر بنا لائیے

یہ فرماں ہوا جب پریزاد کو
چلا اپنے گھر کی طرف شاد ہو

جب آیا وہ گھر اپنے فرخندہ فال
بہت خوش ہو کھولا در گنج و مال
وہ کیں اس نے شادی کی تیاریاں
کہ جس کی ہوئیں واں نمود اریاں
کیے طرفہ عشرت کے سامان سب
نمایاں ہوئے دور عیش و طرب
ہزاروں پریزار رنگیں قبا
ہوئے بزم شادی میں رونق فزا
کئی دن تلک ناچ اور راگ کا
ہر ایک اہل محفل نے پایا مزا
بہت خوان واں نعمتوں کے دھرے
کھلائے ہر اک کو ورے اور پرے
گل اور پان بھی طرفہ آداب سے
بھرے ظرف شربت سے اور آب سے
وہ سلک زمرد در بے بہا
وہ ہر چیز شادی کی عشرت فزا
وہ سہرا سنہرا جواہر نگار
وہ جوڑا شہانا وہ گوہر کے ہار
بخوبی یہ سب کچھ پنھایا انہیں
بہت خوب دولہا بنایا انہیں

بنا زیب و زینت سے اک راہوار
کیا ان کو اس پہ بہ زینت سوار
ہوئی جب عیاں تھی جو ساعت بھلی
برات ان کی بن ٹھن کے یاں سے چلی
گئے اس کے در پر تو کر کر نگاہ
لگے کہنے سب شاد ہو واہ واہ
غرض جا کے اتری جب ان کی برات
رہیں چہلیں اور عشرتیں ساری رات
جو رسمیں تھیں وہ سب خوشی سے ہوئیں
سبھی باتیں وہ خوش دلی سے ہوئیں
پری سے ہوا بیاہ ان کا جو واں
بہت عیش و عشرت ملی ان کو ہاں
پھر اک تخت پر بیٹھ کر شان سے
پری کو یہ لائے پرستان سے
ہوئیں ان کے ماں باپ کو فرحتیں
انہیں بھی رہیں عمر بھر عشرتیں
جو دیکھا محبت عظمت حسن ہے
جہاں میں بڑی دولت حسن ہے
جو کچھ حسن میں خوبی آیات ہے
وہ خوش ہے نظیر اس کی کیا بات ہے

مثنوی سوم

عجب عشق کا رتبہ و جاہ ہے
عجب عشق کی رسم اور راہ ہے
عجب عشق کی شوکت و شان ہے
عجب عشق کا طور و عنوان ہے
عجب عشق کا رمز اور راز ہے
عجب عشق کا سوز اور ساز ہے
مجھے بھی جو ہے کچھ مزا عشق کا
سخن دل میں رکھتا ہے جا عشق کا
سنا تھا جو میں نے کبھی ایک جا
تو لکھتا ہوں یاں سے میں اب مدعا
کوئی شخص تھا صاحب عز و جاہ
کسی وقت میں تھا وہ حشمت پناہ
بہت حسن و خوبی میں آراستہ
بہ زیب و زینت میں پیراستہ
بہت اس کی تھیں وضع میں خوبیاں
طرح داریاں اور خوش اسلوبیاں
یہ تھا خلق اور جسم میں نرم پن
کہ جس پر فدا تھے گل و نسترن
نہایت مزاج الفت انگیز تھا
تکلم بہت شکر آمیز تھا

سخن میں طبیعت تھی مشکل پسند
مضامین رنگیں بہت دل پسند
محبت بہت ہر گل اندام سے
دل آرام رکھتا دلآرام سے
سخن حسن کا اس کے مرغوب تھا
ادا کا سمجھنا بہت خوب تھا
محل اور مکاں تھے وہ کچھ خوشنما
کہ تھی واں نگہ کو تحیر کی جا
عجب رونق ان میں نمودار تھی
پری اس جگہ نقش دیوار تھی
مہیا سب اسباب ندرت کے ساتھ
ہر اک چیز تھی سو نزاکت کے ساتھ
کئی یوں تو اس کے گلستان تھے
بہاروں کے ان سب میں سامان تھے
ولے ایک باغ اس کے منظور تھا
دل اس کا بہت اس سے مسرور تھا
گل اس کے بہت رنگ و بو سے بھرے
وہ رستہ کھڑے سرو باندھے پرے
طرب عندلیبوں کی آواز میں
نسیم عیش میں اور صبا ناز میں
ادھر نسترن کے رہے بھر چمن
ادھر یاسمین کے چمن در چمن

ادھر سرو کے سنبل آغوش میں
ادھر ڈالیوں کے گل آغوش میں
ادھر چاندنی جگمگاتی ہوئی
ادھر نرگس آنکھیں لڑاتی ہوئی
ادھر بلبلیں عشق میں بھر رہیں
ادھر قمریاں شور و غل کر رہیں
ادھر شان شمشاد زینت فزا
ادھر آب انبار موج انتہا
وہ غنچوں کے لب مسکراتے ہوئے
وہ گل شاخ پر کھلکھلاتے ہوئے
رہی زور سبزوں میں بھر تازگی
ادھر کو تری اور ادھر تازگی
وہ اس باغ میں گلعذاروں کے ساتھ
بہت سیر کرتا بہاروں کے ساتھ
ہوئی ایک دن واں عجب واردات
کہ اس باغ میں وہ رہا ایک رات
ہوئیں بزم عشرت کی تیاریاں
نشاط و طرب کی نموداریاں
مے و ساقی و مطرب خوش نوا
سبھوں نے دیا حسن محفل بڑھا
صراحی گلابی جھمکنے لگی
مئے ناب ہر دم چھلکنے لگی

وہ رقاصہ ہا شوخ اور اچپلی
ادا ان کی چنچل نگہ چلبلی
لباس ان کے جھمکیں دکھاتے ہوئے
وہ زیور بھی سب جگمگاتے ہوئے
وہ سب ناچنے اور گانے لگیں
مزے زندگی کے دکھانے لگیں
گئی رات آدھی جو اس میں گزر
ہوئی نیند آنکھوں میں آ جلوہ گر
جو غالب وہ خواب آن کر ہو گیا
تو اس عیش و عشرت میں وہ سو گیا
وہ سویا جو عشرت کے اسباب میں
تو یکبارگی آن کر خواب میں
دل اس کا کوئی نازنیں لے گئی
وہ گل تھا اسے بیکلی دے گئی
دکھا کر جھمک وہ تو چلتی ہوئی
رہی اس کی جاں ہاتھ ملتی ہوئی
دکھا حسن اس نے ادھر راہ لی
ادھر اس نے کی آہ اور چاہ لی
دکھا آن وہ تو نہاں ہو گئی
اسے زندگی بار جاں ہو گئی
دکھا زلف وہ تو گئی حال میں
دل اس کا پڑا عشق کے جال میں

دکھا آن وہ تو گئی آن میں
بھرا عشق اس کے دل و جان میں
دکھا تیغ ابرو کی وہ نازنیں
گئی کر کے زخمی جب اس کے تئیں
کھلی یک بیک آنکھ اس خواب سے
ہوا تر بتر چشم کے آب سے
اگرچہ وہ جاگا پہ روتا رہا
دل اس کا فدا اس پہ ہوتا رہا
اگرچہ وہ جاگا تو فی الفور تھا
ولے اس کے دل کا وہی طور تھا
اگرچہ وہ جاگا تو ہنگام سے
پہ اس کا نہ چھوٹا دل اس دام سے
اگرچہ وہ جاگا تو حسرت بھرا
نہ بھولا گر اس صنم کو ذرا
خلل آ گیا اس کے احوال میں
پڑا کچھ عجب ڈھب کے جنجال میں
کبھی یاد اس حسن اور شان کی
کبھی یاد اس ناز اور آن کی
کبھی یاد اس مہ سے رخسار کی
کبھی یاد اس چشم خونخوار کی
کبھی یاد اس طرز مرغوب کی
کبھی یاد اس قامت خوب کی

کبھی یاد اس زلف کج باز کی
کبھی یاد اس دھج کے انداز کی
تپش دمبدم دل کے ہمراہ تھی
خلش ہر گھڑی ہر نفس آہ تھی
نہ لگتی تھی کچھ بات جی کو بھلی
وہی بے قراری وہی بے کلی
تحیر میں آ کر پڑا ایک بار
نہ دل کو تسلی نہ جی کو قرار
رکھے دل میں اس بھید کو یا کہے
عجب حال تھا کیا کرے کیا کہے
یہ کچھ عشق کا جلد آنا ہوا
کہ عاقل سے دم میں دوانا ہوا
دیا جھپ کچھ ایسا جھمکڑا دیکھا
کہ دیا خوشی سے اٹھا غم بھرا
نمایاں ہوئی جب سحر آن کر
تو خادم وہ حسب وقت پہچان کر
لے آیا کوئی گڑگڑی کو بنا
کوئی آفتابے کو لایا اٹھا
نظر آیا مسند پہ لیٹے ہوئے
دوپٹے سے منھ کو لپیٹے ہوئے
کہا شب جو گزری مے و جام میں
ہیں اس واسطے اب تک آرام میں

بہت دن چڑھا جب تو حیراں ہوئے
جنہوں نے سنا وہ پریشاں ہوئے
جو تھے اقربا آ گئے آن میں
کہا سچ کہو تم ہو کس دھیان میں
اگرچہ کئی جاگتے رات ہے
پر اتنا بھی سونا یہ کیا بات ہے
نہ دیکھا نہ دل کو سنبھالا ذرا
کسی سے نہ بولا نہ چالا ذرا
کئی طور سے سب نے تدبیر کی
ولیکن کسی نے نہ تاثیر کی
مہینوں تک اس کا یہی حال تھا
پریشاں دل و خستہ احوال تھا
کسی سے نہ کہتا وہ کچھ بات تھا
اسی کے تصور میں دن رات تھا
مصاحب جو اس کے تھے اور ہمنشیں
پراگندہ خاطر دل اندوہگیں
ہر اک نے اس احوال پر کر نظر
کہا اس کی خدمت میں یوں آن کر
بہت دن ہوئے آپ کو اس طرح
نبھے گی بھلا بات یہ کس طرح
نہ ہنستے ہو ہرگز نہ کچھ بولتے
نہ بھید اپنے دل کا ہو کچھ کھولتے

کہو کچھ تو اب اس کی تدبیر ہو
تفحص میں ہرگز نہ تاخیر ہو
کہو کچھ تو اب اپنے مقدور تک
کریں جستجو اس کی ہم ادور تک
یہ سن کر کہا ان سے احوال دل
کہ میرا ہوا ہے یہ کچھ حال دل
رہے ڈھونڈتے وہ بھی مدت تلک
نہ دیکھی رخ مدعا کی جھلک
کہا پھر یہ تدبیر ہے اب سنو
کہ قصہ کہانی ہر ایک شب سنو
جو اس میں بر آوے تمہاری مراد
یہی خاص اب ہے ہماری مراد
تمہارا جو اس طور کا حال ہے
کہیں کیا ہمارا جو احوال ہے
تمہارا جو نقشہ ہے اس طور کا
کہیں کیا ہمیں غم ہے کس طور کا
کہا جب انہوں نے یہ ہو دردمند
اسے بھی یہ تدبیر آئی پسند
جسے تھا جو کچھ یاد آنے لگا
زباں پر وہ احوال لانے لگا
بہت داستاں اور کہانی ہوئی
مہینے تک افسانہ خوانی ہوئی

ہوا کوئی وارد جو ایک رات واں
تو اس نے کہی جلد یہ بات واں
کہ میں نے جو دیکھا اب ایک حال ہے
کہوں کیا غرض طرفہ احوال ہے
گیا تھا میں ایک دن کسی کام کو
ہوا واں سے پھرنا میرا شام کو
مجھے شام کا وقت جس جا ہوا
تو اس دشت میں یہ تماشا ہوا
کئی خوشنما واں پرند آ گئے
وہ آئے پھر ان سے دو چند آ گئے
بہت پیارے پیارے خوش آہنگ کے
پر و بال ان کے کئی رنگ کے
بہت دلربا نازک اندام تھے
نگہ کے لیے ان کے پر دام تھے
ابھی ان پرندوں کے تھے طور کچھ
بدل کر ابھی ہو گئے اور کچھ
عجب گفتگو اور عجب چال ڈھال
بہت خوبرو اور بہت خوش جمال
جو پریوں کی تصویر میں ہے سند
وہی ان کی صورت وہی ان کے قد
بہت خوش لباس ان کے پر دوش پر
کچھ ایسے کہ لے دیکھ انہیں ہوش پر

کسی نے دیا فرش اس جا بچھا
جھمک وہ کہ ہو تاش جس پہ فدا
کسی نے بہت حسن ترکیب سے
رکھے مسند اور تکیے ترتیب سے
کسی نے مے اور جام لا کر رکھے
طرب کے سر انجام لا کر رکھے
ہوئیں جا بجا روشن اس بزم میں
عجب ڈھب کی شمعیں عجب مشعلیں
وہ سب کر چکے تھا جو کچھ عزم میں
پرند اور آئے پھر اس بزم میں
پریزاد وہ بھی ہوئے آن کے
بڑے حسن کے اور بڑی شان کے
جواں تھا جو ان میں بہت نازنیں
ہوا زیب مسند وہ مسند نشیں
جو آئے تھے بیٹھے وہ گرد آن کر
ادب سے مقام اپنے پہچان کر
یہ تھا ہمنشینوں میں حسن اس کا واہ
نمایاں ہو جیسے ستاروں میں ماہ
ہوا ناچ اور جام چلنے لگے
نشے خوش دلی کے اچھلنے لگے
نوا زنگ کی اور صدا تال کی
خوشی دل کی اور تازگی حال کی

ادا جادو اور سحر انداز تھے
عجب راگ تھے اور عجب ساز تھے
وہ چمکے تھے حسن اور لباس اس گھڑی
چھٹے جیسے مہتاب یا پھلجھڑی
یہ عالم جو واں رخ دکھانے لگا
تو وہ دشت سب جگمگانے لگا
یہ دیکھا تماشا جو اس رات تھا
کہوں کیا عجب کچھ طلسمات تھا
سوا اس کے اور ایک سنیے بیاں
کہ ان میں جو مسند نشیں تھا جواں
یہ کچھ عیش تھا اور یہ سامان تھا
پہ اس کو نہ ہرگز ادھر دھیان تھا
ملال اپنے چہرے پہ لائے ہوئے
دل آزردہ چپ سر جھکائے ہوئے
کسی پر نظر وہ اٹھاتا نہ تھا
وہ عیش اس کو ہرگز خوش آتا نہ تھا
خفا تھا نہایت ہی اس کا مزاج
خبر کیا کہ اس کا کدھر تھا مزاج
رہی دو گھڑی رات جس وقت واں
تو ایک پیک محفل میں آیا دواں
پھرا گرد مسند نشیں کے وہ آ
جھکا سر کو مجرا کیا اور کہا

کہ احوال واں کا بدستور ہے
ابھی راہ مطلب بہت دور ہے

یہ سن کر جواں آہ کر کر اٹھا
دم سرد محفل سے بھر کر اٹھا

گیا واں سے اپنے اسی دھیاں میں
گئے سب وہ ساتھ اس کے ایک آن میں

گئے وہ میں لے کر ہوس رہ گیا
تعجب تحیر میں بس رہ گیا

وہ جھمکیں نگہ ساتھ گھرتی رہیں
وہ شکلیں تصور میں پھرتی رہیں

ذرا میری ان پر طبیعت رہی
کئی دن تلک مجھ کو حیرت رہی

گیا میں کئی بار یوں تو ادھر
ولے پھر وہ نقشہ نہ آیا نظر

یہ جب اس کی خدمت میں وہ کہہ چکا
تو ساتھ اس کے یہ بھی ادھر کو گیا

امید اپنے دل کو یہ دینے لگا
خبر دشت میں ان کی لینے لگا

کہ شاید پھر آویں تو ان سے ملوں
یہ احوال اپنا میں ان سے کہوں

کیا ایک مدت تلک انتظار
ہوا بارے ان کا پھر اس جا گذار

وہی آ کے نقشہ نمایاں ہوا
یہ دیکھ ان کا عالم کو حیراں ہوا
بچھا فرش اور زیب اس جا ہوئے
سب اسباب عشرت مہیا ہوئے
جو مسند نشیں تھا اس عنوان سے
وہ مسند پہ بیٹھا اسی شان سے
وہی ناچ اور راگ پھر واں ہوا
سنا تھا جو کچھ سب نمایاں ہوا
یہ دیکھا جب اس نے تو اٹھ کر وہیں
گیا واں جہاں تھا وہ مسند نشیں
جو حاضر ہوا بزم میں آن کر
تو اس نے بھی ہمسر اسے جان کر
پکڑ آستیں پاس لایا اسے
بغلگیر ہو کر بٹھایا اسے
بہت خوبی و لطف و اکرام سے
ہوا واقف اس کے وہیں نام سے
کہا تم نے کی مہربانی بہت
ہمیں اب ہوئی شادمانی بہت
دل اس کا ہوا اس کے آنے سے شاد
یہ اس کے ہوا دل لگانے سے شاد
کہا یاں پہ آنا سبب کا ہے کچھ
فقط لطف ہے یا تمنا ہے کچھ

سنی یہ جو بات ان سے اس ماہ کی
تو بھر اشک آنکھوں میں ایک آہ کی
کہا کیا تمنا میں اپنی کہوں
عجب طور کے رنج اور غم میں ہوں
یہ سن کر کہا تو کہئے بھلا
جب ان سے یہ احوال اپنا کہا
کہ میں باغ میں اپنے ایک شب رہا
بہت عیش و عشرت میں پھر سو گیا
کوئی دلبرانا آن کر خواب میں
خلل کر گئی طاقت و تاب میں
مجھے بے کل اور مبتلا کر گئی
کہوں کیا میں تم سے کہ کیا کر گئی
دکھایا جو مکھڑا مجھے بے نقاب
تو مجھ میں تحمل رہا پھر نہ تاب
دکھایا مجھے حسن اس آن سے
کہ شیدا ہوا میں دل و جان سے
دکھائی کچھ ایسی مجھے آن بان
کہ سینہ گئی توڑ اور دل کو چھان
جو کچھ حسن میں اس کے تھی برتری
کہوں کیا مگر حور تھی یا پری
کھلی آنکھ میری تو پھر وہ کہاں
میں بے بس تڑپتا رہا نیم جاں

تلاش اس کی میں نے بمقدور کی
جھلک بھی نہ دیکھی پھر اس نور کی
محبت میں اس کی گرفتار ہوں
جگر خستہ ہوں اور دل افگار ہوں
ہر ایک طور سے جب میں بے بس ہوا
تو خدمت میں لایا ہوں اب التجا
یہ احوال جب گوش ان سے کیا
تو سنتے ہی کی آہ اور رو دیا
کہا تم جو بے کل ہو اور زرد ہو
ہمارے غرض تم بھی ہمدرد ہو
تمہارے جو کچھ دل کا احوال ہے
ہمارے بھی دل کا وہی حال ہے
پری ایک ہے دلربا نازنیں
بہت خوش ادا مہ لقا نازنیں
بہت پر غرور اور بہت ہٹ بھری
کوئی اس کے ہمسر نہیں یاں پری
عجب حسن میں اس کے عنوان ہیں
جو پریاں ہیں وہ اس پہ قربان ہیں
لگا دل کو اس کی ہر ایک آن سے
ہم اس پر فدا ہیں دل و جان سے
یہی آرزو دل میں رکھتے ہیں آہ
کہ دیکھیں کسی دن اسے بھر نگاہ

ولے ہم کو وہ منھ دکھاتی نہیں
ہمیں کوئی عشرت خوش آتی نہیں

نہیں دل جو لگتا تو پھر بار ہم
ادھر کو بھی آتے ہیں لاچار ہم

کئی قاصد اپنے ادھر جاتے ہیں
خبر اس کی ہر روز لے آتے ہیں

اسے جس گھڑی ہم پہ مہر آوے گی
تو ہم پاس وہ رشک مہر آوے گی

رہو تم ہمارے کنے مہرباں
جو کچھ ہم سے ہو گا وہ ہو گا عیاں

جب اس کے تئیں ان نے یوں کہہ دیا
وہیں آ کے قاصد نے مجرا کیا

کہا واں نہیں بات کچھ اور ہے
وہی رنگ ہے اور وہی طور ہے

تو پھر وہ گھڑی رات جس دم رہی
گئے وہ اسے بھی لے ہمرہی

یہ ہمدرد کے ساتھ ایک آن میں
ہوا جلد وارد پرستان میں

دکھائے انہیں واں کے رنگیں مکاں
مرصع طلائی جواہر فشاں

دکھائے انہیں واں کے باغ و چمن
گل و بلبل و نرگس و نسترن

بہاریں عجب اور فضائیں عجب
صدائیں عجب اور ہوائیں عجب
انہیں دیکھنے وہ کب آئے تھے
محبت نے ان کو وہ دکھلائے تھے
کہاں یہ کہاں حد پرستان کی
بلندی یہ ہے عشق کی شان کی
مہینے تک ان کی ضیافت رہی
پھرے لے ادھر سے ادھر تک یہی
شب و روز فرحت فزا انجمن
طرب رقص گلگشت باغ و چمن
وہ قاصد جو اس کے تھے جاتے ادھر
پھر آتے تھے ہر دم ادھر سے ادھر
کسی نے پھر ایک دن بصد خوشدلی
نوید آن کر اس کے ملنے کی دی
کہا وہاں سے دور اعتراضی ہوئی
وہ محبوب اب دل سے راضی ہوئی
خوشی یہ جو زیب زبانی ہوئی
نہایت اسے شادمانی ہوئی
وہ جب خوش ہوا وہاں تو اس نے بلا
کسی اپنے ہمراز سے یوں کہا
یہ مہماں ہیں ان پر کرم کیجئے
جو کچھ یہ کہیں اس کو سن لیجئے

کہا اس نے کہئے انہوں نے کہا
کہ ہوں اب میں جس نازنیں پر فدا
یہ شکل اور یہ قد اور یہ انداز ہے
یہ کچھ حسن ہے اور یہ کچھ ناز ہے
کہا اس نے سن کر کہ یاں ایک پری
اسی حسن اور ناز میں ہے بھری
کئی دن میں جا اس کو راضی کیا
مئے جام عشرت انہیں بھر دیا
بڑی دھوم سے شادی ان کی ہوئی
بڑے غم سے آزادی ان کی ہوئی
پریزاد نے ہو کے واں شاد جب
بنا طرفہ شادی کے اسباب سب
کر آراستہ خوب ایک انجمن
تکے جس کو ہر لحظہ باغ و چمن
بڑی دھوم سے بیاہ اپنا کیا
بیاں اس کا جاتا نہیں کچھ لکھا
دل اپنا جب اس نے پر عشرت کیا
تو اس جا سے ان کو بھی رخصت کیا
پری کو یہ ساتھ اپنے لائے ادھر
خوشی خرمی سے رہے عمر بھر
کروں کیا نظیر اب میں تقریر عشق
عجب حسن رکھتی ہے تاثیر عشق

اختتام--------------------حصہ اول